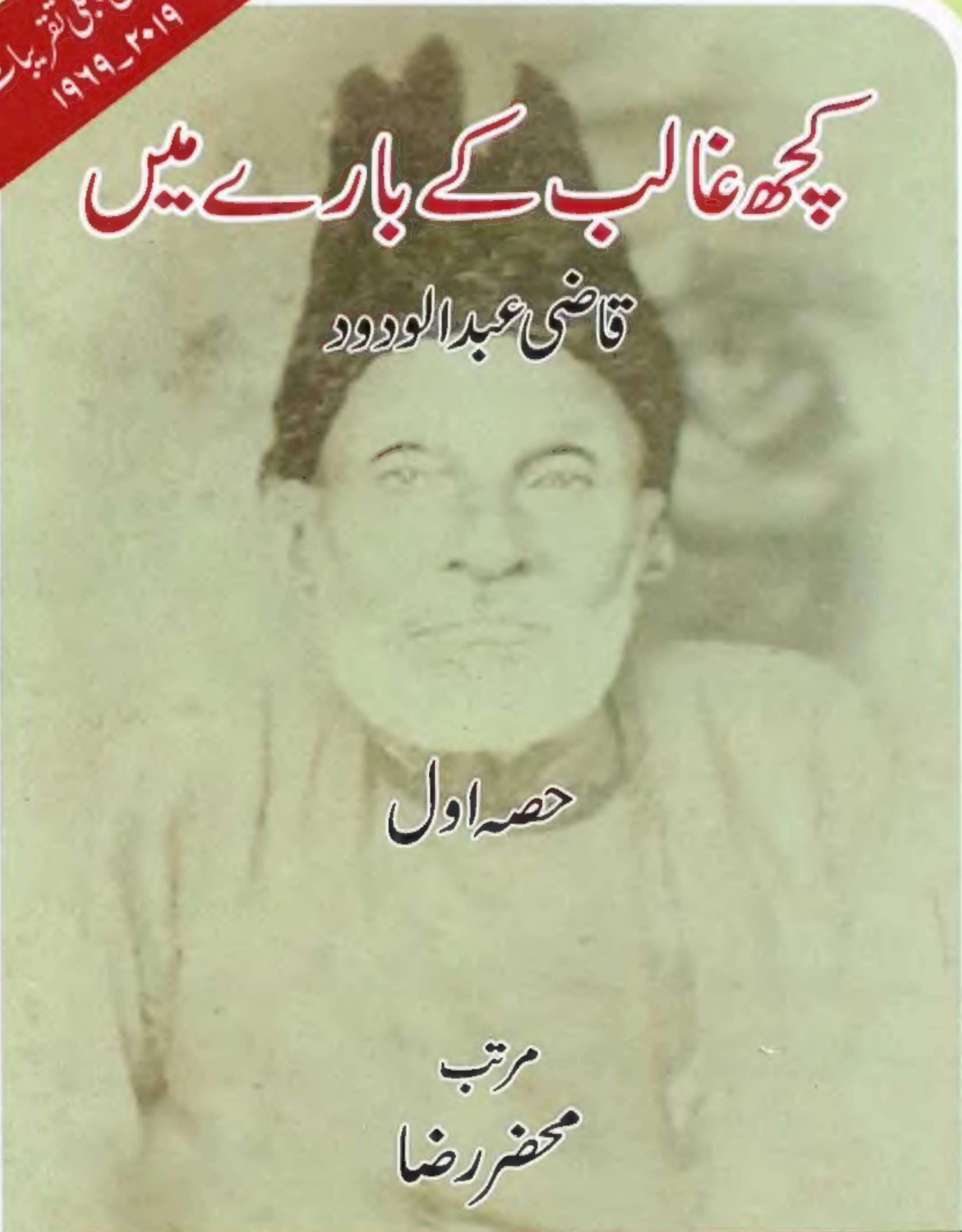
گولڈن جبلی تقریبات
۱۹۶۹ـ۲۰۱۹



کچھ غالب کے بارے میں

قاضی عبدالودود

حصہ اول

مرتب
محضر رضا

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

کچھ غالب کے بارے میں

قاضی عبدالودود

حصہ اوّل

مقدمہ و حواشی

محضر رضا

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

KUCH GHALIB KE BARE MEIN
(Vol.: I)
Edited by:
Mahzar Raza

ISBN : 978-81-944296-3-0

نام کتاب : کچھ غالب کے بارے میں (حصہ اوّل)
مقدمہ وحواشی : محضر رضا
بہ اہتمام : ڈاکٹر سید رضا حیدر
سال اشاعت : 2019
تعداد : 500

مطبع : اصیلا آفسیٹ پرنٹرس، دہلی
کمپوزنگ : محمد اکرام

غالب انسٹی ٹیوٹ
ایوانِ غالب مارگ، نئی دہلی ۔۲

www.ghalibinstitute.org– E-mail: ghalibinstitute@gmail.com

عابد رضا بیدار

کے نام

فہرست

- پیش لفظ 7
- مقدمہ 9

1. کتب خانہ خدا بخش اور غالب 21
2. مقالۂ افتتاحیہ 24
3. غالب کی عظمت 65
4. غالب کے اشعارِ فارسی کا ایک مجموعہ 76
5. غالب کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ 85
6. غالب کے کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ 91
7. غالب کا ایک فارسی قصیدہ 117
8. غالب کے ایک قصیدے کا اوّلین ممدوح 121
9. سبد چیں 128
10. غالب اور خان آرزو 139
11. غالب کی غزل گوئی کے پانچ دور 145
12. دیوانِ غالب کے دو نسخے 149
13. مکتوباتِ غالب 183
14. غالب کے فارسی خطوط 195
15. غالب نے اردو میں خط و کتابت کب سے شروع کی 203

16. میر صفیر بلگرامی اور میرزا غالب	220
17. غالب کے خطوط صفیر بلگرامی کے نام	231
18. غالب اور بہار	240
19. مجموعۂ دہلی اور غالب	247
20. عہد شاہجہانی کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب	282
21. بزمِ معاصر (عہد شاہجہانی... سے متعلق)	299

پیش لفظ

قاضی عبدالودود کی تحقیقی نگارشات پہلی مرتبہ اردو کے معیاری کھی ائد میں شائع ہوئیں تو ان کے معاصرین نے نہ صرف یہ کہ ان کا مطالعہ کیا بلکہ کسی نہ کسی انداز میں ان کا اثر بھی قبول کیا۔ دھیرے دھیرے ان رسائل کی مقبولیت یا تو کم ہوگئی یا نئے مسائل ومباحث نے ان کی جگہ لے لی۔ نئے مباحث کا اپنی جگہ بنالینا فطری ہے لیکن اس سے پرانے مباحث کی معنویت میں لازماً فرق نہیں آتا۔ قاضی عبدالودود کی تحریروں نے جن مفروضات کی مدلل تنسیخ کی اور جن حقائق کو ظاہر کیا وہ عام طور پر قبول کر لیے گئے اور آج وہی عمومی شعور کا حصہ ہیں۔ لیکن ان تحریروں کی صرف اتنی ہی افادیت نہیں ہے کہ ہم صحیح واقعات کو ذہن نشین کرلیں۔ یہ تحریریں تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بہترین رہنما ہونے کے علاوہ ماخذات کا بڑا سرمایہ بھی ہیں۔ قاضی عبدالودود نے مختلف موضوعات پر بڑی تعداد میں مقالات لکھے ہیں جو تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے نمونۂ عمل ہیں۔ غالبیات کے تعلق سے ان کی کتاب 'غالب بہ حیثیت محقق' اہم ترین حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ انھوں نے 'جہان غالب' کے عنوان سے ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور تن تنہا اتنا مواد جمع کر کے شائع کردیا تھا جتنا کئی افراد مل کے بھی جمع نہیں کرسکے۔ ان کی وفات کے بعد یہ منصوبہ تا حال مکمل نہیں ہوسکا۔ ایک عام اندازے کے مطابق قاضی عبدالودود کی تحریروں سے متعلق لوگوں کی واقفیت چند مشہور مقالات تک ہی محدود ہے۔ اس کی ایک وجہ ان کا اعلیٰ طباعت سے محروم ہونا بھی ہے۔ ان کی اکثر تحریریں اگر آج ہمارے مطالعے کا حصہ ہیں تو یہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی کوششوں کا ثمرہ ہے ورنہ قاضی عبدالودود کب کا رسالوں کے دفینوں میں گم ہو چکے ہوتے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نے اپنے

زمانۂ قیام سے معیاری مواد ان کے شایان شان طبع کیا ہے۔ قاضی عبدالودود غالب انسٹی ٹیوٹ کے ٹرسٹی بھی تھے۔ غالب اور غالب انسٹی ٹیوٹ سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ گولڈن جبلی کے موقع پر ان کی کتاب اس ادارے سے شائع ہو رہی ہے۔ امید ہے اردو تحقیق اور غالبیات سے دلچسپی رکھنے والے افراد کے لیے یہ کتاب سودمند ثابت ہوگی۔

صدیق الرحمٰن قدوائی

مقدمہ

اردو میں ادبی تحقیق کا نام آتے ہی ذہن میں حافظ محمود شیرانی اور قاضی عبدالودود کی تصویر ابھرنے لگتی ہے۔ ایک شخص کا کسی شعبے سے اس طرح وابستہ ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ اس نے اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اسی شعبے کی ترقی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ قاضی عبدالودود نے جس انداز سے مطالعے کو وسعت دی اور حقائق کو ان کی اصل صورت میں دیکھا اور بیان کیا اس سے ان کی شخصیت خوف کی علامت بھی بن گئی۔ یہ خوف ان محققین کے لیے تھا جو منطقی فکر، موثق دلائل پر خطابت اور شخصی حوالوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اس خوف نے جہاں مصنفین کو محتاط رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا وہیں اردو تحقیق کی روایت کو بھی مستحکم کیا۔ کلاس روم اور ادبی اجلاس میں یہ جملے بار بار سنے کہ قاضی عبدالودود کی تحریروں نے اردو دنیا کو تحقیق کے صحیح آئین سے متعارف کرایا۔ لیکن جب ایک قاری قاضی عبدالودود کی تحریروں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے تو وہ خود ایک قسم کے خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ خوف ان کی مطبوعہ تحریروں کو دیکھنے سے طاری ہوتا ہے۔ زبونی طباعت کے سبب ان کے ساتھ لمبا وقت گزارنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ صورت مجھ جیسے بہانہ طلب قاری کو ہی نہیں اس عہد کے بڑے اردو دانشور کو بھی کتاب بند کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ عابد رضا بیدار کی صورت میں قاضی عبدالودود کو ایک ایسا منتظم مل گیا جس نے نامساعد حالات کے سامنے سپر انداز ہونے کے بجائے حتیٰ المقدور ان کی تحریروں کی حفاظت کا سامان

بہم کیا۔ قاضی عبدالودود کی تحریروں کو دوبارہ سلیقے سے مرتب کرنا بھی تحقیق کرنے سے کم صبر آزما نہیں۔ بعض جگہ خیالات کی تنسیخ ہے اور کہیں اشارات اتنے مجمل ہیں کہ درمیانی کڑیوں کی تلاش حوصلے سرد کر دیتی ہے۔ لیکن ان تمام مسائل کے باوجود اتنے توانا متن کی بازیابی کے کچھ راستے تو نکالنے ہوں گے۔ قاضی عبدالودود نے اردو کے کلاسیکی سرمایے کو جس توجہ اور دقت حس کے ساتھ پڑھا اور پرکھا وہ اردو ادب کی پوری روایت پر ان کی گہری حس کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف موضوعات پر ان کے تقریباً تمام مقالے حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن جس ایک موضوع پر انھوں نے سب سے زیادہ لکھا اور آخر وقت تک اس پر اضافہ کرتے رہے وہ غالبیات ہے۔ انھوں نے غالب سے متعلق ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ 'جہان غالب' اسی منصوبے کی جزوی تکمیل ہے۔ اس کے علاوہ غالب سے متعلق ان کی کتابیں 'غالب بہ حیثیت محقق' اور 'ماثر غالب' غالب تحقیق میں مستند حوالے کا درجہ رکھتی ہیں۔ 'کچھ غالب کے بارے میں' ان کے غالب سے متعلق متفرق مقالات وتبصروں کا مجموعہ ہے۔ جلد اول میں سوانح، شاعری، اور نثر وغیرہ سے متعلق مقالات ہیں اور دوسری جلد لسانیاتی موضوعات اور تبصروں پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی کوشش سے اس کتاب کی دونوں جلدیں خدا بخش لائبریری سے شائع ہو چکی ہیں۔ عابد رضا بیدار صاحب کو جب میں نے 'مکاتیب قاضی عبدالودود' پیش کی تو مبارکبادی کے فوراً بعد انہوں نے جو بات کہی وہ یہی تھی کی اب قاضی صاحب کی دوسری کتابوں کو نئے اصول ومعیار کے لحاظ سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے اور مجھے آئندہ اسی سمت میں قدم بڑھانا چاہیے۔ میں نے ان کے مشورے کی اہمیت کو تو محسوس کیا تھا لیکن اس پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ استاد محترم ڈاکٹر سرورالہدیٰ صاحب نے مجھے نہ صرف یہ کہ اس کتاب کو مرتب کرنے کی ہدایت دی بلکہ غالب انسٹی ٹیوٹ کے فعال ڈائرکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر سے اس بات پر رضامندی بھی حاصل کر لی کہ اگر یہ کتاب مرتب ہوگئی تو اس کو غالب انسٹی ٹیوٹ شائع کر دے گا۔ سرورالہدیٰ صاحب کا شکریہ اس لیے ادا نہیں کر سکتا کہ ان کی تربیت وشفقت شکریے کی رسمیات سے بالاتر ہے۔ ڈاکٹر رضا حیدر صاحب کی خصوصی توجہ اور بار بار تقاضا کرنے سے مجھے احساس ہوا کہ اس کتاب کی تدوین و

اشاعت میں ان کی غیر معمولی دلچسپی شامل ہے۔

غالب سے متعلق قاضی عبدالودود کی تحریروں سے غالب کی سیرت، شاعری، مکتوب نگاری، تاریخ نگاری اور لغت نگاری سے ان کی جس عالمانہ واقفیت کا ثبوت ملتا ہے وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے غالبیات کو ایک وحدت کے طور پر دیکھا تھا۔ وہ غالب کو بہ حیثیت شاعر جتنا عظیم مانتے تھے محقق غالب کو اتنا ہی معمولی سمجھتے تھے۔ غالب کے تعلق سے ان کا مضمون 'غالب بہ حیثیت محقق' پہلی مرتبہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر (49-1948) میں شائع ہوا اور اسی کے بعد اردو ادب میں ان کی شناخت مستحکم ہوئی۔ قاضی عبدالودود کی غالب پر بے لاگ تنقید کو ایک طبقے نے ناپسند کیا۔ ان لوگوں کے پاس اپنی ناپسندیدگی کے جواز بھی تھے۔ ناپسندیدگی کا اظہار کرنے والوں میں مشہور غالب شناس مالک رام بھی شامل تھے:

> ''جن اصحاب نے یہ مضمون [غالب کی راست گفتاری] دیکھا ہے، انھیں معلوم ہے کہ اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ غالب راست گوئی کے زیادہ پابند نہیں تھے اور ضرورت پڑنے پر انھیں دروغ بافی سے بھی دریغ نہیں تھا۔ مجھے یہ مضمون پسند نہ آیا۔ خطائے بزرگاں گرفتن خطا است کے مقولے سے قطع نظر میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اس مضمون کی اشاعت سے علم و ادب کی کون سی خدمت ہوئی، یا غالب کی شاعرانہ عظمت کس طرح کم ہوگئی۔ چنانچہ میں نے جب مختار الدین احمد کے خط کا جواب دیا تو... اس مضمون کی اشاعت پر احتجاج بھی کیا۔''[1]

غالب بہ حیثیت محقق اشاعت اول کے جواب میں شوکت سبزواری کا مفصل مضمون 'ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرف دار نہیں' قسط اول جنوری تا مارچ 1952 اور قسط دوم جولائی تا دسمبر 1952 رسالہ 'اردو' میں شائع ہوا۔ قاضی عبدالودود نے شوکت سبزواری کے صرف ایک اعتراض کو درست تسلیم کیا بقیہ کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ وہ یا تو فی نفسہ غلط ہیں یا ان کے خیالات کی غلط ترجمانی کا نتیجہ ہیں۔ قاضی عبدالودود کا یہ مقالہ دراصل قاطع برہان کا عالمانہ تجزیہ ہے، لیکن اس کے ذیل میں قدیم ایران کی تاریخ و ادب اور دوسرے علوم مثلاً نجوم وغیرہ

کی بحثوں نے اس میں مستقل کتاب کی شان پیدا کر دی ہے۔ اس مضمون کو لکھنے کے لیے قاضی عبدالودود نے متعلقہ موضوعات سے واقفیت بہم پہنچائی تھی، کئی برس تک وہ معلومات جمع کرتے رہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ پہلی بار جب یہ مقالہ علی گرھ میگزین غالب نمبر میں شائع ہوا تو اس کی ضخامت محض 39 صفحات تھی لیکن سات برس بعد 1956 میں جب یہ مقالہ دوبارہ مختار الدین احمد کی کتاب 'نقد غالب' میں شائع ہوا تو اس کی ضخامت تقریباً سوا دو سو صفحات تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے باوجود قاضی عبدالودود کا خیال تھا کہ ''موضوع کا حق جب تک کم از کم تین سو صفحے اس کے لیے وقف نہ کیے جائیں ادا نہیں ہو سکتا۔''[2] قاضی عبدالودود پر یہ اعتراض کہ انھوں نے کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں کی صحیح ہے لیکن ان کا یہی ایک مقالہ مستقل کتاب کا حجم رکھتا ہے۔ غالب کے کلام اور ان کی تصانیف کے بار بار مطالعے نے انھیں غالبیات کے باریک گوشوں کی طرف متوجہ کیا۔ کلام غالب کے مطالعے کے بارے میں خود کہتے ہیں:

> ''ایک زمانے میں مجھے غالب کا پورا دیوان، اپنے الفاظ مجھے واپس لینا چاہیے، پورا دیوان نہیں لیکن یہ کہ غزلیں، شاید ہی کوئی ایسا شعر ہو جو مجھے یاد نہ ہو۔ اور یہ کثرت مزاولت کی وجہ سے، یہ نہیں کہ میرا حافظہ بہت قوی ہے، کہ ایک مرتبہ پڑھا اور یاد رہ گئی بات۔ یہ نہیں تھی، بلکہ اتنی مرتبہ میں نے دیوان غالب پڑھا تھا کہ تقریباً شاید ہی کوئی شعر ہو جو مجھے یاد نہ ہو۔''[3]

کسی متن کو بار بار پڑھنا خود کو آزمائش میں ڈالنا نہیں تو اور کیا ہے، لیکن متن بھی آزمائش کے بغیر خود کو کسی کے حوالے کہاں کرتا ہے۔ قاضی عبدالودود تو ایسی آزمائشوں کے خوگر تھے۔ آزمائشوں سے گھبرانا دراصل سپر انداز ہونا ہے جس کا کوئی شائبہ نہ قاضی عبدالودود کی ذاتی زندگی میں نظر آتا ہے اور نہ علمی زندگی میں۔ ان کی بے باکی اوڑھی ہوئی شے نہیں تھی بلکہ ان کی شخصیت کا عنصر لازم تھی جو ان کی عادت بھی تھی اور شناخت بھی۔ جس شخص نے ایک ایک لفظ کی تلاش میں کلیات ختم کر دیے ہوں، ایران قدیم سے غالب کی واقفیت دکھانے کے لیے

ایرانی تاریخ اور زرتشتی مذہب کے تمام ضروری لٹریچر کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا ہو وہ اگر شخصیت کے رعب اور لہجے کی دھونس کا انکاری ہو تو حیرت کا مقام نہیں۔ قاضی عبدالودود کی تحقیق توازن کی بھی بہترین مثال ہے۔ انھوں نے غالب کو رد ہی نہیں کیا قبول بھی کیا ہے۔ غالب کی تردید کے جوش میں وہ محمد حسین برہان کی کوتاہیوں کی پردہ پوشی نہیں کرتے، نہ ہی شخصیت سے جذباتی رشتہ قائم کرتے ہیں، کیوں کہ عقیدت مدح کے ماسوا کچھ پسند نہیں کرتی۔ قاضی عبدالودود نے غالب کی حیات اور تصانیف کا باریکی اور سختی کے ساتھ تجزیہ کیا ہے، ظاہر ہے وہ غالب کے معاصر نہیں تھے لہٰذا غالب کی سیرت کا تجزیہ خود ان کی یا ان سے متعلق دوسروں کی تحریر کی روشنی میں ہی ممکن ہوسکتا تھا۔ انھوں نے اردو سے لے کر فارسی خطوط و تقاریظ اور اشتہارات میں منطقی ربط پیدا کر کے مقدمات قائم کیے اور صحیح نتائج حاصل کیے۔ مثلاً وہ غالب کے بیان میں تضاد دکھانے کے لیے قاطع برہان کی تقریظ سے یہ جملہ پیش کرتے ہیں: ''اگر منشی نول کشور دکان بے رونق کے خریدار نہ ہوتے تو اس کتاب کا مسودہ ضائع ہو جاتا اور منطبع نہ ہوتی'' اس کے بعد سیاح کے نام خط سے یہ جملہ نقل کرتے ہیں: ''میرے پاس روپیہ کہاں جو... دوبارہ چھپواؤں؟ پہلے بھی نواب مغفور (یوسف علی خاں والی رام پور) نے 200 رپے بھیج دیے تھے تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا۔''[4] یہاں ایک جملہ تقریظ کا ہے اور دوسرا خط کا لیکن دونوں کے درمیان ربط قائم کر کے جو استدلال کیا گیا ہے وہ قرأت کا ایسا سلیقہ ہے جس کی مثال شاذ ہی ملتی ہے اور غالب کی ایسی تصویر بناتی ہے جو حقیقت کے رنگوں سے بنی اور عقیدت و جانب داری کے روغن سے عاری ہے۔ وہ صرف تضاد نہیں دکھاتے اس کی وجہ بھی بتاتے ہیں کہ غالب دراصل سیاح کو نہیں بلکہ ان کے مربی غلام بابا خاں کو مطلع کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ نواب کی مثال کی پیروی کریں۔ یہ غالب اور ان کے عہد کو ایک وحدت میں پڑھنے کا نتیجہ ہے کہ واقعات ایک مرتب قطار میں نظر آنے لگتے ہیں اور حقائق بالکل شفاف ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا کہ غالب شاعر ہیں اگر ان کی سیرت اخلاق کے بہترین معیار کی پابند نہ ہو تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، کیوں کہ بڑا شاعر ہونے کے لیے بلند اخلاق ہونا لازمی شرط نہیں۔ یہ حقیقت بھی ہے اور خود قاضی عبدالودود بھی اس کے قائل ہیں، لیکن جب سیرت نگار اپنی پسندیدہ خصلتیں کسی

شخصیت میں دکھائے خواہ وہ شخصیت ان صفات کی حامل نہ ہو تو ایسا محاکمہ ناگزیر ہو جاتا ہے جو حقیقت واقعہ کا انکشاف کر سکے۔ قاضی عبدالودود کی تحقیق غالب کی اسی ادھوری تصویر کو مکمل کرتی ہے۔

قاضی عبدالودود کی تحقیق کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ متعلقہ موضوع کے متعلقات پر بھی اسی طرح حاوی نظر آتی ہے جس طرح یحیٰی موضوع پر۔ ان کی تحریروں سے متعلق ایک خیال یہ بھی عام ہے کہ وہ ساری عمر دوسروں کی کمیاں تلاش کرتے رہے اور کام کی باتیں انھیں اعتراضات کے درمیان جملۂ معترضہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ قاضی عبدلودود کے تبصرے ان کی بہترین تحریروں میں ہیں اور غالب، محمد حسین آزاد، عبدالحق، ابوالکلام آزاد اور شاد کے تعلق سے جو تحریریں ان کے قلم سے نکلیں ان میں شخصی کمزوریوں اور علمی تسامحات کا ہی تعاقب کیا گیا ہے تاہم ان کی تمام تحریروں کو خردہ گیری سے تعبیر کرنے کو تنقیدی افواہ سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ بقول ابن انشا:

کس کا کس کا حال سنایا تو نے اے افسانہ گو
ہم نے ایک تجھی کو ڈھونڈھا اس سارے افسانے میں

اس طرح کی افواہیں فرضی ہونے کے سبب تحقیقی نظر کی حریف تو نہیں ہو سکتیں لیکن وقتی طور پر اپنا کام دکھا دیتی ہیں سادہ لوح اور کم فرصت افراد ان پر ایمان بھی لے آتے ہیں اور ان کی نظر 'آوارہ گرد اشعار' 'تعین زمانہ' 'جہان غالب' جیسی کتابوں کی طرف نہیں جاتی۔

سوانحی تحقیق کے سلسلے میں تاریخ بنیادی معلومات فراہم کرتی ہے۔ قاضی صاحب نے غالب اور محمد حسین آزاد کے بعض بیانوں کو صرف تاریخی حوالوں سے رد کیا ہے۔ مثلاً غالب نے تفتہ کو ایک خط میں لکھا ہے کہ انھیں دربار اودھ سے پانچ ہزار روپے ملے جس میں سے تین ہزار روشن الدولہ اور دو ہزار منشی محمد حسن نے ہضم کر لیے۔ ناسخ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کھایا ہوا روپیہ غاصبین کے حلق سے نکال کر بھجوا دیں گے لیکن نصیر الدین حیدر کے انتقال کے سبب یہ صورت بھی کارگر نہ ہو سکی۔ قاضی عبدالودود نے اپنے مضمون 'غالب کے ایک قصیدے کا اولین ممدوح' میں تاریخی استدلال سے ثابت کیا ہے کہ عہد نصیر الدین حیدر میں ناسخ کا رسوخ ختم

ہو چکا تھا اور وفات نصیرالدین حیدر کے وقت روشن الدولہ منصب وزارت سے معزول ہو چکے تھے۔ غالب پر تحقیق کرتے وقت انھوں نے ان تمام ضروری اشخاص کے متعلق ممکنہ معلومات جمع کر لی تھیں جن سے غالب کا کوئی تعلق تھا۔ ان اشخاص کے بارے میں بھی چھوٹی بڑی باتوں کو وہ اتنے ہی وثوق سے بیان کر سکتے تھے۔ مثلاً یہ بات تو اکثر لوگوں کو معلوم ہوگی کہ میاں داد خاں سیاح کے نام سے منسوب کتاب 'لطائف غیبی' کو اکثر لوگوں نے غالب کی تصنیف کہا ہے۔ لیکن ماہرین غالبیات میں بھی کم ہی لوگوں نے یہ تحقیق کی ہوگی کہ سیاح نے کس کس جگہ کا سفر کس سنہ میں کیا اور اس تحقیق کا تعلق غالبیات میں کیونکر اہم ہو سکتا ہے۔ خلیق انجم نے اپنے مضمون ''ادبی تحقیق اور حقائق'' میں تحقیق کے اسی مسئلے کے تعلق سے لکھا ہے:

> ''محقق کو سب سے پہلے جو دقت پیش آتی ہے وہ مواد کی فراہمی ہے۔ اسے یہ معلوم کرنا ہوتا ہے کہ موضوع سے متعلق کیا مواد ہے؟ کہاں ہے؟ اور کیسے فراہم کیا جا سکتا ہے؟ ...اردو کی بدنصیبی ہے کہ ابھی تک کسی موضوع پر ببلیوگرافی تیار نہیں ہوئی۔ کسی نے حوالے کی کتابوں کی طرف توجہ نہیں دی۔ فرض کیجیے میں مرزا مظہر جان جاناں پر کام کر رہا ہوں اور مقالہ لکھتے ہوئے شاہ مبارک آبرو کا ذکر آ گیا، مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ آبرو کب پیدا ہوئے اور کب مرے؟ اردو میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو فوری طور پر میری مدد کر سکے۔ تحقیق کے دوران قدم قدم پر ایسے ضمنی موضوعات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اب اصل موضوع کے علاوہ آپ ضمنی موضوع پر بھی تحقیق کیجیے۔ چونکہ محقق کی توجہ اصل موضوع پر ہوتی ہے، وہ ان چھوٹے موضوعات پر پوری توجہ نہیں کرتا اس لیے عام طور پر اس سے غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔''[5]

خلیق انجم کی بات اپنی جگہ مستحکم ہے تحقیق کے مسائل کو آسان بنانے کی کوشش ہونی چاہیے لیکن قاضی عبدالودود کی تحریر کو پڑھتے وقت کبھی ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ نفس مضمون کے متعلقات کو وہ چیز دیگر تصور کرتے ہیں۔ 'لطائف غیبی' غالب تحقیق کا حصہ ہے لیکن سیاح کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے سیاح سے بھی اس کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قاضی عبدالودود

نے سیاح کی سوانح سے متعلق نہایت دقیق معلومات اور ان کے سفروں کی تفصیل حتیٰ الوسع جمع کر لی تھیں۔ 'لطائف غیبی' کے متعلق یہ اقتباس ان کی نظر اور تلاش کی اعلیٰ ترین مثال ہے:

"اس میں خلاف واقعہ یہ لکھا ہے کہ سیاح نے کشمیر و کابل وقندہار کا سفر کیا ہے، حالانکہ اشاعت لطائف غیبی کے وقت تک سیاح کشمیر نہیں گئے تھے اور کابل وقندہار تو اس کے بعد بھی نہیں گئے۔ 6"

کفایت الفاظ کی بہترین مثال سے قطع نظر ان دو سطروں میں تلاش و تحقیق کا ایسا جذبہ کارفرما ہے جو قاضی عبدالودود کے بعد خال خال ہی نظر آتا ہے۔

قاضی عبدالودود نے غالب کے بیان میں تضاد کو اکثر نشان زد کیا ہے لیکن تضاد کا دکھانا اہم نہیں ہے زیادہ اہم اور قابل تقلید یہ ہے کہ وہ اپنے بیان کے لیے دلائل کہاں سے فراہم کرتے ہیں۔ حالی جیسا صاحب نظر جن باتوں سے سرسری گزر جاتا ہے قاضی عبدلودود وہاں ٹھہر کر کبھی تاریخی مسلمات کبھی منطقی استدلال کے ذریعے استنباط کرتے نظر آتے ہیں۔

غالب نے پہلے خود کو ترک ایبک افراسیابی النسل کہا پھر سلجوقی اور بالآخر سنجر و برکیارق کی اولاد ہونے کے مدعی ہوئے۔ حالی نے نیّر کے قول کو نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہند فارسی شاعری کا آغاز ایک ترک لاچین امیر خسرو سے ہوا اور خاتمہ ایک ترک ایبک غالب پر ہوا۔" غالب نے بتایا ہے کہ 'ایبک' ترکوں کا ایک قبیلہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا قاضی عبدالودود کی تحقیق میں نفس موضوع اور متعلقات کی دوئی مٹ جاتی ہے یہاں بھی بعینہ وہی مسئلہ ہے۔ غالب پر تحقیق کرنے والوں نے غالب کے مندرجہ بیانات کی تردید تو کی ہے لیکن کسی نے قبیلہ 'ایبک' کے متعلق تحقیق نہیں کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ "غالب و نیّر و حالی یہ سب اس سے بے خبر ہیں کہ اس نام کا کوئی قبیلہ تھا ہی نہیں۔ 7"

قاضی عبدالودود کا مضمون "غالب نے اردو میں خط و کتابت کب شروع کی" حوالوں کی تلاش اور منطقی دلائل کی رو سے ان کے اہم ترین مقالوں میں سے ایک ہے۔ غالب نے اردو میں خط و کتابت کب شروع کی اس بحث کا آغاز حالی کی 'یادگار غالب' سے ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ مرزا 1850 تک ہمیشہ فارسی میں خط وکتابت کرتے تھے۔
مگر سنہ مذکور میں جب کہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیے گئے... اس
وقت بہ ضرورت ان کو اردو میں خط وکتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثر اور
اکثر فارسی خطوط... نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب ان کی ہمت 'مہر نیم
روز' کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی، ضرور ہے کہ اس وقت ان کو فارسی
زبان میں خط وکتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرز خاص میں شاق ہوئی ہوگی۔
اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے غالباً سنہ 50 کے بعد سے اردو زبان
میں خط لکھنے شروع کیے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''زبان
فارسی میں خط لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری ضعف کے صدموں سے
محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔''8

حالی نے غالب کے جس خط کی عبارت کو بہ طور دلیل پیش کیا ہے اس کے بارے میں قاضی عبدالودود نے بنیادی بات یہ کہی کہ یہ غدر کے بعد کا ہے۔ خط میں تو تاریخ درج نہیں تھی لہٰذا خارجی شہادت یہ فراہم کی کہ خط شہید کے نام ہے جو غدر کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے، نیز اس سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ غالب نے ضعف پیری کی وجہ سے فارسی میں خط لکھنا بند کیا ہے، اردو میں پہلے پہل کب خط لکھا اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں۔ حالی کا سارا استدلال یا تو اسی خط پر ہے یا قیاس پر۔

یہ بیان جیسا کہ ذکر ہوا قطعی فیصلے تک نہیں پہنچاتا اور نہ ہی حالی نے کوئی بات قطعیت کے ساتھ کہی ہے، 'معلوم ہوتا ہے، غالباً، قیاس چاہتا ہے' جیسے لفظوں کا سہارا لیا گیا ہے۔ قیاس اسی صورت میں معاون ہوسکتا ہے جب حوالے میسر نہ ہوں۔ اس مقالے میں قاضی عبدالودود نے بھی قیاسی صورت حال بیان کر کے استنباط کیا ہے لیکن ان کی بنیاد منطقی ہے۔ حالی نے 1950 تک غالب کے ہمیشہ فارسی میں خط لکھنے کی بات کہی ہے اور اس کے ترک کا سبب 'مہر نیم روز' کی تصنیف میں مصروفیت کو بتایا ہے۔ قاضی عبدالودود نے یہ بھی سوال اٹھایا ہے کہ جب بظاہر 'مہر نیم روز' کی تصنیف اواسط 1950 سے شروع ہوئی تو حالی نے یہ کیوں لکھا کہ

''غالباً 1950 کے بعد سے غالب اردو میں خط لکھنے لگے۔'' یہ سوال نہایت اہم اور بنیادی ہے۔ حالی نے قیاساً ایک بات کہی جس کا خاطر خواہ تجزیہ وہ نہ کر سکے۔ قاضی عبدالودود نے حالی کے بیان کا بڑی باریکی سے تجزیہ کیا ہے۔ ان کا یہ سوال بڑا معنی خیز ہے کہ 'ہمیشہ' سے حالی کی کیا مراد ہے کیوں کہ انھوں نے 'یادگار غالب' میں ہی ایک جگہ 'ہمیشہ' کو 'عموماً' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ حاشیے میں حالی کی یہ عبارت بھی بتائی ہے۔ ''ان کے گھر میں کتاب کا کہیں نشان نہ تھا ہمیشہ کرائے کی کتابیں منگوا لیتے تھے'' دوسری جگہ لکھتے ہیں ''کبھی کوئی کتاب نہیں خریدتے تھے الّا ماشااللہ۔'' 'یادگار غالب' کو پڑھتے وقت شاید ہی کسی نے اس پر غور کیا ہو کہ ایک لفظ دو جگہ الگ الگ معنوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ متن کا باریک تجزیہ غائر مطالعے کیے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ یہ مضمون حوالا جات کی پیشکش سے زیادہ عقلی دلائل کی وجہ سے متاثر کرتا ہے۔ قاضی عبدالودود نے اس گتھی کو سلجھانے کے لیے غالب کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا دور تقریباً 1805 تک۔ اس وقت تک غالب کی عمر آٹھ برس رہی ہوگی ظاہر ہے ان کی مادری زبان فارسی نہیں تھی اسے انھوں نے استاد سے سیکھا ہوگا۔ اس دوران بھی ان کو خط لکھنے کی ضرورت پڑی ہوگی جب وہ اتنی فارسی نہ جانتے ہوں کہ اس میں خط لکھ سکیں ایسی صورت میں یقیناً اردو میں ہی خط و کتابت کرتے ہوں گے۔ دوسرے دور کو انھوں نے اواسط 1950 تک متعین کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس دور تک غالب رفتہ رفتہ فارسی پر قادر ہو رہے تھے، کچھ مدت کی مشق کے بعد صاحب طرز انشا پرداز قرار پائے۔ اس وقت عام رواج کے مطابق فارسی میں ہی خط لکھتے رہے ہوں گے، لیکن غالب کا تعلق ایسے لوگوں سے بھی رہا ہوگا جو فارسی سے کم یا بالکل ناواقف رہے ہوں۔ ایسی صورت میں بھی انھوں نے مجبوراً اردو میں خط لکھے ہوں گے۔ تیسرا دور بادشاہ کی ملازمت یعنی جولائی 1850 سے شروع ہوتا ہے۔ 'مہر نیم روز' کی تصنیف کا آغاز اسی سال ہوا ہوگا اور اس کی تصنیف میں مصروفیت اردو خطوط میں معتد بہ اضافے کا سبب ہوئی ہوگی۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ قاضی عبدالودود نے کسی تحریری حوالے کو مدار نہیں بنایا بلکہ قیاسی بات کہی ہے جو اپنی قبولیت کی خاطر خارجی حوالوں کا مطالبہ نہیں کرتی۔ ان کی تحقیق کے بارے میں یہ بات کہی گئی ہے کہ وہ معمولی باتوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں، یہ

بات اس مضمون کے سلسلے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حالی کا مقصد یہ نہیں تھا کہ 1850 کے بعد غالب نے اپنی زندگی کا پہلا اردو خط لکھا بلکہ وہ غالب کے عام رجحان کو نشان زد کرنا چاہتے تھے۔ معترض کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تحقیق قطعیت چاہتی ہے۔ قاضی عبدالودود نے اردو میں تحقیق کی روایت کو مستحکم کیا ہے۔ تحریر میں احتیاط اور تدبر کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور قطعی فیصلے تک رہنمائی کی ہے۔ اگر واقعی حالی کا مقصد یہی ظاہر کرنا تھا تو مافی الضمیر کی ادائگی کے لیے انھیں مناسب الفاظ نہیں مل سکے جس کی اہمیت مسلم ہے۔ قاضی عبدالودود کی ہی تحریر ہے جو سابقہ متن کا صحیح مقام و مرتبہ متعین کرنے کے ساتھ یہ بھی سکھاتی ہے کہ تصنیف و تالیف کی زبان کیسی ہونا چاہیے اور مطالب کو بغیر تجزیے کے پیش کرنے کی کیا خرابیاں ہوسکتی ہیں۔

اگر تحقیقی نظر اور محاکمے کے معروضی انداز کی کوئی اہمیت ہے تو قاضی عبدالودود کی تمام تحریروں کو ضروری حواشی اور معیاری طباعت کے ساتھ منظر عام پر آنا چاہیے۔ راقم الحروف نے اس سمت میں ایک کوشش کی ہے جس میں غلطیاں بھی راہ پا گئی ہوں گی جن کو اہل نظر بہتر انداز میں محسوس کرسکیں گے ان کی نشان دہی آئندہ میرے لیے ہدایت نامہ ثابت ہوگی۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ کتاب میں جہاں اردو ہندسے کے تحت پائینِ صفحہ حواشی درج ہیں وہ قاضی عبدالودود کے تحریر کردہ ہیں۔ انگریزی ہندسوں کے ذریعے درج حواشی مرتب کی کوششوں کا نتیجہ ہیں اور انھیں ہر مقالے کے بعد درج کیا گیا ہے۔ استاد محترم ڈاکٹر سرورالہدیٰ کی ہدایات اور رہنمائی کی بدولت ہی یہ کتاب مرتب ہوسکی لیکن ان کا معاملہ یہ ہے کہ:

من نمی گویم مرا ہدیہ دہید
بلکہ گفتم لایق ہدیہ شوید

علمی مجلسوں میں دو چار لفظ بولنے کا جو بھی سلیقہ ہے وہ شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تمام اساتذہ کی تربیت کا فیضان ہے جنھیں کسی بھی موقع پر فراموش کرنا ناسپاسی کی دلیل ہوگی۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر صاحب، ڈاکٹر ادریس احمد صاحب، ڈاکٹر سہیل انور اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے تمام عملے خصوصاً مشتاق احمد صاحب (اسسٹنٹ

لائبریرین) کا شکر گزار ہوں جنھوں نے مجھے ہر ممکن تعاون دیا۔ جناب مسعود حسن صاحب (پٹنہ) نے بعض حوالوں کی فراہمی میں مدد فرمائی، محمد افضل زیدی (ریسرچ اسکالر، شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے بعض فارسی کتابوں کی فراہمی میں مدد کی میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔

حواشی

1. قاضی عبدالودود صاحب، از مالک رام، معاصر قاضی عبدالودود نمبر
2. نقد غالب، مختار الدین احمد، ص 345، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، 1956
3. کچھ غالب کے بارے میں، حصہ 1، ص 58/3، قاضی عبدالودود، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، 1995
4. ایضاً، ص 8
5. ششماہی دستک، جنوری تا جون 2018، شعبۂ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس
6. کچھ غالب کے بارے میں، حصہ 1، ص 18، قاضی عبدالودود، خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ، 1995
7. ایضاً، ص 19
8. یادگار غالب، الطاف حسین حالی، ص 156، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، 2015

محضر رضا
(دہلی)

15 دسمبر 2019

کتب خانۂ خدابخش اور غالب

خدابخش خاں نے محبوب الالباب فی تعریف الکتب والکُتّابْ (مطبوعہ ص 629 تا ص 631) میں غالب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ حذف بعض عبارات کے بعد درج ذیل ہے:

''چندے[1] در کلکتہ ہم قیام داشت، روزے در یک مشاعرہ عزیزے اعتراضے بارد بر شعر مرزاے مزبور وارد کرد۔ مثنوی باد مخالف در جواب ہماں اعتراض است۔ با اینکہ بکدامی کارہاے دنیا تعلق نداشت مگر باغایت عزت وتمکنت میزیست۔ در شعر فارسی در عصر وے دیگرے مثل وے نبودہ۔ دیوان بزبان اردو ہم دارد، در شعر اردو ہم روش شعر فارسی نگذاشتہ۔ بہرحال ہرچہ از میرزاست، خیلے خوب است... دستنبو... محض بزبان فارسی بلا آمیزش کدامی الفاظ عربی[2] نوشتہ، بایں قید ایں رسالہ ہم خوب نوشتہ۔ میرزا محض بروش شعرا میزیست و اقدام باقداح راح میکرد۔ در آخر عمر ثقل سماعت ہم داشت۔ عمر طویل کرد۔ در[3] 1294ھ در دہلی وفات یافت۔''

اسی کتاب میں کلیات میر مطبوعہ کا ذکر ہے، اس میں غالب کے متعلق مرقوم ہے:

''غالب کہ در عصر خود در شاعری نظیر خود نداشت فرمودہ، قطعہ[4]

میر کے شعر کا کیا حال کہوں میں غالب　　اس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں
ریختے کا وہ ظہوری ہے بقول ناسخ　　آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں''

---

1. خدابخش خاں نے غالب کے چچا کا نام نصراللہ بیگ کی جگہ نصیراللہ بیگ لکھ دیا ہے۔
2. غالب چاہتے یہی تھے، لیکن ناواقفیت کی وجہ سے متعدد عربی الفاظ ان کے قلم سے نکل گئے۔
3. صحیح 1285ھ
4. یہ اشعار غالب کے ہیں، مگر نسخۂ حمیدیہ کی اشاعت سے قبل عام طور پر ان کے وجود کا علم نہ تھا۔ خدابخش نے یہ اشعار کہاں دیکھے، اس کا پتا نہیں۔

کتب خانۂ خدا بخش میں غالب کی ایک رنگین تصویر ہے، جو سید محفوظ الحق مرحوم کے اخلاف سے خریدی گئی ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی مجھ سے کہتے تھے کہ یہ تصویر انھوں نے کلیات نظم فارسی کے ایک قلمی نسخے سے نکال کر مرحوم کو دی تھی یہ آج کل کتب خانۂ دانش گاہ ڈھاکہ میں ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے شورش 57ء سے کچھ قبل کا لکھا ہوا ہے۔[1] ظاہراً یہ تصویر وہی ہے جو کلیات کے اس نسخے میں ہے، جو نولکشور نے پہلی بار چھاپا تھا، فرق صرف رنگ کا ہے۔ اسے تسلیم کرنے میں قباحت یہ ہے کہ نولکشوری نسخہ قلمی نسخے کے کئی سال بعد طبع ہوا ہے۔ تصویر کے بارے میں کوئی فیصلہ کن بات اس وقت نہیں کہی جا سکتی۔ ممکن ہے آیندہ کہی جا سکے۔

اس کتب خانے میں ایک لفافہ ہے جس پر مکتوب الیہ کا نام اور پتا خود غالب کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں جو خط تھا، وہ غائب ہے لیکن، اس کی نقل رشحات صفیر میں ہے، اور آثر غالب میں لفافے کے عبارات کے ساتھ موجود ہے۔[2]

کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین نسخہ جو باقی ہے، اسی کتب خانے میں ہے۔ اس پر جو مقالہ میں نے لکھا ہے، اس کی طرف میرے اس مقالے میں جو 'اردوے معلیٰ' شمارۂ اوّل میں چھپا ہے، اشارہ کیا جا چکا ہے۔ اس کتاب کا جو دوسرا نسخہ یہاں موجود ہے، اس پر میرا مفصل مضمون اردوے معلیٰ کے شمارۂ مذکور میں شائع ہو چکا ہے۔[3] کلیات نظم طبع دہلی یہاں نہیں لیکن جو نسخہ لکھنؤ میں پہلی بار چھپا تھا، اور جس کا ذکر تصویر کی بحث میں آ چکا ہے، موجود ہے۔

'پنج آہنگ' طبع ثانی، 'کلیات نثر فارسی' طبع اوّل، 'مہر نیمروز' طبع اول، 'قاطع برہان' طبع اوّل اور 'اردوے معلیٰ' طبع اوّل کے نسخے یہاں موجود ہیں۔

دیوان اردو کے دو قلمی نسخے اس کتب خانے میں ہیں۔ ایک کا آغاز دیباچۂ نثر (فارسی) سے ہوتا ہے اور اس کے آخر میں [ضیاء الدین احمد خاں] نیّر کی لکھی ہوئی فارسی تقریظ ہے۔ اس کا کاتب گوبند لعل ہے اور 1260 فصلی میں اس کی کتابت ہوئی تھی۔ دوسرے کا آغاز غزلوں سے اور خاتمہ قصیدے کے اشعار پر ہوتا ہے۔ یہ ناقص الآخر ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا کاتب کون تھا، اور کب لکھا گیا تھا۔ قیاس ہے کہ کتابت شورش 57ء سے پیشتر کی ہے۔

دیوان غالب اردو کے ان نسخوں میں سے جو غالب کے دوران حیات میں طبع ہو چکے تھے، یہاں دو موجود ہیں: نسخۂ مطبع احمدی، نسخۂ مطبع نظامی۔ مقدم الذکر کے یہاں دو نسخے تھے،

جن میں سے ایک کا باوجود تلاش اس وقت پتا نہ ملا، اس کے آخر میں جناب قاسم حسن خاں و برادرزادۂ خدابخش خاں منتظم کتب خانہ کے قول کے مطابق غالب کا ایک قطعہ ہے جو محمد بخش خاں پدر خدابخش خاں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ قطعہ وہی ہے، جو عمادالملک بلگرامی کی روایت پر غالب سے منسوب کیا گیا ہے، مگر نہ دیوان کے ان نسخوں میں ہے جو غالب کی زندگی میں چھپے تھے اور نہ کسی قلمی نسخے میں ہے جو اس وقت تک دستیاب ہوا ہے۔4

○

(اردوے معلّٰی ج2، ش 3-2، فروری 1961)

حواشی مرتب

1 اس کلیات کا سال تحریر 1853 ہے، ملاحظہ ہو فہرست مخطوطات دانش گاہ ڈھاکہ مرتبہ اے۔ بی۔ ایم حبیب اللہ ج 1، ص 133، مطبوعہ 1966

2 یہ خط میر ولایت علی کے نام ہے، اور لفافے کی عبارت: ''در عظیم آباد پٹنہ بہ محلّہ کشمیری کوٹھی مطبع عظیم المطابع موصول و بہ خدمت میر ولایت علی صاحب مہتمم مطبع مذکور زاد مجدہٗ مقبول عبد۔ بیڈ ضروری جواب طلب'' (ماثر غالب ص 41، ادارہ تحقیقات اردو، پٹنہ 1995)

3 دیکھیے ''غالب کے کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ''

4 اس قطعے کا پہلا شعر ہے:

اٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ، میں، جوش وحشت میں
پھرا آسیمہ سر، گھبرا گیا تھا جی بیابان سے

نواب عمادالملک سید حسن بلگرامی کی روایت سے یہ قطعہ رسالہ 'مخزن' اپریل 1907 میں پہلی بار چھپا۔ دیوان غالب نسخۂ عرشی میں بھی ضروری نوٹ کے ساتھ یہ قطعہ شامل ہے۔

مقالۂ افتتاحیہ

اولڈس ہکسلے کے ایک ناول میں دکھایا گیا ہے کہ مشاہیر کے مداح جو حالات زندگی قلم بند کرتے ہیں، ان میں بہت سی اہم باتیں جن کے بغیر، ان کی شخصیت کے متعلق صحیح رائے قائم ہی نہیں کی جاسکتی، قلم انداز کردی جاتی ہیں۔ بہت سے نامور اشخاص پر غالب کا یہ شعر بہ تبدیلِ بعض الفاظ منطبق کیا جاسکتا ہے:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ   دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

بعض اوقات کچھ راز کی باتیں منظر عام پر بھی آجاتی ہیں، مثلاً یہ بات کہ ورڈس ورتھ [William Wordsworth] کی ایک ناجائز اولاد تھی، اس کی موت کے بہت بعد، مشہور ہوئی۔

بودلیر [Charles Baudelaire] نے کہا تھا کہ اے خدا مجھے اس کی جرأت دے کہ میں اپنے آپ کو اسی طرح دیکھوں، جیسا میں ہوں،1 اور واقعی اس کے لیے بڑی جرأت کی ضرورت ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ ایسے لوگ جو یہ چاہیں کہ ان کی اصلی شکل دوسروں کو بھی نظر آئے، اور بھی کم ہیں۔ بہتوں نے اپنے حالات زندگی خود لکھے ہیں، ان کی اکثریت صرف وہ باتیں منظر عام پر لانا چاہتی ہے جو اس کے متعلق پڑھنے والوں کو اچھی رائے قائم کرنے میں مدد دے سکیں، بہتیرے بے تکلف ہر قسم کی غلط گوئی سے کام لیتے ہیں، کچھ ظاہر میں بڑے صاف گو نظر آتے ہیں، مگر ہوتا یہ ہے کہ عموماً صرف ایک قسم کے معاملات کے بیان میں، یہ لوگ صاف گوئی سے کام لیتے ہیں، اور یہ ایسی باتیں ہوتی ہیں جنھیں عام طور پر لوگ چھپاتے ہیں، مثلاً جنسی بے راہ روی، مگر یہی لوگ دوسری قسم کے معاملات کے ذکر میں ان باتوں کو جو ان کے خلاف پڑتی ہیں، چھپاتے ہیں، اس کی ایک مثال فرینک ہیرس [Frank Harris] کی اپنے متعلق کتاب [My Life and Loves] ہے، جس نے جورج برنرڈ شا [George Bernard Shaw]

کو بھی متاثر کیا تھا۔ ہیرس کی موت کے بعد یہ راز کھلا کہ اس نے لندن میں ایک قحبہ خانہ کھول رکھا تھا، جس کا کتاب میں اشارۃً بھی ذکر نہیں۔ غالب نے اپنی مے خواری کا بیانگ دہل اعلان کیا ہے، اور اس کے اظہار میں انھیں باک نہیں کہ انھوں نے ایک 'ڈومنی کو مار رکھا' تھا، کیا اس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ غالب ان نادر الوجود اشخاص میں سے ایک ہیں، جو یہ چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی وہ اپنی اصلی شکل میں نظر آئیں؟ بودلیر کا ہم وطن روش فوکو [Rochefoucauld] ہوتا، تو وہ یہ جواب دیتا کہ رند مشربی کا اقرار صرف اس لیے ہے کہ سادہ لوحوں کو یہ باور کرایا جائے کہ غالب ''کوئی کام چھپا کر نہیں کرتے تھے جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا، جو خلوت میں کرتے تھے وہ جلوت میں کرتے تھے، پس اگر ان میں کوئی عیب تھا تو وہی تھا جس کو ہر کس و ناکس جانتا تھا، مخفی عیبوں سے وہ پاک تھے۔'' (واوین کے اندر کے الفاظ حالی کے ہیں)

مشاہیر کو ناموری کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، اس کا ایک جزو یہ بھی ہے کہ ان کے متعلق حکایتیں اختراع کی جائیں۔ یہ ان کی زندگی میں بھی ہوتا ہے، اور ان کی موت کے بعد بھی۔ ہسکتھ پیرسن [Hesketh Pearson] نے شا کے حالاتِ زندگی پر کتاب لکھنی چاہی تو بعض حکایات کے متعلق ان سے دریافت کیا کہ یہ کہاں تک صحیح ہیں، انھوں نے ان میں سے کئی کو بالکل اصل قرار دیا، کئی کی نسبت یہ کہا کہ ان کی اصلی شکل کچھ اور ہے۔ معدودے چند حکایات کی صحت کا اقرار کیا، اور باقی کے متعلق یہ بتایا کہ حافظے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صحیح ہیں، یا غلط۔ غالب کے بارے میں بھی بہت سے حکایتیں گڑھی گئیں، اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ایک فرید آبادی مقالہ نگار نے مدت ہوئی مرقع عالم ہردوئی میں لکھنؤ کے مشاعرے اور مردہ بلی کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، وہ بے شبہ اختراعی ہے۔[2] شاد عظیم آبادی نے ناطق مکرانی کے اعتراض کو جو شکل میں پیش کیا ہے، وہ اپنے وجود کے لیے ان کے تخیل کی رہینِ منت ہے۔[3] غالب کو ناموری کی قیمت اور طرح بھی ادا کرنی پڑی ہے، لوگ غالب میں وہ خوبیاں پانے لگے ہیں جو انھیں خود عزیز ہیں، غالب کے نزدیک ان کی کچھ اہمیت ہو، یا نہ ہو۔ علی ہذا، لوگ خواہ مخواہ غالب کو اپنا ہم عقیدہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

شاعری فنونِ لطیفہ میں سے ہے، اور بعض اصحاب کا خیال ہے کہ کسی نظم کے متعلق یہ جاننا

مطلقاً ضروری نہیں کہ کس نے کہی، کب کہی، کن حالات میں کہی اور کہنے والا کیسا تھا، شعر کے حسن و قبح کا فیصلہ ہمارا وجدان کرسکتا ہے، یہ کافی ہے۔ کچھ لوگ صرف تحقیق ہی کو نہیں، تنقید کو بھی بیکار سمجھتے ہیں، شعر خود بتا دیتا ہے کہ اچھا یا برا، کسی کی نشاندہی کی حاجت نہیں۔ اس جگہ کوئی طویل بحث چھیڑنی منظور نہیں، اور بے دلیل فرض کرلیا جاتا ہے کہ تحقیق و تنقید دونوں کی ضرورت ہے۔

غالب اور ان کی نظم ونثر

غالب کیسے راوی تھے؟ غالب نے خود جو اپنے صفات بیان کیے ہیں، یا جو ان کے مداحین نے لکھے ہیں واقعی ان میں تھے، تو وہ تمام خوبیاں جو ایک راوی میں ہونی چاہئیں، مع شے زائد ان کے یہاں موجود ہیں۔ وہ 'نہایت راست گفتار اور صادق اللہجہ' تھے، ان پر ٹھیک اعتراض ہوتا تو بے تامل قبول کرتے تھے، مخالفین کے باب میں ان کا مسلک 'عفو و درگزر' تھا۔ ''جیسی طبیعت میں دراکی اور ذہن میں جودت اور سرعتِ انتقال تھی، اسی طرح ان کا حافظہ بھی قوی تھا۔'' ایک ٹیرھی رائے غالب کے ذہن میں آتی تھی تو اس کے سارے بل نکل جاتے تھے، گویا وہ ایک نلکی تھی جس میں ٹیڑھی چیز آ کر سیدھی ہوجاتی تھی۔ غالب حق پرست و انصاف پسند تھے ان کی تقریظوں میں کتابوں کے متعلق بہت کم ہوتا اور جو ہوتا اصلیت سے خالی نہ ہوتا۔ نظم ونثر کے سمجھنے میں وہ ایک مستثنیٰ شخص تھے۔ ''فارسی زبان اور فارسی الفاظ و محاورات کی تحقیق، اور اہلِ زبان کے اسالیب بیان پر مرزا کو اس قدر عبور تھا کہ خود اہلِ زبان میں بھی مستثنیٰ آدمیوں کو ایران کے مستند شعرا کی زبان پر اس قدر عبور ہوگا۔''4

یہ سب صحیح ہے تو صورتِ حال یہ ہونی چاہیے: ان کے یہاں کوئی بات خلافِ حقیقت نہ ہو، اعتراضات ہوں تو صحیح ہوں، شعر کا انتساب غلط نہ ہو، اور اس کا جو متن ان کے یہاں ملتا ہے، درست ہو، بیان ایسا ہو کہ غلط فہمی کا مطلق اندیشہ نہ ہو۔ اگر بطورِ شاذ غلطی ہوگئی ہو، تو اس کا اعتراف علی الخصوص اس صورت میں کہ اس کی نشاندہی کی گئی ہو، ان کے یہاں ملنا چاہیے۔

بیانِ ذیل سے معلوم ہوتا کہ حقیقت کیا ہے:

(1) قاطع برہان (= قاطع) کی اشاعت اوّل کی 'تقریظ' میں غالب نے لکھا ہے کہ اگر منشی نولکشور

دکان بے رونق کے خریدار نہ ہوتے، تو اس کتاب کا مسودہ ضائع ہو جاتا، اور یہ منطبع نہ ہوتی، لیکن جب اسے دوبارہ چھپوانا چاہا تو سیاح کو تحریر کیا ''میرے پاس روپیہ کہاں جو... دوبارہ چھپواؤں؟ پہلے بھی نواب مغفور (یوسف علی خاں والی رام پور) نے 200 روپے بھیج دیے تھے تب پہلا مسودہ صاف ہو کر چھپوایا گیا تھا، اب بھی وعدہ کیا تھا کہ اپریل کی وجہ مقرری کے ساتھ 200 پہنچیں گے، آخر اپریل 1865 حال میں مر گئے، اپریل کا روپیہ رئیسِ حال (کلب علی خاں) سے ... پایا... کتاب کا روپیہ نہ پایا، یاد دلاؤں گا، مگر اس مرحوم کا وعدہ سر رشتۂ دفتر سے نہ تھا جو از روے دفتر اس کی تصدیق ہو۔''[5] یہ دراصل سیاح کو نہیں، ان کے مربی غلام بابا خاں کو مطلع کرنا ہے، غرض یہ کہ وہ یوسف علی خاں کی مثال کی پیروی کریں۔ ایک دوسرے خط میں یہ موجود ہے کہ غلام بابا خاں اشاعتِ ثانی کی 200 جلدیں خریدیں، دفتر سے اس کی تصدیق بھی نہیں ہوتی کہ اشاعتِ اوّل کے لیے 200 روپے رام پور سے ملے تھے۔ اس کا انطباع یوسف علی خاں کی زندگی میں ہوا تھا، یہ بالکل ناممکن ہے کہ روپے وصول کر لینے کے بعد وہ 'تقریظ' میں یہ لکھتے کہ منشی نولکشور اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے تو کتاب نہ چھپ سکتی۔

(2) غلام امام، شہید کی جو قدر حیدر آباد میں ہوئی وہ غالب کو سخت ناگوار گزری، اور انھوں نے ذکا کو لکھا: ''شہید وہاں... سخن ناشناسوں کو زورِ طبع دکھا رہے ہیں''[6] ''مدعی (مراد از شہید) اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم فن جان کر حسد کرتا ہے۔ امیر علی شیر جیسا محتسب[7]... سے لاؤں جو نیاؤ کرے، اور کاذب کو سزا دے؟''[8] شہید و غالب کے مشترک دوست بے خبر کے نام سے خط میں اس سے قطعاً انکار ہے کہ شہید کے متعلق کوئی توہین آمیز بات انھوں نے ذکا کو لکھی تھی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ذکا کو صرف شہید کے وطن کے بارے میں اطلاع دی تھی۔[9]

(3) ''کلکتہ گیا، نواب گورنر سے ملنے کی درخواست کی، دفتر دیکھا گیا، میری ریاست کا حال معلوم کیا گیا، ملازمت ہوئی سات پارچے اور جیغہ سرپیچ اور مالاے مروارید یہ تین رقم خلعت ملا، زاں بعد جب دلی میں دربار ہوا مجھ کو بھی خلعت ملا۔'' یہ ایک خط اسی ذکا میں ہے جو ہنگامۂ 57ء کے بعد کا ہے،[10] کلکتہ سے جو خطوط غالب نے بھیجے، ان سے صرف یہ ثابت ہے کہ گورنر جنرل کے ایک دو درباروں میں شرکت کی، رسمی طور پر، دوسرے شرکا کی طرح غالب گورنر جنرل کے سامنے پیش بھی کیے گئے ہوں گے، اس کے علاوہ 'ملازمت' کا ثبوت نہ ان خطوط سے ملتا

ہے، نہ دفتر سرکاری سے۔ ملنا درکنار، یہ بھی ثابت نہیں کہ انھوں نے اس کی استدعا کی تھی، غالب نے خلعت کی خواہش ظاہر کی تھی، مگر کلکتہ میں نہ ملا، بعد کو دہلی میں خلعت پایا۔

(4) فرہنگِ جہانگیری میں ایک لغت ہوس بواو مجہول بمعنی 'ہواوہوس' درج ہے اور سند میں ابن یمین کا ایک شعر دیا ہے، جس میں ہوس بطور قافیہ آیا ہے،[11] اس شعر کے ساتھ اسی شاعر کا ایک اور شعر اسی کے ساتھ کا ہے جس کا قافیہ خروس ہے۔[12] یہ دونوں کلیات ابن یمین (نسخۂ کتب خانۂ خدابخش) کی غزل کے ہیں، مگر اس میں 'ہوس' کی جگہ ایک اور لفظ ہے،[13] اور شعر کی صحیح شکل یہی ہے، نہ جانے مؤلف فرہنگِ مذکور کو شعر کی غلط شکل کہاں ملی۔ برہان قاطع میں لغت زیرِ بحث ہے، اور اس کے مولف نے اپنی عام روش کے مطابق اس کی سند نہیں دی۔ محرق قاطع برہان میں ہوس قافیے والا شعر بطور سند پیش ہوا، تو غالب نے لطائفِ غیبی میں لکھا کہ یہ ایک سہ بیتی قطعے کا شعر ہے، بواو مجہول نہیں، بفتحۂ ہا و واو ساکن ہے، قطعے کے دوسرے قوافی فردوس وقوس ہیں، مگر اس وقت یاد نہیں آتا۔ قاطع برہان کی اشاعت 2 میں بھی غالب نے اس سہ بیتی قطعے اور ان 3 قوافی کا ذکر کیا ہے۔ یہ قطعہ نہ کلیات مذکور میں ہے، نہ کسی مجموعۂ قطعات میں جو میری نظر سے گزرا ہے۔ یہ شاعر اپنے قطعات کے لیے مشہور ہے، غالب شاید یہ سمجھے کہ صرف قطعہ ہی کہتا ہوگا، اس کی فکر انھیں نہ ہوئی کہ قطعہ ہی سہی، اگر کسی نے پیش کر دیا، اور اس میں فردوس وقوس بطور قوافی نہ ہوئے، تو لوگ میری نسبت کیا رائے قائم کریں گے۔

(5) غالب نے قاطع برہان میں ذال فارسی سے متعلق ایک بات لکھی تھی، جو کسی قدر اختلاف کے ساتھ فرہنگِ جہانگیری میں بھی ہے۔ اس فرہنگ کی یہ عبارت آغا احمد علی احمد نے موید برہان (رد قاطع برہان) میں اس طرح نقل کی تھی کہ اس کے آغاز سے معاً قبل یہ بتایا تھا کہ یہاں سے فرہنگ کی عبارت شروع ہوتی ہے، اور اس کے انجام کے معاً بعد یہ لکھا تھا کہ اس کی عبارت ختم ہوئی۔ غلط فہمی کی مطلقاً گنجایش نہ تھی، لیکن غالب بڑی شد و مد سے تیغ تیز (رد موید برہان) میں آغا [احمد علی احمد] پر غالب سے ایک نئی بات چرا لینے کا الزام لگاتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کسی فرہنگِ پیشیں میں یہ بات مندرج نہیں۔ عبارت جس طرح موید برہان میں منقول ہے، ٹھیک اسی طرح فرہنگ جہانگیری میں ہے جس نے عہدِ جہانگیر میں کتابی صورت اختیار کی تھی، آغا نے شمشیر تیز تر (رد تیغ تیز) میں غالب کی زیادتی دکھائی ہے۔

(6) تیغ تیز: ''مولوی جی (مراد از آغا احمد علی احمد)... ایک فقرہ لکھتے ہیں ''غم گفتار پارسی زبان خورد'' اور یہ... درفش کاویانی کا ہے... مگر اس طرح... ''غم تباہی آیین گفتار پارسی خورد'' مولوی نے بے معنی کر کے لکھا... اتفاق راے اگر سرقہ ہے تو چاہیے سراسر فقرہ بے تغیر لفظ لکھنا اچکا پن اور اٹھائی گیرا پن ہو'' اول تو یہ کہ غالب کی عبارت محض معمولی ہے، اس میں کوئی خاص نکتہ بھی نہیں جس کا سرقہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو عبارت پیش کی ہے اس پر غالب کے الفاظ ''سراسر فقرہ بے تغیر لفظ'' عائد نہیں ہوسکتے، تیسرے یہ کہ آغا کی عبارت موید [برہان] میں مختلف طور پر ہے، اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ آغا نے شمشیر تیز تر میں غالب کو غلط گوئی کے لیے ملامت کی ہے۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ درفش کاویانی قاطع برہان کی اشاعت 2 کا لقب ہے، اور عبارت طبع 1 میں بھی تھی۔

(7) غالب تیغ تیز میں آغا [احمد علی احمد] پر اس طرح اعتراض کرتے ہیں کہ ''دیدۂ عیب ساز'' خود انھوں نے لکھا ہے، مگر موید برہان میں صراحۃً مرقوم ہے کہ یہ برہان قاطع میں آیا ہے۔

(8) خط اسمی شیو نرائن 10 جنوری 1862 ''غور کرو میرٹھ کے چھاپے خانے والے محمد عظیم (کذا) نے کس عجز و الحاح سے دیوان لیا تھا، اور میں نے نظر تمھاری ناخوشی پر بہ جبر اس سے پھیر لیا'' خط اسمی سیاح 1860 ''دیوان کا چھاپا کیسا، وہ شخص نا آشنا موسوم بہ عظیم الدین... آدمی نہیں بھوت ہے، پلید ہے، غول ہے، قصہ مختصر سخت نامعقول ہے، مجھ کو اس کے طور پر انطباع دیوان نامطبوع ہے، اب میں اس سے دیوان مانگتا ہوں اور وہ نہیں دیتا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان شیو نرائن کی دلجوئی کے لیے نہیں، کسی اور وجہ سے واپس لینا چاہتے ہیں۔

(9) خط اسمی شیو نرائن 10 جنوری 1862 ''رام پور سے وہ دیوان صرف تمھارے واسطے لکھوا کر لایا... یہ تمھارا مال ہے'' لیکن 1860 کے خط میں انھیں کو اصل حقیقت بتا چکے تھے کہ دیوان ضیاء الدین احمد خاں کے لیے ان کی فرمائش پر لکھوایا اور رام پور سے انھیں دہلی بھیجا گیا تھا۔

(10) اشعار کے غلط انتساب اور انھیں اپنی شکل میں نہ پیش کرنے کی متعدد مثالیں غالب کے یہاں ملتی ہیں، نظامی کے ایک شعر کا جامی کے نام سے لکھنے کا اقرار حالی کو بھی ہے، 14 (رجوع بہ غالب بحیثیت محقق) [ص 41، خدا بخش لائبریری پٹنہ 1995]

(11) ہاکنس سے پہلی ملاقات کے بعد غالب نے محمد علی خاں کو لکھا ہے ''قصیدہ... مطبوع طبع

نکتہ دانش گشت۔ انجمیان با من حکایت کردند کہ این داور فریدون فرتا امروز ہیچ یک از اعیان دہلی التفات واختلاط نکرد (اس سے یہ مراد کہ غالب کے ساتھ جو التفات واختلاط رہا اس وقت تک اعیانِ دہلی میں کسی کے ساتھ نہ ہوا تھا)۔ آری خلاف واقع نیست چہ روز نخستین ملازمت تا یک ساعت نجومی بخواندن قصیدہ و پرسیدن اخبار کلکتہ و باز جستن وجہ تظلم، ملتفت ماند، مختصر مفید، بزعم خویشتن سخن فہم ہست، چہ خوش بودی اگر لختی معاملہ فہم و اداشناس نیز بودی"[15] کیا اس عبارت کا پڑھنے والا یہ باور کرسکتا ہے کہ غالب نے پہلی ملاقات کے بعد چیف سکریٹری کے نام کے خط میں شکایت کی ہوگی کہ ہانکس جس طرح ملے وہ میرے مرتبے کے بالکل شایاں نہ تھا، اور اس سے میرے احساسات کو سخت ٹھیس لگی؟

(12) غیاث الدین رام پوری مولف غیاث اللغات سے غالب بہت بیزار ہیں، ان کی توہین میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، اور غیاث اللغات کو وہ ایک نہایت لغو چیز سمجھتے ہیں۔ یہ اغلاط سے خالی نہیں، لیکن اسے کسی طرح نا قابل اعتنا نہیں کہہ سکتے، چنانچہ ایرانِ حال کے محقق بزرگ قزوینی نے اسے 'فرہنگِ نفیس' کہا ہے،[16] اور یہ چند سال قبل ایران میں بھی طبع ہوئی ہے۔ صاحبِ مویدِ برہان نے ایک لفظ کی بحث میں لکھ دیا تھا کہ بظنِ غالب اس کتاب نے غالب کو گمراہ کیا ہوگا۔ غالب بپھر پڑے مولف اور اس کی کتاب پر لعنت بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں: رامپور میں وہاں کے "صاحبزادگانِ عالی تبار اور روسای نامدار" سے ملاقاتیں رہیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک گمنام مکتب دار ملا تھا جو نہ رئیس رام پور کا روشناس تھا، نہ اکابرِ شہر کا آشنا"[17] اس سے قطع نظر کہ علم کے لیے رئیس کی روشناسی اور اکابرِ شہر کی آشنائی ضروری نہیں، غیاث الدین کلب علی خاں اور ان کے والد یوسف علی خاں کے استاد تھے اور رام پور میں ان کی بڑی عزت تھی۔ یہ امیر مینائی کی انتخاب یادگار سے ثابت ہے۔ شاگردی کا اقرار خود کلبِ علی خاں کی طرف سے سمجھنا چاہیے، امیر مینائی نے نہ صرف اس کتاب میں، بلکہ ایک خط میں بھی لکھا ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے ان کے حکم کے مطابق ہے۔[18] غالب اگر 2 بار رام پور نہ گئے ہوتے، اور غیاث الدین کے متعلق وہ بات کہتے جو اوپر منقول ہے، تو کہا جاسکتا تھا کہ انھیں غلط اطلاع ملی، یہ بات حد درجہ خلافِ قیاس ہے کہ رام پور کے صاحب زادگان عالی تبار اور روسائے نامدار سے یہ معلوم ہوسکتا۔

(13) محمد علی خاں کے پاس غالب کا ایک قصیدہ مدح معتمدالدولہ آغا میر کا تھا، غالب نے ممدوح کو بدلنا چاہا تو انھیں لکھا کہ اس شخص کی تعریف میرے بزرگوں کے لیے شرمناک ہے، آپ اسے کسی کو نہ دکھائیں، لیکن اس کی مدح کی نثر پنج آہنگ میں ہے اور اس کی تمہید میں صراحتہً مرقوم ہے کہ طبیعت نے قصیدہ لکھنے سے گریز کیا۔[19] عجیب بات یہ ہے کہ مدحیہ نثر لکھنا اور اسے شائع کرنا باعث عار نہیں۔

(14) غالب کے ایک خاص شاگرد [میر احمد حسین] میکش کی رسائی لکھنؤ میں قطب الدولہ کے یہاں ہوگئی، غالب کو اس کا امکان نظر آیا کہ قطب الدولہ کی وساطت سے واجد علی شاہ کی خدمت میں قصیدہ پیش کر کے صلہ وصول کیا جائے مگر وہ چاہتے تھے کہ کم از کم 5 ہزار ملیں، چونکہ خود صلے کی رقم مقرر کر دینا دستور نہیں، انھوں نے یہ دکھانا چاہا کہ یہ دربارِ اودھ کا معمول ہے کہ مجھے قصیدے کا صلہ اس قدر ملے۔ نصیرالدین حیدر کی مدح کے قصیدے کی نسبت قطب الدولہ کو لکھتے ہیں... از عہدِ اورنگ نشینی نصیرالدین حیدر ... بصیغۂ صلۂ مدح زلہ خوار خوان عطای۔ آن سلطنتم۔ قصیدۂ من بوساطت روشن الدولہ بپیشگہ سلطان... گذشتہ و پنج ہزار روپیہ مرحمت گشتہ'' اس کے صراحتہً یہ معنی نکلتے ہیں کہ غالب نے صلہ پایا، ورنہ ''زلہ خوار خوانِ عطا'' مہمل ہو جاتا ہے۔ صلہ یابی کی امید منقطع ہونے لگی تو غالب نے عالمِ یاس میں میکش کو لکھا کہ میری یہ قسمت کہاں کہ صلہ ملے ''نصیرالدین حیدر مدح شنید و زر بخشید، روشن الدولہ و منشی محمد حسن پاک بخوردند و پشیزی بمن نرسید'' لیکن یہ بھی داستانِ محض ہے، نصیرالدین حیدر تک قصیدہ پہنچا ہی نہیں، اس صورت میں صلے کا کیا سوال ہے۔ کلیات کے ایک سے زیادہ قدیم نسخوں میں قصیدۂ مذکور کا عنوان یہ ہے: ''نگارش پذیرِ فتن مدح شاہ اودھ در جریدہ و بورق یادگار ماندن مدح بممدوح نارسیدہ، از عالمِ مستی ببوی بادۂ ناکشیدہ'' اس داستان میں بعد کو غالب نے یہ اضافہ کیا کہ اس سلسلے میں ناسخ سے مراسلت ہوئی، اور انھوں نے وعدہ کیا کہ رپے روشن الدولہ کے حلق سے روپیہ [کذا] نکال لیں گے مگر اسے کیا کیجیے کہ اس کے بعد ہی نصیرالدین حیدر فوت ہوگئے۔[20] غالب یہ بھی فراموش کر گئے کہ عہد روشن الدولہ میں ناسخ کا وہ اثر نہ تھا کہ ایسا وعدہ کر سکتے۔

(15) امجد علی شاہ کی مدح کے قصیدے کے متعلق غالب نے قطب الدولہ کو لکھا تھا کہ بادشاہ

نے حکم دیا کہ 5 ہزار صلہ اور اسی قدر بطور زادِ راہ غالب کو بھیجا جائے، لیکن قبل اس کے کہ اس پر عمل ہو، وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ روپیہ نہ پانا اسی لیے نہ لکھا کہ امجد علی شاہ واجد علی شاہ کے باپ تھے، اور ان کی موت کو زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا، غالب سمجھے ہوں گے کہ اگر تحقیق ہوئی تو حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس قصیدے کے بارے میں غالب نے ایک اردو خط میں لکھا ہے کہ متوسط نے نوید دی کہ قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوا، مگر پھر خاموش ہو گیا، بعد کو خبر ملی کہ اس کی رسائی بادشاہ تک ہوئی ہی نہیں۔ اس سلسلے میں خط اسمی قطب الدولہ کی عبارتِ ذیل توجہ طلب ہے ''نواب صاحب (قطب الدولہ) بآیینی شایستہ (قصیدہ را) بنظر گہہ خاقان (واجد علی شاہ)... گذرانند و حال ثنا گستری و سخنوری من و نوازش و بخشش فردوس منزل (نصیر الدین حیدر) بعرض خسرو سپہر بارگاہ رسانند۔ اگر بخت نارسائی کند و عطیہ بقدر جاہ و دستگاہ شاہ نباشد، باری ہم بدان مایہ بخشش کہ از عہدِ فردوس منزل معمول است، قناعت میتوانم کرد۔''

(16) غالب کسی امر کے متعلق تخمینی طور پر ایک سے زیادہ مقامات میں کچھ لکھتے ہیں تو ان کے بیانات عموماً متفاوت ہوتے ہیں، جناب عرشی نے اپنے مرتبہ دیوان اور مقدمۂ مکاتیب غالب میں آغاز شعر گوئی اور یوسف علی خاں سے تعلقات کی ابتدا کے بارے میں ان کے مختلف اقوال جمع کر دیے ہیں۔ انسان کسے قبول کرے اور کسے رد۔ ان کا ایک بیان بھی اس قسم کا ہو تو لازماً صحیح نہیں، مثلاً کلکتہ جانے کا سنہ 1830 لکھا ہے۔[21]

(17) ''با این ہمہ کوشش کہ در جدا کردن راست از کاست مرا بود، ننوشتہ ام مگر از بسیار اندکی، چنانکہ بی مبالغہ گویم از صد یکی'' ایک مقالہ نگار نے دکھایا ہے کہ غالب کے اعتراضات کم و بیش 400 ہیں اور برہان قاطع میں کم و بیش 20 ہزار لغات ہیں، اگر غالب کا بیان صحیح ہے تو اغلاط کی تعداد کم و بیش 40 ہزار قرار پاتی ہے!

(18) ''درنام آوران پارس از... جاماسپ تا... پنجمین سامان و در واپسیان تا... آذر کیوان، و درسخن گستران ایران آن بسخن جہانگیراں کہ پس از آن روشن ضمیران (اس میں آذر کیوان بھی داخل)... تا... قا آنی... ہیچ کس فرہنگ طراز نگشتہ'' (دیباچۂ جدید قاطع برہان اشاعتِ ثانی) دبستان مذاہب غالب کی نظر سے گزری تھی اور اس میں آذر کیوان کا سالِ وفات 1027ھ مرقوم ہے، وقتِ تحریر ممکن ہے کہ سنہ یاد نہ ہو، مگر یہ متیقین ہے کہ وہ اسے قدما میں نہیں سمجھتے

تھے، لیکن قلم سے الفاظ ایسے نکلے کہ وہ رودکی سے بھی زماناً مقدم ہوگیا، جس کا زمانہ خود ان کے قول کے مطابق مأۃ ثالثہ ہے۔ (لطائف غیبی لطیفۂ 11)

(19) قاطع برہان کی شاعتِ اول میں غالب نے برہان قاطع منطبعہ کا ذکر کیا ہے، مگر صراحت نہیں کی کہ کس مطبع کے چھپے ہوئے نسخے سے بحث ہے۔ اشاعت ثانی میں انھوں نے جس مطبوعہ نسخے کا ذکر کیا اس کے متعلق صراحت کردی کہ مطبع حکیم عبدالمجید کا ہے، یہ دیکھ کر میں خود سمجھنے لگا تھا کہ اشاعت اوّل کی تحریر کے وقت یہی نسخہ ان کے پیشِ نظر تھا۔ جناب عرشی کے ایک مقالے سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ افضل المطابع کا نسخہ تھا جو غالب کے یہاں سے لوہارو گیا تھا اور وہاں سے رام پور پہنچا۔[22] بعد کو رام پور میں یہ نسخہ خود میری نظر سے بھی گزرا۔

(20) قاطع [برہان] کی اشاعتِ اوّل کی بحث 'دیباس' میں غالب نے لکھا تھا کہ مصححین نے جابجا برہان قاطع کے اغلاط حواشی میں دکھائے ہیں، اور یہ سب عربی سے متعلق ہیں۔ اعتراض ہوا کہ مصححین کے اعتراضات دربارۂ فارسی اپنے اعتراضات کی حیثیت سے پیش کیے ہیں تو ''ہمہ در اغلاط لغاتِ عربی'' کو ''اکثر در لغات عربی'' بنا دیا اور مختلف مقامات میں اس پر اظہارِ مسرت کیا کہ ''جلیل القدر'' فضلا جو حاشیہ نگار ہیں، میرے ہم خیال ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثریت کا فارسی سے علاقہ ہے، اس لیے اکثر درلغاتِ عربی، بھی غلط ہے۔

(21) لطائفِ غیبی کو حالی نے تصانیفِ غالب میں شمار کیا ہے، اور بعض کے سوا سب کا اس پر اتفاق ہے کہ غالب کا لکھا ہوا ہے، لیکن یہ سیاح کی طرف منسوب ہے۔ لطائفِ غیبی محض رسمی تحریر نہیں، اس میں غالب کی غیر معتدل مدح اور صاحبِ محرق قاطع برہان (=محرق) کی مذمت ہے۔ اس میں خلاف واقعہ یہ لکھا ہے کہ سیاح نے کشمیر و کابل و قندھار کا سفر کیا ہے، حالانکہ اشاعتِ لطائفِ غیبی کے وقت تک سیاح کشمیر نہیں گئے تھے، اور کابل و قندھار تو اس کے بعد بھی نہیں گئے۔ سیاح کی طرف سے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن یمیں کا سہ بیتی قطعہ جس کا ذکر آچکا ہے، نظر سے گزرا۔ عبدالصمد ایک فرضی شخص کے متعلق بھی فرضی باتیں سیاح کی جانب سے لکھیں۔

(22) سوالات عبدالکریم میں صاحب محرق کی بری طرح تنقیص کی ہے، اس پر اتفاق تھا کہ غالب کے قلم سے ہے، گو منسوب بہ عبدالکریم ہے، لیکن ابھی حال میں ایک مقالہ نگار نے دعویٰ کیا ہے کہ عبدالکریم ٹونکی کا لکھا ہوا ہے،[23] اس دعوے کی بنیاد اتنی کمزور ہے کہ نہ ہونے کے

برابر ہے۔ اس کے آخر میں ایک استفتا ہے اور مجیبوں میں غالب بھی ہیں، یہ ثابت ہے کہ یہ استفتا خود غالب نے بعض اصحاب کو بھیجا تھا۔ ایک ''نہایت راست گفتار'' شخص کے لیے یہ زیبا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

(23) غالب نے اپنے متعدد قصائد کے ممدوحین کو بدل دیا ہے اور ان میں سے بعض کے زمانۂ تصنیف کے متعلق غلط اطلاع دی ہے۔ اس قسم کے منظومات کی بحث الگ آئے گی۔

(24) غالب نے عمر بھر میں پہلی بار قاطع برہان میں اپنے ایرانی استاد کا ذکر کیا، اور بہت سی باتیں اس کی زبانی لکھیں، یہ یا تو محض پیش پا افتادہ ہیں، یا غلط۔ لطف یہ کہ بقول حالی خود مقر تھے کہ لوگ مجھے بے استادا کہتے تھے میں نے ایک فرضی استاد گڑھ لیا۔ اس کے لیے میرا مقالہ متعلق عبدالصمد جو احوال غالب میں شامل ہے دیکھا جائے۔

(25) غالب نے پہلے اپنے آپ کو ترک ایبک افراسیابی النسل کہا اور بغیر اس کے کہ اس کی تردید کریں، سلجوقیوں کی ہم گوہری کا دعویٰ کیا، اس کے بعد اپنے کو سلجوقی کہا، اور بالآخر سنجر و برکیارق کی اولاد ہو جانے کے مدعی ہوئے۔ غالب نے بتایا ہے کہ ایبک ترکوں کا ایک قبیلہ تھا اور حالی نے نیر کا یہ قول نقل کیا کہ ہند میں فارسی شاعری کا آغاز ایک ترک لاچین امیر خسرو سے ہوا، اور خاتمہ ایک ترک ایبک، غالب پر ہوا، مگر غالب و نیر و حالی یہ سب اس سے بے خبر ہیں کہ اس نام کا کوئی قبیلہ تھا ہی نہیں۔ ہم گوہری سے اس کا انکار لازم آتا ہے کہ سلجوقی تھے اور سلجوقی نہ تھے، تو سنجر و برکیارق کی نسل سے بھی نہ تھے، مزید یہ کہ یہ دونوں ملک شاہ کے بیٹے ہیں، ان دونوں کی اولاد سے ہونا کیا معنی؟ ڈاکٹر یوسف حسین خاں کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ غالب ازبک تھے۔ ہند میں اس کے ساتھ خوشگوار تصورات وابستہ نہیں، ذہن ایبک کی طرف گیا، جو اور کچھ نہیں تو اس کا قافیہ ہو سکتا تھا۔

(26) غالب نے اپنے دادا کے متعلق لکھا ہے کہ معین الملک کے عہد میں ہند آئے، 24 اور یہ بھی کہ شاہ عالم کے زمانے میں آنا ہوا، 25 دونوں باتیں صحیح نہیں ہو سکتیں۔

(26) قاطع برہان اشاعت 1 و 2 ''یکصد و چند لغت ہمہ از ہفت... مرکب ساخت... مراسر کنایہ از ہفت سپہر و ہفت ستارہ و ہفت پردۂ چشم و ہفت کشور، کمتر معقول و بیشتر نامعقول'، تیغ تیز ''مولوی جی... نظائر کا حوالہ دے کر ہفت کشور وغیرہ کی صحت میں غلو کرتے ہیں... غالب نے ان

الفاظ کو کب غلط لکھا ہے جو تم ان کی صحت کے گواہ گزرانتے ہو؟ ایک لفظ سے سولغت بنانے کا عذر کہاں، بس لکھ دیا کہ ''عبارت دانای تبریز ہمہ معقولست وقول معترض نامقبول'' کمتر معقول و بیشتر نامعقول'' کہا جائے تو سند دینی ضروری ہو جاتی ہے، اس پر اعتراض نامعقول ہے۔ یہ اعتراض عجیب ہے کہ سولغت بنائے، یکصد و چند کیا معنی، ہزار ایک سے ہزار لغت بن سکتے ہیں، سوال غلط یا صحیح ہونے کا ہے اور غالب نے کسی ایک کو بھی غلط ثابت نہیں کیا۔ 'یکصد و چند' میں مبالغہ ہے، لغات زیرِ بحث کم وبیش 60 ہیں۔

(27) قاطع برہان اشاعت 2 ''در برہان قاطع ... در معرض بیان ہای ہوز بافای سعفص صد لغت رقم کرد، و باز در ملحقات ہمان صد لغت باز آورد'' تیغ تیز (ان مرکبات کے بارے میں جن کا ایک جز ہفت ہے) دوبارہ ملحقات میں انھیں سولغت کے لکھنے کا تو مولوی جی جواب دیں۔ ''در برہان... آورد'' کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ فصل 'ہا' مع الفا میں سولغت ہیں اور یہی ملحقات میں ہیں، حالانکہ مافی الضمیر کچھ اور ہے۔ اس جگہ تعداد بھی یکصد و چند، کی جگہ یکصد ہوگئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملحقات میں ایسے مرکب جن کا ایک جز 'ہفت' ہے صرف 2 ہیں ہفت خم اور ہفت کہلہ، اور یہ دونوں صرف ملحقات میں ہیں۔ ہفت خم = ہفت آسمان، ہفت کہلہ = یار و مصاحب کہنہ و کتاب کہنہ و شراب کہنہ و جامِ کہنہ و شمشیر کہنہ و چینی کہنہ'' یار وغیرہ وہ معانی نہیں جو قاطع میں زیرِ بحث ہیں۔

(28) تیغ تیز ہفت بالفتح ایک لفظ ہے ثنائی، اس میں سے ایک سو کئی لغت پیدا کیے... برہان قاطع میں بھی لکھے اور پھر... ملحقات میں بھی رقم فرمائے۔ مولوی... اس لفظ کے باب میں ایک صفحہ پورا سیاہ کرتے ہیں ہف صرف برہان قاطع میں ہے ملحقات میں نہیں، اس سے کوئی مرکب نہیں پیدا ہوا، موید برہان میں ایک صفحہ نہیں، اس کا بہت مختصر حصہ ایک یا دو سطریں اس کے بارے میں ہیں۔

(29) قاطع پہلی بار چھپی تو غالب پر بہت لے دے ہوئی، غالب نے اشاعتِ ثانی میں ایک نیا دیباچہ بڑھایا جس میں مخالفین کی توہین اور اپنی ستایش کے بعد فخر یہ کہا ''حاشا کہ در ہیچ محل از عقیدۂ خویش رجوع کردہ باشم'' لیکن آویزہ وافسوس کے متعلق سیاح کی زبان سے اپنی غلطی کا اعتراف کر چکے تھے،[26] اور نامۂ غالب میں بھی ان کے قلم سے نکل چکا ''آویزہ وافسوس کے بیان میں مجھ سے وہ سہو ہوا ہے کہ مجھے اس اقرار اور... میاں داد خاں (سیاح) شرمسار ہے''

دونوں اشاعتوں کے مقابلے سے واضح ہے کہ نہ صرف ان دونوں بلکہ بعض دیگر لغات کے متعلق بھی انھوں نے رائے بدلی تھی۔ وہ غلطی کی اہمیت کم کرنے کے لیے کس قدر اہتمام کرتے ہیں اس کا اندازہ لطائفِ غیبی کی بحث افسوس وفسوس کے دیکھنے سے ہوسکتا ہے۔

(30) غالب نے نہ قاطع برہان میں نہ اس کے قبل کبھی یہ لکھا کہ فارسی لغات کی کتابیں ہندوستانیوں کے سوا کسی نے نہیں لکھیں، بلکہ انھوں نے قاطع [برہان] کی اشاعت 1 میں فرہنگوں سے استناد کیا ہے، اور متعلقہ عبارات قاطع [برہان] اشاعت 2 میں بھی ہیں، لیکن جب فرہنگوں کی مدد سے ان کے اعتراضات کی تردید ہونے لگی تو انھوں نے یہ دعویٰ کیا۔ اسدی وقطراں کی فرہنگوں اور بہت سی دوسری ایرانیوں کی لکھی ہوئی فرہنگوں کے نام مقدمہ فرہنگ جہانگیری میں ہیں، اور موید برہان میں بھی ان کا ذکر ہے۔ غالب نے تیغ تیز میں اوروں سے تو یک قلم قطع نظر کی، ان دونوں کی بحث چھیڑی، مگر بحث میں قطران کو یکسر قلم انداز کیا، اور فرہنگ اسدی کے وجود سے اس بنا پر انکار کیا کہ فارسی زبان میں لغات کے اشکال و معانی میں اختلافات پائے جاتے ہیں، اگر اسدی کی فرہنگ ہوتی، تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی، ''لیس فلیس'' اظہار رائے بیکار ہے۔ غالب کے ہاتھ کی تحریروں میں جو قاطع [برہان] کی اشاعتِ اول کے انطباع کے بعد کی ہے، سروری واوحدی مولفین فرہنگ ہائے فارسی کے ایرانی ہونے کا انکار ہے، مگر یہ تحریریں شائع نہیں ہوئیں۔ ان دونوں کے ایرانی ہونے میں مطلقاً شک کی گنجایش نہیں۔

(31) قاطع [برہان] کی بحث آور میں ہے کہ فارسی میں حروف ''قریب المخرج'' نہیں، لیکن بحث راستاد میں ہے ''در دو حرف قریب المخرج برافکندن احد المتجانسین رسم است۔''

(32) برہان قاطع کے مقدمے میں ہے کہ مولف کو دعوائے تحقیق نہیں، اس نے اسناد طول سے بچنے کے لیے ترک کیے، قاطع [برہان] میں اس پر سخت اعتراض ہے کہ سندیں نہیں دیں مگر خود قاطع [برہان] میں جہاں برہان قاطع پر اعتراض کیے ہیں، سندیں برائے نام ہیں، اور بعض ہندوستانی فرہنگوں سے بھی استناد ہے، بعد کو اپنے مخالفین پر اس کے لیے معترض بھی ہوئے۔ اس کے باوجود، سوالات عبدالکریم و تیغ تیز میں جو استفتا ہیں، ان میں مجیب ایک ایرانی بھی نہیں، سب ہندوستانی ہیں اور اس کی قباحت غالب کو نظر نہیں آتی۔

(33) تومن کی جمع تومنات ہے، تومن بقول بعض ترکی ہے (برہان قاطع)۔ ''مگر درگمان

جامع عربیست کہ جمع آن تومنات آورد'' (قاطع [برہان])۔ فارسی میں بکثرت فارسی، ترکی مغلی الفاظ کی جمع مستند ایرانیوں کے یہاں 'ات' کے ساتھ آئی ہے، انصاف پسند شخص اس بنا پر کہ برہان قاطع میں اس کی جمع تومنات درج ہے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ ''درگمان جامع عربیست''

(34) عبارت برہان قاطع ''بازی چہارمست از جملہ ہفت بازی نرد کہ آن فارد، زیاد، ستادہ، خانہ گیر، طویل، ہزاران، منصوبہ باشد'' (متعلق خانہ گیر)۔ اس فرہنگ کی بحث ہزار و ہزاراں میں صراحۃً مرقوم ہے کہ بازی چہارم نرد کو کہتے ہیں۔ عبارت قاطع ''صاحبِ برہان۔ قاطع درشرح لفظ خانہ گیر میفر ماید کہ ''آن فارد... منصوبہ باشد، کیست تامعنی این فقرہ راخاطر نشان من کند؟ 'تُحفت بازی نرد' ہواور اس کے بعد سات ہی نام، تو پھر سمجھ میں نہ آنے کی کیا بات ہے؟ ایسا ہی شک ہو تو ہزراں، کی بحث اسے دور کرسکتی تھی۔ غالب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ہزاراں نہیں، ہزار چاہیے۔ ان کے مخالفین نے ہزاراں کی سند پیش کی ہے مگر غالب نے اعتراض واپس نہیں لیا۔

(35) غالب نے برہان پر اعتراض کیا تھا کہ اس نے آہنگیدن کا ماضی آہنگ لکھا ہے، موید برہان میں ہے کہ اگر واقعی برہان نے یہ لکھا ہے تو غلط ہے۔ غالب تیغ تیز میں فرماتے ہیں کہ صاحب موید برہان نے دو صفحے سیاہ کیے مگر میرے فقرے (آہنگ کے ماضی ہونے سے متعلق) کا جواب کہاں؟ جواب موید برہان میں موجود ہے۔

(36) یادگارِ غالب کی ایک بحث کا عنوان 'محققانہ نظر' ہے جس میں حزیں کے شعر ذیل میں، باوجود اس کے کہ غالب حزیں کو ''بہت بڑا استاد'' جانتے تھے، ایک 'ہنوز' کو ''زائد اور بیہودہ'' قرار دینے پر داد دی ہے۔

'زتر کتازی آن نازنین سوار ہنوز　　ز سبزہ میدمد انگشت زینہار ہنوز'

ظاہراً کسی شخص نے یہ شعر لکھ بھیجا تھا، ہنوز کا دوبار آنا ایسی غلطی ہے جو مبتدی سے بھی نہیں ہونی چاہیے، غالب کو شعر کی وہ شکل جو پیش کی گئی تھی قبول کر کے اسے موردِ اعتراض بنانے سے قبل یہ دیکھ لینا تھا کہ واقعی حزیں نے اس طرح لکھا ہے یا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ 2 مختلف اشعار کے دو مصرعے ہیں۔ ز سبزہ الخ مقطع کا مصرع آخر ہے، اور اس کا پیش مصرع یہ ہے ''تیغ بازی چشمی مراز خاک حزیں'' واضح رہے کہ حزیں غالب کے نزدیک اتنے بڑے شاعر ہیں کہ انھوں نے آرزو وغیرہ کو ملامت کی ہے کہ وہ ان پر معترض ہوئے، بغیر اس کے کہ کسی ایک اعتراض کو

بھی غلط ثابت کرنے کی ضرورت محسوس کریں۔

(37) غالب نے یہ لکھنے کے باوجود کہ ترک و مغل مختلف ہیں، اور انھیں ایک سمجھنے والا خرد سے بیگانہ ہے، اپنے کو مغل بچہ کہا ہے۔[27]

(38) غالب نے اپنی تاریخِ ولادت 8 رجب 1212ھ لکھی ہے، لیکن انھوں نے اپنے کلیاتِ فارسی میں اپنا جو زایچہ دیا ہے اس کے مطابق 8 رجب 1211ھ مطابق 8 جنوری 1797 ہے۔[28] جناب سید محمد حسین رضوی نے اپنے مقالے میں دکھایا ہے کہ زایچہ صحیح ہے تو کوئی دوسری تاریخ ممکن نہیں۔[29] جناب مالک رام، زایچے کو ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں،[30] جناب عرشی نے غالباً مقالۂ مذکور کی اشاعت سے قبل یہ رائے قائم کی تھی کہ صحیح 18 رجب 1212ھ۔[31]

1 غالب کی کل نظم و نثر ہمارے سامنے نہیں آئی، کچھ چیزیں امید ہے کہ آیندہ ملیں، کچھ اندیشہ ہے کہ ضائع ہوگئیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض منظومات جنھیں ہم ناپید سمجھتے ہیں، بدلے ہوئے روپ میں ہمارے پیش نظر ہوں۔ ذیل میں ایک نامکمل فہرست ایسی نظم و نثر کی پیش کی جاتی ہے جس کے متعلق ثبوت موجود ہے کہ معرضِ تحریر میں آئی تھی، مگر اب تک منظرِ عام پر نہیں آئی: (1) بانکے کے بارے میں ایک فارسی رسالہ جس کا ذکر باغ دودر کے ایک خط میں ہے[32] (2) ایک ناتمام اردو قصے کے چند اجزا بروایت حالی،[33] غالب کے بعض خطوط میں ہے کہ ریڈ صاحب کی فرمایش ہے کہ اردو میں ایک قصہ لکھوں (3) بیان متعلق زبان اردو جو محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر کی فرمایش سے وجود میں آیا تھا، اس کا ذکر بعض خطوط اور جلوۂ حضر میں ہے[34] (4) 'سنین فارسی' کے متعلق 'دو ورقہ' جو غالب نے خلیفہ احمد علی احمد کو بھیجا تھا (مکاتیب غالب) (5) خطوط بنام باقر (مقدمۂ دیوان باقر) (6) مجموعۂ خطوط بنام سخن دہلوی جو ابوالکلام آزاد کی نظر سے گزرا تھا[35] (7) قصیدہ جو دورانِ ہنگامۂ 57ء میں غالب نے دربار بہادر شاہ میں پڑھا تھا، انگریزوں کے ایک طرفدار کے بیان کے مطابق، غالب اس سے منکر ہوں گے، میری رائے میں بالکل قرینِ قیاس ہے کہ اس زمانے میں بطور تہنیت کچھ کہہ کر سنایا ہو (8) احمد بخش خاں، امراؤ بیگم، ذوالفقار بہادر اور ان کے حلقے کے اشخاص کے نام کے خطوط، یہ ثابت کہ ان لوگوں کو خطوط لکھے تھے، مگر ان کے نام کا ایک خط بھی اس وقت تک نہیں ملا۔ ایسے لوگ اور بھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے نام کے خطوط بھی ناپید ہیں، جن سے اس قسم کے تعلق کا اب تک

ذکر نہیں آیا۔ (9) کچھ لوگوں کے نام کے خطوط ملتے ہیں، لیکن یہ ثابت ہے کہ ایسے کل خطوط ہمارے سامنے نہیں، یہ لوگ فضلِ حق، جانی بانکے لال وغیرہ ہیں۔ اس گروہ کے نام کے ایسے خطوط بھی ناپید ہوں گے جن کے وجود کا ثبوت موجود نہیں (10) قطعہ جو قطب الدولہ کو بھیجا گیا تھا۔ (باغ دودر)

2 مجعولات کی نامکمل فہرست (1) بیاضوں کے حوالے سے آسی کی پیش کردہ غزلیں (مقالۂ جناب جلیل قدوائی 36 (2) نادر خطوط مرتبۂ رسا ہمدانی کے خطوط اسمی کرامت حسین (مقالات جناب مالک رام و قاضی عبدالودود (3) خط اسمی شوخی رامپوری پیش کردۂ رسا ہمدانی (ماہنامۂ ندیم گیا) (4) دیوانِ سخن میں جو تحریر منسوب بہ غالب ہے۔ اسلوب کی شہادت سے قطع نظر، غالب سخن سے شخص کی اس طرح تعریف نہیں کر سکتے جیسی اس تحریر میں ہے۔ (6)[1] میں جس مجموعے کا ذکر ہے اگر وہ مل گیا تو اس میں جعلی خط کا نہ ہونا باعثِ تعجب ہوگا (5) خط اسمی شاد عظیم آبادی، اس صدی کے اوائل میں ایک ماہ نامے نے شائع کیا تھا، اس کی فارسی غالب کی فارسی نہیں (1) خط اسمی صفیر بلگرامی جس میں سروشِ سخن کا ذکر ہے میں نے اپنے مقالے میں[2] میں اس سے بحث کی تھی اور یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ جعلی ہے مگر صفیر کے زمانے کا خط نہیں، بعد کو ثابت ہوا کہ یہ خط خود صفیر نے پیش کیا تھا۔

3 غالب نے لطائفِ غیبی بنام سیاح لکھی، حالی نے اس کا شمار تصانیف غالب میں کیا ہے، سوالات عبدالکریم کے متعلق یہ خیال کہ یہ عبدالکریم ٹونکی کا لکھا ہوا ہے، ناقابلِ قبول ہے، خود غالب اس کے مصنف ہیں۔ غالب نے بہادر شاہ کی طرف سے ایک فارسی مثنوی لکھی تھی جس میں تشیع سے انکار تھا۔ اسعد الاخبار میں پنج آہنگ طبع اوّل کا منظوم اشتہار چھپا تھا جو حکیم غلام نجف خاں کے نام سے تھا، لیکن قرینہ ہے کہ خود غالب کا لکھا ہوا تھا37۔ پنج آہنگ واردوے معلّٰی میں بعض خطوط ہیں جو غالب نے دوسروں کی طرف سے لکھے تھے، ان مجموعوں میں ان خطوط کا شمول غالب کی مرضی سے پیدا ہوا ہو، آثر غالب کے ایک خط میں اس قسم کا خط شامل ہے۔38 ناظم کے دیوان میں غالب کا کلام معتد بہ مقدار میں ہوگا۔ ثاقب مرتب مکاتیب امیر مینائی کا قول ہے کہ

---

1. مجموعہ خطوط بنام سخن دہلوی جو ابوالکلام آزاد کی نظر سے گزرا تھا
2. مقالے متعلق نادر خطوط غالب

انھوں نے حالی سے سنا تھا کہ مطلعِ ذیل غالب نے ناظم کو دیا تھا، لیکن ناظم کے یہاں نہیں ملتا:

خوشی جینے کی کیا مرنے کا غم کیا ہماری زندگی کیا اور ہم کیا

دیگر تلامذہ کو بھی غالب نے شعر دیے ہوں گے۔

4 ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری بڑی شد و مد سے اس کے منکر تھے کہ 'تکیہ' غزل والی ردیف غالب کی نہیں، مگر مقالۂ ڈاکٹر وحید قریشی سے اس کا طبع زاد غالب ہونا ثابت ہے۔ دیوان معروف میں غالب کی ایک غزل (ردیف کہوں یا نہ کہوں) کا خمسہ ہے، بعض اصحاب بلاوجہ یہ سمجھتے ہیں یہ یہ غزل کسی دوسرے شخص کی ہے۔[39] قادرنامہ بے شبہ غالب کا ہے، اس سے بھی بعض اصحاب نے انکار کیا ہے۔

بروزِ حشرِ الٰہی چونامۂ عملم کنند باز کہ آن روز باز خواہ من است

بکن مقابلہ آن راز سرنوشت ازل اگر زیادہ وکم باشد آن گناہ من است

کلیات، سبد چیں طبع اوّل، باغ دودر میں نہیں ہے، سبد چیں مرتبۂ جناب مالک رام میں بحوالۂ تذکرۂ غوثیہ درج ہے، بعض اصحاب نے اسے مہ لقا حیدرآبادی سے منسوب کیا ہے، تذکرۂ مخزن الغرائب (نسخۂ کتب خانۂ خدابخش)

بنام توفیق کشمیری، یہ قطعہ ان دونوں میں سے کسی کا ہو یا نہ ہو، تذکرۂ مذکور کے زمانۂ تصنیف کے پیش نظر غالب کا نہیں ہوسکتا۔ 'کا امتیاز' ردیف کی غزل علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر مرتبۂ ڈاکٹر مختار الدین احمد میں بنام غالب اکبرآبادی درج ہے، لیکن غزل اسی تخلص کے ایک دوسرے شاعر کی ہے۔ لطائفِ غیبی مصنفۂ انتظام اللہ شہابی میں جو اشعار منسوب بہ غالب ہیں، اور دیوان غالب یا کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں، غالب کے نہیں۔

6 مجھے یاد آتا ہے کہ کسی نے غالب کا شعرِ ذیل میر کی طرف منسوب کیا ہے:

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے دماغی ہے

کہ موجِ بوئ گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا[۳]

۳ 'بھی تھا، ردیف والی غزل کا ایک شعر فرہنگ آصفیہ میں مصحفی کے نام درج ہے۔ غالب کے دیوان اردو کے قدیم ترین نسخے کی ایک غزل ''دل بیتاب کے سینے میں دم چندرہا الخ'' تذکرۂ گلشن ہمیشہ بہار گلشن بے خار سے مؤخر میں میر امانی اسد کی طرف منسوب ہے۔

7 غالب کے متعدد قصیدے اولاً کسی کی مدح میں تھے، بعد کو قدرے تغیر کے ساتھ، ممدوح دوسرا ہو گیا، مثلاً:

کلیات کا وہ قصیدہ جس کی ردیف رفتم ہے اور جس کے قوافی پریشاں، حیراں وغیرہ ہیں، نصیرالدین حیدر اوران کے وزیر روشن الدولہ کی مدح میں ہے، لیکن نامہ ہاے فارسی کے ایک خط اسمی محمد علی خاں میں ہے کہ مدح معتمدالدولہ کا قصیدہ آپ کے پاس ہے (غالباً) اس میں نصیرالدین حیدر کی بھی مدح ہوگی)، یہ میرے خاندان کے واسطے باعثِ ننگ ہے، بزرگ خرد کی غلطی کی پردہ پوشی کرتے ہیں، جب تک میں اس قصیدے میں ترمیم نہ کرلوں، اسے کسی کو نہ دکھائیں، میں چاہتا ہوں کہ اسے ہمایوں جاہ نواب مرشد آباد کو پیش کروں۔ ظاہراً اس کی کوئی صورت نہ نکلی، اور بعد کو ترمیم کے ساتھ، یہ قصیدہ اس شکل میں آ گیا جو کلیات میں ہے۔ کلیات کا ایک قصیدہ مدح ''سرچالس تھیافلس مٹکف'' میں ہے، مصرع اوّل ''یافت آئینۂ بختِ تو ز دولت پرداز'' نامہ ہاے فارسی کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ہانکس رزیڈنٹ دہلی کی مدح میں لکھا گیا تھا۔ بعد کو جب اس نے پنشن والے مقدمے میں غالب کے خلاف رپورٹ بھیجی، اور یہ تحریک کی کہ جھوٹا الزام لگانے اور فضول مقدمہ دائر کرنے کی انھیں سزا دی جائے، تو غالب اس سے متنفر ہو گئے، کلیات کا ایک قطعہ ہے جس کا مصرع اوّل یہ ہے ''ایا ستم زدہ غالب ز ہانکس مسگال''

کلیات کا ایک قصیدہ وزیر محمد خاں والی ٹونک کی مدح میں ہے، لیکن بعض قلمی نسخے اس پر مشعر ہیں کہ نواب رفیع الدین خاں بہادر مخاطب بہ شمس الامرا کی مدح میں تھا، نسخہ پٹنہ (سال اتمام کتابت 1257ھ کا ایک شعر ہے)

شمس الامرا کز اثر نسبت نامت خور قبلہ بد اورنگ نشینانِ عجم را

کلیات مطبوعہ کا ایک قصیدہ مدح ملکہ وکٹوریا کا ہے جس کی بیتِ اوّل یہ ہے:

در روزگار ہا نتواند شمار یافت خود روزگار انچہ درین روزگار یافت

یہ دستنبو طبع اوّل میں بھی شامل ہے، اور جس زمانے میں یہ رسالہ چھپ رہا تھا یا اس کی طباعت کا آگرہ میں نظم ہو رہا تھا غالب نے لکھا تھا کہ ان دنوں ایک قصیدہ مدح ملکہ میں موزوں ہوا ہے، اسے دستنبو کے ساتھ چھپنا چاہیے، یہ قصیدہ جیسا کہ بعض مجموعۂ اشعار غالب

سے ثابت ہے، انطباعِ دستنبو سے کئی سال قبل اس موقعے پر کہا گیا تھا جب بہادر شاہ نے ایک سخت مرض میں مبتلا ہو کر غسلِ صحت کیا تھا۔

کلیات کا ایک قصیدہ مدح مہاراجہ الور میں ہے، مصرعِ اوّل ''گرد آورد بشکل فرس بادرا بہار'' یہ دراصل لارڈ ہارڈنگ کی آمد دہلی کے موقعے پر کہا گیا تھا۔

کلیات کا قصیدۂ مدح وکٹوریا ''شکر کہ آشوب برف و باد سر آمد الخ'' اصل میں مرزا غلام فخر الدین ولی عہد بہادر شاہ کی ستایش میں تھا۔

ان قصیدوں کے متعلق تو ثابت ہے کہ ان کے اوّلین ممدوح وہ نہیں جو کلیاتِ مطبوعہ میں نظر آتے ہیں، بخوبی ممکن ہے کہ ایسے اور قصائد بھی ہوں۔ 'باغ دودر' کے ایک خط میں ہے کہ امجد علی شاہ کی مدح کا قصیدہ کلیات میں ہے جو دور دور پہنچ چکا ہے اور لوگوں کی نظر سے گزر چکا ہے، یہ ننگ کس طرح گوارا کروں کہ اس کا ممدوح بدل دوں، یہ دولتِ دنیا نہیں جو میری دسترس سے باہر ہے، یہ شعر ہے جو ''گنج در گنج'' مجھے مبدء فیاض سے ملا ہے، دوسرا قصیدہ لکھوں گا، مگر کوئی قصیدہ اگر کسی ایک شخص کے نام طبع نہیں ہوا، اس سے قطع نظر کہ کسی خطی نسخے میں وہ کس طور پر ہے، انھیں اسے کسی اور کے نام کر دینے میں تامل نہ تھا۔ صرف ایک قصیدہ ہے جس کی نسبت ان کا صریح اعتراف موجود ہے کہ پہلا ممدوح کوئی اور شخص تھا۔ ایک خط میں یوسف مرزا کو لکھتے ہیں ''جہاں پناہ (واجد علی شاہ) کی مدح کی فکر نہ کر سکا، یہ قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزرا نہ تھا، میں نے اسی میں امجد علی شاہ (پدر واجد علی شاہ) کی جگہ واجد علی شاہ کو بٹھا دیا، خدا نے بھی تو یہی کیا تھا۔ انوری نے بارہا ایسا کیا ہے... میں نے اگر باپ کا قصیدہ بیٹے کے نام کر دیا تو کیا غضب ہوا۔ پھر کیسی حالت زار کیسی مصیبت میں' یہ معلوم نہیں کہ یہ کون سا قصیدہ ہے، غالب نے قطب الدولہ کی وساطت سے جو قصیدہ بھیجا تھا اس کی ردیف اس سے قطع نظر کہ ممدوحین کے بدل جانے سے قصیدوں میں ترمیم کرنی پڑی ہے، اس کے منظومات میں اور وجوہ سے بھی تغیر ہوتا رہا ہے مثلاً وہ مثنوی جو کلیات میں بادِ مخالف کے نام سے مندرج ہے، اس کا اصلی نام 'آشتی' نامہ تھا، اور اس کی وہ روایت جو کلکتہ میں پیش ہوئی تھی، کلیات کی روایت سے بہت مختلف ہے، اختلافات سے مفصل بحث میں نے اپنے ایک مقالے میں کی تھی جو مسلم ریسرچ ایسوسی ایشن میسلنی میں شائع ہوا تھا۔ پہلی روایت میں بھی ایسے اشعار تھے، جو اس شخص

کی زبان سے جو مخالفین کی دلجوئی چاہتا ہو، مناسب نہ تھے، لیکن روایتِ آخر میں تو مخالفت اور نمایاں ہوگئی ہے۔

غالب نے لکھنؤ میں ایک غزل کہی تھی ،ردیف کو'قوافی' ہم، سم وغیرہ، اس میں معتمد الدولہ کا نام آیا تھا، مروجہ دیوان سے یہ شعر ہی نکال دیا گیا جس میں نام تھا۔ ابھی چند ماہ ہوئے غالب کے دیوان اردو کا ایک نسخہ دستیاب ہوا ہے جو نسخۂ بھوپال سے بھی قدیم تر ہے۔ اس کے متعلق جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ اس پر مشعر ہیں کہ نسخۂ امروہہ و نسخۂ بھوپال کا مشترک کلام لازماً ایک طور پر نہیں۔

(8) غالب کے بہت سے اصلی خطوط موجود ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے متن میں شبہ کی گنجایش نہیں، ممکن ہے کہ تلاش سے اور اصلی خطوط ملیں، مکاتیب غالب کے خطوط کا متن اصلی خطوط پر مبنی ہے، مآثر غالب، متفرقات غالب، نامہ ہاے فارسی کا متن قلمی مجموعوں کے جو مختلف بنا پر ہے اشخاص نے اپنے اپنے طور پر مرتب کیے تھے؛ اغلاطِ کتابت سے تو یہ بری نہیں، لیکن اس کا احتمال کم ہے کہ ان میں تصرف ہوا ہو۔ پنج آہنگ، عود ہندی، اردوے معلیٰ کا متن چنداں قابلِ اعتبار نہیں۔ ممکن ہے کہ مکتوب الیہوں سے وقتِ ترتیب کچھ اصلی خطوط ملے ہوں، مگر قرینہ ہے کہ زیادہ تر نقلیں ملی ہوں گی، جن میں مکتوب الیہوں نے بمصلحت تصرف کیا ہوگا۔ غالب جن خطوط کی اشاعت کے خود ذمے دار ہیں، ان میں مختلف قسم کے تصرفات ہوسکتے ہیں، اس کا ثبوت موجود ہے کہ چند خطوط میں عبارتیں محض انشا کو بہتر بنانے کے لیے بدلیں، عدد اور نام بدلے، عبارتیں بمصلحت یا محض اس وجہ سے کہ بے کار نظر آئیں، نکال دیں، خطوط میں اضافہ بھی کیا ہو تو عجب نہیں۔ انتخابِ غالب میں جو خطوط ہیں ان میں تصرف کے صرف غالب ذمے دار ہیں۔ ناقلین اور کارکنانِ مطابع کی سہل انگاری سے بھی پنج آہنگ، عود ہندی اور اردوے معلیٰ کے متن میں غلطیاں رہ گئی ہوں گی۔ غالب کے تصرفات کا اندازہ اس مقالے سے ہوسکتا ہے جو جناب عرشی نے اس موضوع پر لکھا تھا۔40 ذیل کی مثالیں اس مقالے میں نہیں۔ پنج آہنگ و نامہ ہای فارسی کے مشترک خطوط کی عباراتِ ذیل مقدم الذکر میں نہیں ہیں۔

(1) ''مرگ نواب (احمد بخش خان) بہادر بسمع اقدس رسیدہ باشد.... ہر چند انعدام پیکرِ عنصری نواب نفس (مقدمہ را) چنانکہ سود ندارد، زیان ہم ندارد، اما از خود رفتۂ این دو کیفیت

باشم، یکی آنکہ ہیمے کہ در مستقبل داشتم ہم ایدون حالی گشت، یعنی دست بگدایی پیشِ برادران دراز کردن، دیگر آنکہ مسرتی کہ بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنہا بدان ناز کردن... بندۂ تازہ خرید جناب را در فضای سخن دو لغزش واقعہ گشتہ، یکی اینکہ غزلی کہ از بنارس فرستادم و مطلع آن اینست:

ای بصدمۂ آہی در دلت زما باری　　این قدر گران نبود نالۂ ز بیماری

امید کہ جناب نیز مطلع مذکور را محو فرمودہ این مطلع را بدل ما تخلل آن دو مصرع سازند"
(اس کے بعد کئی سطور جن میں یہ مطلب کہ قصیدۂ مدح آغا میر آپ کے پاس ہے جب تک اس میں ترمیم نہ ہو جائے کسی کو نہ دکھائیں)[41] (2) "بخدمت جناب شاہ غلام زکریا صاحب و خانصاحب عمیم الاحسان انعام احمد خاں صاحب و جناب محمد صالح علی خان المشتہر بہ مرزایی صاحب سلامہاے نیاز افشان اشتیاقہا دیدرفتہ باد"[42] پنج آہنگ کے خطہ میں مکان کلکتہ کا کرایہ 10 روپیہ، یہی خط نامہ ہای فارسی میں بھی ہے، اور اس میں کرایہ 6 روپیہ ہے۔

9　غالب کے بعض خطوط کے مکتوب الیہ بدل گئے ہیں، اس کا ذکر تبصرۂ خطوط غالب مرتبۂ مہیش پرشاد میں ہے جو معاصر پٹنہ میں شائع ہوا تھا۔ 'غالب کی نئی تحریریں'[43] کے مرتب نے ایک خط کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ عبدالحق خیرآبادی کے نام کا ہے، ممکن ہے مکتوب الیہ کا نام عبدالحق ہی ہو، لیکن یہ عبدالحق خیرآبادی کے نام کا نہیں ہوسکتا۔ اس خط میں 'جناب عالی' کہہ کر مخاطب کیا ہے اور اس خط کا تعلق جوان بخت کی شادی کے رقعے سے ہے۔

10　بکثرت خطوط ایسے ہیں کہ ان کے زمانۂ کتابت کی اس طرح تعیین کہ تاریخ و ماہ و سنہ سب معلوم ہو جائے ناممکن یا دشوار ہے۔ خطوط میں غلط تاریخیں بھی درج ہیں۔ اور قیاسی تعیین میں بھی غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں نے تبصرۂ خطوط غالب مرتبۂ مہیش پرشاد میں ان امور سے بحث کی ہے۔

11　خطوط میں بہت سے اشخاص کے نام مکمل یا نامکمل ہیں، اور خطوط میں جو کچھ ہے، اس کے علاوہ ہمیں ان کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ بعض کے متعلق اختلاف بھی ہے کہ یہ دراصل کون ہیں، یا جو قیاس آرائی ہوئی ہے، اس کی بنیاد مضبوط نہیں۔ بناری جس کا ذکر خط اسی علائی میں ہے، اور شخص کوئی جس کی طرف خط اسی تفتہ میں اشارہ ہے، کون ہیں؟ ظفری بیگم صاحب تحقیق نامہ[٭]

[٭] باغ دودر توشۂ مرتب

کی رائے میں میکش کی بی بی کا نام ہے، میرے نزدیک وہ اس کی بیٹی ہے۔ باغ دودر میں اکبر علی کا نام آیا ہے، صاحب تحقیق نامہ 44 کہتے ہیں کہ یہ حافظ اکبر علی شیون ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ کیوں۔

12 بہت سی باتیں محض اشاروں میں ہیں، مثلاً علائی کے نام کے ایک خط میں ہے کہ میں نے بنارسی کی حمایت میں گالیاں کھائیں، علائی کسی شخص کو سائیسوں سے پٹوانا چاہتے تھے غالب مانع ہیں، خبر نہیں وہ شخص کون تھا اور علائی کی ناراضی کا کیا سبب تھا۔ مکتوب الیہوں کے خطوط جو انھوں نے غالب کو لکھے تھے مل جائیں تو بہت سی باتیں واضح ہو جائیں، جیسا کہ خطوط مجروح اسمی غالب کے مطالعہ کرنے والے اس سے اتفاق کریں گے۔ ان خطوط کی تلاش جاری رہے۔

13 غالب کے متعدد منظومات ہیں جن کی نسبت کوئی اطلاع انھوں نے نہیں دی کہ کن اصحاب سے ان کا تعلق ہے، آج تک کسی نے اس کے بارے میں قیاس آرائی بھی نہیں کی:

تابود چار عید در عالم   بر تو یارب خجستہ باد و ہجیر
عید شوال و عید ذی الحجہ   عید بابا شجاع و عید غدیر

یہ باغ دودر میں ہے، صرف یہ واضح ہے کہ مبارکباد کسی غالی شیعے کو دی گئی ہے، اور بس:

اے کہ خواہی کہ بعدازین باشم   مخلص صادق الولای تو من

نہ بیتی قطعہ جس کی بیت اول اے کہ الخ ہے، کلیات کے نسخ مطبوعہ کے علاوہ، قدیم ترین مخطوطات میں بھی ہے، قطعے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تم معشوق، نہ شاعر، نہ بادشاہ، پھر اس کی توقع کیوں ہے کہ جو کچھ گزر چکا ہے (''بعدازین'' سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کوئی ناخوشگوار بات وقوع میں آئی تھی) اس کے بعد بھی میں تمھارا ''مخلص صادق الولا'' رہوں گا۔ تمھارے پاس اگر ہے تو دولت، اور اس نے تمھیں مغرور بنا دیا ہے، میں تمھارا خدا ہوتا تو کبھی تمھیں ''زر و سیم'' نہ دیتا۔ مخاطب کون ہے، بالکل معلوم نہیں:

دیدی آن بدگہر و مہر و ولایش بہ یزید   کہ بخشم آید اگر زشت و پلیدش گویند

چہار بیتی قطعہ جس کی بیت اوّل دیدی الخ ہے، کلیات کے کل نسخ میں ہے؛ اور اس کی خبر نہیں کہ اس کا کس شخص سے تعلق ہے۔ پٹنہ کے نسخۂ کلیات میں جس کی کتابت 1254ھ میں تمام ہوئی تھی، ایک اور شعر ہے، جو پڑھا نہیں جاتا۔ اگر اس کے پڑھے جانے کی کوئی صورت نکل سکے، یا یہ شعر کہیں اور مل جائے، تو اس کا امکان ہے کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس قطعے کا سروکار کس

شخص سے ہے:

کردۂ جھدی کہ در ویرانی کاشانہ ام　　　چرخ در آرایشِ ہنگامۂ عالم نکرد

پنج بیتی قطعہ جس کی بیت اوّل کردۂ الخ ہے، کل نسخ کلیات میں ہے، کسی کی ہجو میں ہے، مگر نہ جانے کس کی ہجو ہے۔

ایا زیان زدہ غالب کہ از حدیقۂ بخت　　　نمیرسد بتو خار وحسی ز ہیچ سبیل

بیت اوّل قطعۂ نہہ بیتی، یہ بھی ہجو ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ کس کی شامت آئی ہے۔

14 بعض منظومات کا جن اصحاب سے تعلق ہے، ان کے نام کلیات میں ہیں، مگر یہ پتا نہیں کہ یہ کون لوگ تھے، مثلاً:

کلیات میں میر فضل علی کا قطعۂ تاریخ وفات ہے جو 1247ھ پر مشعر ہے، اس نام کے جو وزیر اودھ ہوئے ہیں ان کا سالِ وفات مختلف ہے۔ مخطوطۂ پٹنہ میں جو اس کا عنوان ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قطعہ حسام الدین حیدر کی فرمائش پر کہا گیا تھا۔ یہ میر فضل علی کون تھے، اس کا پتا نہیں۔

'باغِ دودر' میں ناظر وحیدالدین کی وفات کا قطعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ 1267 میں فوت ہوئے تھے۔ 'باغِ دودر' کے مرتب نے تحقیق نامہ میں یہ بتایا ہے کہ یہ وحیدالدین احمد خالِ سرسید احمد خاں تھے جو ہنگامۂ 57ء میں مقتول ہوئے، ظاہر ہے کہ 1267 میں مرنے والا، دوبارہ نہیں مرسکتا۔ اس کے سوا کہ وحیدالدین ناظر تھے، ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں۔

بعض منظومات کے متعلق قیاس آرائی ہوئی ہے کہ ان کا کن لوگوں سے تعلق ہے، مگر قیاس کو درجۂ یقیں تک پہنچانے کی کوئی صورت اب تک نہیں نکلی، مثلاً:

15 کلیات کا قطعہ جس کا مصرع اوّل یہ ہے کہ "ای کہ در بزمِ شہنشاہِ سخن رس گفتہ" قیاس ہے کہ اس میں ذوق سے خطاب ہے، یہ بہت قرین قیاس ہے لیکن کوئی روایت جو اس کی مصدق ہو اب تک نہیں ملی۔

سبد چیں و باغ دودر کا قطعہ ہے جس کی بیت اوّل یہ ہے:

روزی زرہ ستم ظریفی　　　برلاشۂ جعفر چہارم

مرتب باغ دودر نے تحقیق نامہ میں لکھا ہے کہ 'جعفر چہارم' سے مراد جعفر بیگ ہے جو غالب کا

ملازم تھا، مگر جو دلائل انھوں نے پیش کیے ہیں، وہ اطمینان بخش نہیں۔

16 متعدد منظومات کے متعلق یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کن حالات میں لکھے گئے، مثلاً:

جان عزیز است و اہلِ عزت را عزت از جان عزیز تر باشد
خود بفرما چسان تواند زیست ہر کرا ہر دو در خطر باشد

تحقیق نامہ میں ہے کہ اس قطعے کا تعلق غالب کی اسیری سے ہے، مگر اس وقت جان کب خطرے میں تھی؟ نہ جانے غالب کی زندگی کے کس واقعے سے اس کا علاقہ ہے۔ کئی منظومات جن کا اوپر ذکر آچکا ہے اسی قبیل کے ہیں۔

اخبار

پرانے اخباروں سے غالب اور ان کے عہد کے متعلق قابلِ قدر معلومات حاصل ہوتے ہیں، ان میں ایسے منظومات ملتے ہیں جو کہیں اور نظر نہیں آتے، بہت سی نظمیں کلیات میں شمول سے پیشتر اخباروں میں شائع ہوئی تھیں، اور اخباروں میں یہ لازماً بجنسہ اسی طرح نہیں، جس طرح کلیات میں ہیں، بعض منظومات کی شانِ نزول کا علم بھی اخباروں سے ہوتا ہے۔ غالب کا جرمِ قمار بازی میں قید کی سزا سے پہلے ایک بار جرمانے کی سزا پانا، ایک انگریز سوداگر کا انھیں گرفتار کرانا، غالب کا دفعِ اتہام تشیع کے لیے رباعیاں کہنا (حالی نے لکھا ہے کہ محض بادشا کو خوش کرنے کے لیے اور اہلِ دربار کو ہنسانے کے واسطے لکھی تھیں، ورنہ دربار کا ہر متنفس جانتا تھا کہ غالب شیعی یا تفضیلی ہیں، اخبار کچھ اور کہتا ہے۔ ان رباعیوں میں سے صرف ایک یادگارِ غالب میں ہے، ایک اخبار میں کل رباعیاں شائع ہوئی تھیں) غالب کا یک قطعہ یہ ''بحق بادہ چنیں حکم داد حاکم شہر الخ'' یہ ایک ایرانی وارد دہلی کی ایک رباعی کے جواب میں کہا گیا تھا'' یہ سب باتیں صرف اخباروں میں پائی جاتی ہیں۔ پرانے اخباروں کے متعلق قابلِ قدر کام ہوا ہے، مگر ابھی اور کام ہوسکتا ہے۔

سرکاری دفتر

ہندوستان، پاکستان اور انگلستان کے سرکاری دفتروں میں جو کاغذات ہیں، ان کا مطالعہ مفید ہوسکتا ہے۔ ان سے غالب اور ان کے عہد کے متعلق صحیح معلومات حاصل ہوسکتے ہیں، مگر

جناب پرتھوی چندر نے جو کتاب بنام حقِ جاگیرِ غالب ابھی حال میں لکھی ہے، اس میں بعض [باتیں] بہت ہی لغو اور عجیب ہیں، مثلاً:

غالب کے مقدمے پر چیف سکریٹری کے نوٹ میں یہ شامل ہے کہ نصراللہ خاں (کذا) احمد بخش خاں کے داماد (Sonin Lan) تھے۔ اس کتاب میں جو غالب کی عرض داشتیں یا رزیڈنٹ وغیرہ کی تحریریں ہیں، ان میں نہ اس کے خلاف درج ہے، کہ اس کے موافق، خود مولف نے اپنے تعارف، میں اسے قبول کیا ہے کہ احمد بخش خاں، نصراللہ بیگ خاں کے خسر تھے، غالب کی بعض تحریروں میں جو اس کتاب میں شامل نہیں، صراحتہً مرقوم ہے کہ احمد بخش خاں، نصراللہ بیگ خاں کے نسبتی بھائی تھے، اور کوئی وجہ اسے غلط سمجھنے کی نظر نہیں آتی۔

چیف سکریٹری کے اسی نوٹ میں ہے کہ نصراللہ خاں نے دو بیٹے (Sons) دادخواہ (یعنی غالب) اور ان کا برادرِ خرد یوسف علی خاں عرف مرزا یوسف، لیکن اسی نوٹ میں اس سے قبل یہ مرقوم ہے کہ اسداللہ خاں اپنے کو نواب نصراللہ بیگ خاں کا بھتیجا کہتا ہے۔ اس چیف سکریٹری کو جو کہیں بیٹا کہتا ہے کہیں بھتیجا (Nephew) کوئی کیا کہے؟ یوسف علی خاں نام صرف اس نوٹ میں ہے۔ نصراللہ بیگ خاں کو بکثرت نصراللہ خاں لکھا ہے، مگر ان کے نام کے ساتھ نواب صرف ایک جگہ آیا ہے، اگر یہ نواب ہوتے، تو ممکن نہ تھا کہ غالب کی تحریروں میں یہ نہ ملتا۔

غالب کی ایک اور عرض داشت میں جو انگریزی میں ہے، اور جس پر ان کا نام وغیرہ خود ان کا فارسی رسمِ خط میں لکھا ہوا ہے یہ مرقوم ہے کہ نصراللہ بیگ خاں غالب کے والد کے اخیافی بھائی (Uterine Brother) تھے۔ اس کتاب میں کوئی بات اس کے خلاف مندرج نہیں، لیکن غالب کی بعض تحریروں سے جو اس میں شامل نہیں، حقیقی بھائی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جناب مالک رام نے توقیت غالب میں بدون سند، علاتی بھائی کہا ہے۔ یہ تو سند کے نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتنا ہے، سوال یہ ہے کہ حقیقی بھائی مانا جائے یا اخیافی، اور وجہِ ترجیح کیا ہوگی؟ اخیافی، تو اس صورت میں نصراللہ بیگ خاں کا باپ کون تھا؟ اس کتاب میں لفٹنٹ کرنل میلکم کے انگریزی تحریر کا ایک اقتباس ہے، جس میں یہ عبارت ہے:

"Soon after this, on the sudden death of Nussurullah Beg Khan, a near relation of Ahmad Bakh Khan the districts (sic) of sonk and sonsah... were resumed, but this lordship

deemed it necessary to provide... for his brother and family."

اس کتاب کی دوسری تحریروں سے ثابت ہے کہ نصر اللہ بیگ نے کوئی بھائی نہیں چھوڑا تھا، اس انگریزی تحریر میں صاف 'برادر اینڈ فیملی' ہے، معلوم ہوتا ہے کہ عہد غالب کے برطانی بھی جو ہند میں تھے، چنداں محتاط نہ تھے۔

معاصر ادب اور کتب متعلق معاصرین

شعرا کے تذکرہ نگار عموماً بہت غیر محتاط ہیں، انھیں حقیقت کی تلاش سے کہیں زیادہ لفاظی مدنظر تھی، اور بعض تو محض داستاں طرازی پر اتر آتے تھے۔ تذکرہ نگار غیر جانب داری کا کتنا ہی دعویٰ کریں، لیکن ان میں بڑی پاسداری ہے۔ ایک بڑا عیب جس سے شاید ہی کوئی تذکرہ خالی ہو، یہ ہے کہ تذکرے کے آغاز و انجام کے متعلق یہ خود جو اطلاع دیتے ہیں، اور دوسروں کے قطعاتِ تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے، اس کے قبل یا بعد یا قبل و بعد دونوں کے مندرجات ان میں ملتے ہیں اور ان کے بہت سے مندرجات کے متعلق یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ ان کا زمانۂ تحریر کیا ہے۔ بایں ہمہ، ان میں غالب اور ان کے عہد سے متعلق کام کی باتیں ملتی ہیں، ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جو کہیں اور نہیں۔ بعض اشعار کا متن بھی تذکروں میں مختلف طور ملتا ہے، اور اشعار کے زمانۂ تصنیف کی تعیین میں ان سے مدد مل سکتی ہے۔ بعض تذکرے جن میں یقین ہے کہ غالب کے تراجم ہیں، مثلاً آفتاب عالمتاب[۵] و طلسم راز ناپید ہیں۔

معاصر سفرنامے، روزنامچے وغیرہ میں بھی کام کی باتیں ملتی ہیں، اور معاصرین کے متعلق ایسے اشخاص کی کتابیں بھی جو غالب کے معاصر نہیں کہے جاسکتے، مفید مطلب نکل سکتی ہیں، ایک کتاب جو ایک معاصر نے 1904 میں یا اس کے کچھ بعد لکھی لطائف غالب ہے، اس میں مصنف نے جس شخص کا جو لطیفہ پسند کیا ہے، غالب کی طرف منسوب کر دیا ہے، کمال یہ ہے کہ گلستانِ سعدی کا بچھوؤں سے متعلق ایک لطیفہ غالب کا طبع زاد قرار دیا ہے۔ آبِ حیات و یادگارِ غالب معاصرین کی کتابیں ہیں۔ مگر ان کا ذکر الگ الگ ہوگا۔

---

۵ متعلق آفتاب عالمتاب بعد کو معلوم ہوا کہ اس کا ایک نسخہ اودھ میں ہے۔ [یہ تذکرہ انتشارات سفیر اردھال تہران سے 2014 میں شائع ہو چکا ہے]

آبِ حیات

آبِ حیات، تذکرہ نہیں، شعرا اردو کی تاریخ ہونے کی مدعی ہے، اور اس قبیل کی کل کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ 'آزاد بحیثیت محقق' کے عنوان سے میرا ایک بسیط مگر نامکمل مقالہ نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے۔ آزاد کس حد تک قابلِ اعتبار ہیں، اس کا اندازہ امورِ ذیل سے ہوسکتا ہے:

آزاد اس سے واقف ہیں کہ ساطعِ برہاں غالب کے ایک مخالف کی کتاب ہے جو قاطع [برہان] کے رد میں لکھی گئی تھی، مگر اس کے باوجود، فرماتے ہیں کہ ساطع برہاں کے آخر جو چند اوراق سید عبداللہ کے نام سے ہیں، ان کے اصلی مصنف غالب ہیں۔ اس کتاب کے آخر میں قطعاتِ تاریخ سے قطع نظر، کسی دوسرے شخص کی کوئی چیز نہیں۔ سید عبداللہ نام کے کسی شخص کا اس منازعے سے تعلق ثابت نہیں، جو قاطع [برہان] کی اشاعت کے بعد ہوا تھا۔

آزاد کا بیان ہے: جھجر میں ایک فرومایہ شاعر اسد تخلص کا گزرا ہے اس کا مقطع:

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب　　　ارے او شیر رحمت ہے خدا کی

کسی نے پڑھا، سنتے ہی اس تخلص سے جی بیزار ہوگیا، 1245ھ میں غالب تخلص رکھا— جھجر میں اسد تخلص کے کسی شاعر کا وجود ثابت نہیں، خود غالب کے بعض خطوط اس پر مشعر ہیں کہ:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی　　　مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

جو تذکروں میں میرامانی اسد کے نام سے ہے، غالب کے سامنے کسی نے پڑھا تھا، اور غالب کو اس کی داد دی تھی۔ غالب تخلص 1245ھ سے بہت قبل اختیار کیا تھا، اور اسد تخلص سے اس کے بعد بھی کام لیتے رہے۔

آزاد کا قول ہے: کلکتہ میں کسی نے یہ معلوم کر کے کہ غالب کی مثنوی کا نام بادِ مخالف ہے، گلستانِ سعدی کا یہ فقرہ پڑھا "یکی از صلحا را بادِ مخالف در شکم پیچید" اور سب ہنس دیے— آزاد نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حکایت ان کے علم میں کس طرح آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مثنوی کا پہلا نام 'آشتی نامہ' تھا، حکایت واقعی ہوتی، تو غالب اس کا نام بادِ مخالف نہ رکھتے۔ کریم الدین سے قبل دہلی کالج کی نوکری نہ کرنے کا واقعہ کسی نے نہیں لکھا، آزاد نے بدونِ سند اس میں یہ اضافہ

کیا کہ ٹامسن صاحب سکریٹری (یادگارِ غالب میں صراحتہ یہ واقعہ آبِ حیات سے منقول، لیکن اس میں سکریٹری کی جگہ سکریٹری گورنمنٹ ہند) نے استقبال، جس طرح دستور قدیم تھا، نہ کیا، اس لیے نوکری نہ کی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ دستور تھا کہ غالب کے مرتبے کے لوگوں کا اس طرح استقبال ہوتا تھا کہ سکریٹری خود ان کو لینے کو جائے؟ اس سے قطع نظر، میری رائے میں بات بالکل خلافِ قیاس ہے۔ کہنے والے کہہ سکتے ہیں کہ آزاد دہلی والے تھے اور واقعہ ان کے زمانے کا ہے، انھوں نے تحقیق کے بعد ہی حوالۂ قلم کیا ہوگا، تو ان کی تحقیق کا یہ عالم ہے کہ حکیم آغا جان عیش دہلوی جن کے 'کمال کی کشش' نے وفات ذوق کے بعد بقولِ خود آزاد کو ان کی خدمت میں پہنچایا تھا، ان کے بیان کے مطابق شورش 57ء کے 'چند روز بعد' وفات پائی تھی، حالانکہ ان کا زمانۂ رحلت غالب کے بھی بعد ہے، چنانچہ ان کا قطعۂ تاریخ وفات دیوان عیش میں ہے۔

آزاد کے قول کے مطابق سبد چیں میں غالب کے چند خطوط بھی ہیں، اس میں ایک خط نہیں۔

فضل حق خیرآبادی کی 'رنڈی' کا ذکر آبِ حیات میں ہے، اور یہ بھی کہ غالب نے اسے آتا دیکھ کر فضل حق سے کہا تھا کہ یہ مصرع پڑھیے، ——— 'بنشین مادر بیٹھ ری مائی' یہ بہت خلافِ قیاس ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ رنڈی کے حق میں مصرع مذکور پڑھنے کا واقعہ ایک رئیس کے ساتھ پیش آیا، یہ قطعاً ناقابل قبول ہے، بہنوئی سالوں سے اس قسم کا مذاق نہیں کرتا۔ حیرت دہلوی نے اسے ایک اور طرح لکھا ہے، شایستہ پذیرائی نہیں۔

دیوانِ اردو بار اوّل 1849 میں چھپا،— صحیح 1841 آزاد کی بیان کردہ حکایتیں جن کی سند نہیں ملتی، عموماً ناقابلِ قبول ہیں۔

یادگارِ غالب

یادگارِ غالب پہلی مستقل کتاب ہے جو غالب کے حالات اور فن پر لکھی گئی، یہ غالب سے متعلق بعض صحیح معلومات کا ماخذ ہے، اور اس کی بدولت غالب کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے۔ کومریڈ دہلی کے ایک شذرے میں جو قریب یقین ہے کہ خود محمد علی کے قلم سے تھا یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ یادگارِ غالب (= یادگار) غالب و حالی دونوں میں سے کسی کے شایاں نہیں۔ اس اجمال سے یہ واضح نہیں کہ یادگار [غالب] سے نامطمئن ہونے کے وجوہ کیا تھے، ان کے متعلق

قیاس آرائی لاحاصل ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یادگار [غالب]، عہد حاضر کے سیرت نگار سے جو مطالبہ کیا جاسکتا ہے، اسے کس حد تک پورا کرتی ہے۔ حالی کے نزدیک واقعات زیادہ اہمیت نہیں رکھتے خود ان کے الفاظ میں جو واقعات اس میں درج ہیں انھیں ضمنی اور استطرادی' سمجھنا چاہیے۔ حیات جاوید کے دیباچے میں حالی خود معترف ہیں کہ اس کتاب سے پیشتر اس فن کی جو کتابیں میرے قلم سے نکلی ہیں (مراد حیات سعدی و یادگار [غالب] سے ہے) ان میں جن اشخاص کے حالاتِ زندگی مرقوم ہیں، ان کے پھوڑے نہیں چھیڑے گئے۔ واقعاتِ انیس کے مصنف نے، میرا حافظہ دھوکا نہیں دیتا، تو لکھا ہے کہ حالی مقر تھے کہ بعض لطائف بمصلحت درج یادگار نہیں ہوئے۔ حالی غالب کے نہایت عقیدت مند شاگرد تھے، اور مرنجاں مرنج شخص، غالب کے سسرالی اعزہ اور ان کے دوسرے تلامذہ کو ناراض کرنا نہیں چاہتے تھے، صرف یہی نہیں کہ انھوں نے کچھ باتیں جو ان کے علم میں تھیں، بمصلحت درج یادگار [غالب] نہیں کیں، انھوں نے محاسن کو بڑھا کر، اور معائب کو یکسر قلم انداز کرنا ممکن نہ ہوا تو گھٹا کر دکھایا۔ ان کی پاسداری اس وقت اور بھی نمایاں ہوجاتی ہے جب انھیں غالب کے کسی مخالف کا ہنر بھی عیب نظر آتا ہے۔ شہباز نے حکیم غلام رضا خاں کا قول نقل کیا ہے کہ غالب کے یہاں حالی کا زیادہ آنا جانا نہ تھا، ان سے وہ بے تکلفی بھی نہ تھی جو باوجود تفاوت عمر غالب اور مجروح و میرن صاحب و یوسف مرزا وغیرہ میں تھی، دنوں کے تعلقات کی نوعیت کچھ اس مصرعے سے ظاہر ہوتی ہے ''میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں'' چنانچہ آج تک حالی کے نام کا کوئی خط نہیں ملا، اور دوسروں کے نام کے خطوط میں بھی ان کا ذکر برائے نام ہے۔ ذاتی مشاہدے سے جو باتیں حالی نے لکھی ہیں زیادہ نہیں۔ بہت سے امور جن کی تحقیق اب ناممکن یا بہت دشوار ہے، حالی کوشش کرتے تو ان کے متعلق حسب دل خواہ معلومات فراہم کرسکتے تھے، ان کے زمانے میں جو تحریری مواد موجود تھا، اس میں سے بہت کچھ ضائع ہوگیا ہے، اس وقت بہت سے لوگ جو غالب اور ان کے خاندان سے واقفیت رکھتے تھے، زندہ تھے، مگر انھوں نے غالب کے حالات دریافت کرنے کے لیے انتخاب کیا تو صرف 5 اشخاص کو جو کم و بیش انھیں کی عمر کے تھے، اور جن میں سے کم از کم دو کو اختراع روایات سے مطلقاً احتراز نہ تھا، مجھے یقین ہے کہ حالی نے انھیں بھی سوالات نہ بھیجے ہوں گے، بس یہ لکھا ہوگا کہ جو آپ کے علم میں ہو بتایئے۔ صرف

یہی نہیں کہ ان کے زمانے میں معاصرین غالب کی جو تحریریں موجود تھیں، ان سے بہت کم کام لیا، انھوں نے حالات کی تحقیق کے لیے تصانیف غالب کا غائر مطالعہ بھی غیر ضروری متصور کیا اور کتابوں سے بحث نہیں، حالی کی یادگار کے دیکھنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ردو قبولِ روایات کا کوئی معقول معیار ان کے پاس نہیں، اور اس پر طرہ یہ کہ سہل انگار ہیں۔ نتائج صحیح نہیں نکالتے، اور حوالہ یا تو مطلقاً نہیں دیتے، یا دیتے ہیں تو اس کا صحیح طریقہ اختیار نہیں کرتے، انھوں نے شرح اشعار میں اپنی طرف سے بات بڑھائی ہے، اور بعض اشعار کا متن غلط پیش کیا ہے۔ اردو میں اسد اور فارسی میں غالب تخلص تھا۔ بطور شاذ فارسی میں بھی اسد تخلص آیا ہے، اور غالب تخلص دونوں زبانوں میں ہے۔ چنانچہ ان کا اردو دیوان دیوانِ غالب کہا جاتا ہے۔

(1) حالی غالب کا یہ قول نقل کرتے [ہیں] کہ عبدالصمد ایک فرضی استاد میں نے گڑھ لیا ہے، مگر وہ خود اس کے وجود خارجی کے قائل ہیں۔ ایک 'نہایت راست گفتار' کے خلافِ واقعہ یہ کہنے میں کہ عبدالصمد ایک فرضی استاد گڑھ لیا تھا، ان کے نزدیک کچھ قباحت نہیں۔

(2) حالی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ عبدالصمد کی ''تعلیم کا عدم و وجود برابر ہو جاتا ہے'' دوسری [جگہ] یہ فرماتے ہیں کہ ''اس نے تمام فارسی زبان کے مقدم اصول اور گُر اور پارسیوں کے مذہبی خیالات اور اسرار جن کو فارسی زبان کے سمجھنے میں بڑا دخل ہے، اور پارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا اور اسی قسم کی اور ضروری باتیں مرزا کے دل میں بوجہِ اولیٰ تہہ نشیں کر دی تھیں'' تعلیم کا عدم و وجود برابر ہے، مگر یہ سب باتیں سکھا دیں، یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ان کا جاننا نہ جاننا برابر ہو۔ حالی خود پارسیوں کے مذہبی ادب اور سنسکرت سے مطلقاً ناواقف ہیں، انھیں ان امور کے متعلق رائے دینے کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ غالب نے توافق لسانین کی کچھ صحیح، کچھ غلط مثالیں دی ہیں، اس سے کیا مراد ہے، اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ فارسی و سنسکرت کے توافق کی بحث کا آغاز کرنے والے، خان آرزو نے فارسی و عربی کے توافق کا بھی ذکر کیا ہے۔ غالب مقر ہیں کہ وہ سنسکرت نہیں جانتے، اور عبدالصمد کی طرف سے انھوں نے سنسکرت دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ غالب نے اشارۃً بھی فارسی و سنسکرت کا متحد الاصل ہونا نہیں بتایا۔

(3) شیفتہ کہتے تھے کہ عبدالصمد نے کسی اور ملک سے غالب کو خط لکھا تھا جس میں یہ الفاظ تھے ... ''چہ کسی کہ با این ہمہ آزادیہا گاہگاہ بخاطر می آیی'' مگر نہ تو صراحۃً یہ کہتے ہیں کہ خود

شیفتہ نے ان سے یہ بات کہی تھی، نہ یہ کہ شیفتہ نے یہ خط دیکھا تھا یا نہیں۔ حالی نے یہ لکھا ہے کہ عبدالصمد 2 سال غالب کے پاس آگرہ میں رہا، اور پھر دہلی میں مقیم رہا۔ عبارت غالب متعلق عبدالصمد ''درسال یک ہزار و دویست و بست وشش ہجری بطریق سیاحت بہ ہند آمدہ'' و بہ اکبر آباد کہ پیکر پذیرفتن وخرد آموختن من ہم درآن شہر خجستگی بہر است، دو سال بکلبۂ احزان من آسودہ است'' عبدالصمد کا دہلی جانا حالی کہاں سے لائے، اور ان کے پاس غالب کے علاوہ کوئی ذریعۂ اطلاع تھا، تو اس کا ذکر کیوں نہ کیا؟

غالب کلکتہ پہنچے تو ان کی عمر 40 سے کچھ کم تھی — 30 سے کچھ اوپر چاہیے۔ حالی کو اس کی خبر نہیں کہ بادِ مخالف کی ایک سے زیادہ روایات ہیں، اور اس کا اوّلیں نام 'آشتی نامہ' تھا، فقرۂ گلستاں والی حکایت یادگار [غالب] میں نہیں، حالانکہ اگر وہ ان کے نزدیک غلط تھی، تو اس کی تردید ضروری تھی۔

لکھنؤ کے بعض ذی اقتدار اصحاب ایک مدت سے خواہاں تھے کہ غالب ایک بار وہاں جائیں، وہ عہدِ نصیرالدین حیدر و روشن الدولہ میں وہاں گئے—— غالب کانپور میں بیمار ہو گئے تھے، علاج کے لیے لکھنؤ گئے، زمانہ غازی الدین حیدر و معتمد الدولہ آغا میر کا تھا۔

(4) قمار بازی کی پہلی سزا کا حال حالی کو معلوم نہیں، سزاے قید کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ چوسر براے نام کچھ بازی بدکر کھیلا کرتے تھے— یہ قمار میں داخل ہی نہیں، اس کی سزا کیا ہوتی!

(5) ز حیدریم من و تو زما عجب نبود گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

اس کی شرح میں لکھتے ہیں ''جس طرح بقول بعض حیدر کرار سے معجزہ ردالشمس'' ہوا تھا ہم بھی آفتاب کو مشرق کی طرف واپس پھیر دیں— غالب کے شعر میں 'بقول بعض' کہاں ہے؟

حالی کو یہ علم نہ تھا کہ غالب کے دادا کا نام قوقان بیگ تھا، نہ یہ واقفیت بظاہر انھیں تھی کہ ان کے ورود ہند کے زمانے کے متعلق غالب کے دو مختلف بیانات ہیں۔

(7) فنِ عروض میں بھی ان کو کافی دستگاہ معلوم ہوتی ہے'' — غالب کے ایک مصرع میں ایک سبب خفیف کی کمی ہے، انھوں نے ایک موزوں مصرع کو ناموزوں کہا ہے[45] (رجوع بہ غالب بحیثیتِ محقق [ص 188، خدا بخش لائبریری پٹنہ 1995])

(8) غالب کی 'وسعت اخلاق' کے عنوان کے تحت یہ بھی لکھا ہے کہ غالب نے ایک میسوری

شاہزادے کو کتاب بھیجی تھی، اس نے قیمت دریافت کی، غالب نے جواب دیا کہ میں سوداگر نہیں کہ قیمت لوں، کتاب نذر ہے، شاہزادے جو کچھ عطا کریں وہ تبرک ہے— ظاہر ہے کہ قیمت دو تین رپے ہوتی، اور 'تبرک کا کچھ ٹھکانا نہیں' غالب نے قیمت سے کہیں زیادہ رقم وصول کرنے کی کوشش کی تھی، حالی اسے ان کی خوبی سمجھتے ہیں۔

(9) فراخ حوصلگی کی مثال میں لکھا ہے کہ خلعت وغیرہ بیچ کر سرکاری چپراسیوں کو انعام دیا، رپے موجود نہ تھے، اور کیا کرتے؟ یہ فراخ حوصلگی کی مثال اس وقت ہوتی کہ حالی یہ بتاتے کہ رقم بہت بڑی تھی۔

(10) خواجہ غلام حسین سرکار میرٹھ کے ایک معزز فوجی افسر تھے— یہ بات بے سند لکھی ہے۔

(11) عبداللہ بیگ خاں نے تمام عمر (!) اپنی سسرال میں بطور خانہ داماد بسر کی— خود لکھتے ہیں کہ ان کا تعلق اودھ، دکن اور الور سے رہا، اور غالب نے یہ بتایا ہے کہ ان کے دادا نے آگرہ میں اقامت اختیار کرلی تھی۔

(12) حالی کو اس کا علم نہیں کہ غالب کے برادر خرد مقتولین شورش 57ء میں تھے۔

(13) حالی کو یہ معلوم نہیں کہ باد مخالف کا پہلا نام آشتی نامہ تھا۔

(14) سزا سے متعلق جو ایک اردو تحریر منسوب بہ غالب یادگار [غالب] میں ہے، حالی یہ نہیں بتاتے کہ اس کی اصل فارسی ہے (باغ دودر) اور کہاں ہے، ترجمے میں تصرف ہوا ہے، اہم اختلاف یہ ہے کہ یادگار [غالب] میں 'آدھی میعاد گزر گئی' ہے، باغ دودر میں 'ہمہ' سپری شد' ہے، مگر اس کا امکان ہے کہ 'ہمہ' 'نیمہ' [۱] کا مصحف ہو[46]۔

(15) حسین مرزا کی زبانی (یہ درج نہیں کہ روایت خود ان سے معلوم ہوئی تھی یا کسی اور شخص سے) بہادر شاہ کی غزلوں پر اصلاح کا جو حال بیان ہے، اس کے ماننے میں مجھے تامل ہے۔ بادشاہ کا کلام دیوانِ عام میں اس طرح دیکھا جائے کہ حاضرین پر یہ ظاہر ہو جائے کہ بادشاہ کی 8,9 غزلوں میں سے کسی میں ایک دو مصرع سے زیادہ نہ تھا، خلافِ قیاس ہے۔

(16) بدون سند: 1871 میں ضیاء الدین احمد خاں کلکتہ گئے تو محمد عالم نے ان سے ایک صحبت کا حال بیان کیا جس میں وہ موجود تھے۔ کسی شخص نے فیضی کی بہت تعریف کی، غالب بولے کہ وہ

---

۱ متعلق نیمہ: بعد کو معلوم ہوا کہ ایک بیاض میں 'نیمہ' ہے۔

اس کا سزاوار نہیں۔ اس شخص نے کہا کہ فیضی پہلی بار اکبر کے روبرو گیا تھا تو اس نے اسی وقت 250 ابیات کا قصیدہ ارتجالاً کہہ کر پڑھا تھا۔ غالب نے کہا کہ دو چار سو نہیں، تو دو چار شعر ہر موقعے پر بداہتہً کہنے والے اب بھی موجود ہیں۔ مخاطب سے [کذا۔ نے] فرمایش کی کہ وہ چکنی ڈلی پر کچھ کہیں، غالب نے فوراً گیارہ ابیات کا قطعہ موزوں کر کے سنایا— مقتضائے مقام تھا کہ اس قطعے کی شانِ نزول جو خود غالب نے لکھی ہے، اس کا ذکر ہوتا، غالب کے یہاں صرف اس قدر ہے کہ ایک دوست کرم حسین خاں کی فرمایش پر یہ قطعہ فی البدیہہ موزوں کیا، اور صلے میں چکنی ڈلی لی۔ دیوان کی طرف رجوع کرتے تو حالی کو علم ہوتا کہ سیزدہ بیتی قطعہ ہے، یازدہ بیتی نہیں۔ حالی کی بیان کردہ روایت کہیں اور نہیں ملتی، یہاں تک کہ کسی ایسی نظم کا بھی ذکر نہیں جو پہلی ملاقات کے موقعے پر پڑھی ہو۔ دیوان میں 250 کیا معنی 200 ابیات کا بھی کوئی قصیدہ نہیں۔ طرہ یہ کہ 250 ابیات کے قصیدے کے مقابلے میں 13 ابیات کا قطعہ کہنے میں کچھ بڑائی نہیں نکلتی۔

(17) ''غدر کے زمانے میں مرزا... گھر سے باہر نہیں نکلے'' — یہ صرف شورش کے آخری ایام کے متعلق صحیح ہوسکتا ہے۔

(18) غالب کرنیل برون کے پاس لے جائے گئے — برون کی جگہ بردن چاہیے۔

(19) آدھا مسلمان ہونے والی حکایت کا تعلق برن سے نہیں سارجنٹ سے ہے جیسا کہ خود غالب نے اس رسالے میں جو انتخاب غالب کے نام سے شائع ہوا ہے لکھا ہے۔ اس رسالے سے حالی ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔

(20) دستنبو کے اتمام کے بعد غالب کے پاس برہان قاطع (= برہان) و دساتیر کے سوا کوئی کتاب نہ تھی'' — یہ ایک جگہ، دوسری جگہ: جس وقت قاطع برہاں = قاطع لکھی گئی ان کے پاس قلمی برہاں [قاطع] کے سوا کوئی فرہنگ نہ تھی اور نہ کوئی ایسا سامان موجود تھا جس پر تحقیق لغت کی بنیاد رکھی جاتی، پس جو کچھ لکھا حافظے کی مدد سے اور ذوق و وجدان کی 'شہادت پر— دوسری جگہ دساتیر قلم انداز ہوئی ہے۔ قاطع کی اشاعت اول میں برہان منطبعہ اور اس کے حواشی کا ذکر کیا ہے، مگر اس مطبع کا نام نہیں بتایا جہاں یہ چھپی تھی، اس لیے قلمی نسخہ کہنا غلط ہے۔ قاطع [برہان] میں متعدد کتابوں کا حوالہ ہے جو لغات فارسی سے بحث کرتی ہیں مثلاً شرفنامۂ فرہنگ

جہانگیری، بہارِ عجم، ابطال ضرورت، رسالۂ عبدالواسع، برہان [قاطع] سی کتاب کی لغات کی مدد کے بغیر تنقید کوئی ہوش مندانہ فعل نہیں کہا جا سکتا مگر حالی کے نزدیک اس میں کچھ قباحت نہیں۔

(21) غالب نے کبھی کسی کی ہجو میں قطعہ یا قصیدہ نہیں لکھا، تقاضے کا ایک قطعہ بشکل ہجو ملیح کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔ 13 میں جن قطعات سے بحث ہے، ان میں سے 4 بے شبہ ہجو یہ ہیں، انھیں ہذل البتہ نہیں کہہ سکتے۔ مزید یہ کہ نظم میں اگر کچھ کمی تھی وہ انھوں نے نثر میں پوری کر دی، مثالوں کے لیے غالب بحیثیت محقق (نقد غالب) کی بحث لہجۂ غالب دیکھی جائے۔

(22) قطعۂ تقاضا کے متعلق یادگار میں ہے کہ کلیات میں نہیں ہے، غالب کے قلمی مسودات سے لے کر درج ہوا۔ قطعۂ "گفتم بخرد بخلوت انس الخ" سبد چیں میں موجود ہے جو غالب کے دورانِ حیات میں منطبع ہو چکا تھا۔

(23) 'وحشت و شیفتہ اب مرثیہ لکھیں شاید مرگیا غالب آشفتہ نوا کہتے ہیں'

دیوان غالب کے ہر نسخے میں 'لکھیں' کی جگہ 'کہویں' ہے۔

(24) حسام الدین حیدر خاں نے غالب کے اشعار میر کو دکھائے تھے۔ یادگار [غالب] میں اس کی سند نہیں، مجھے جناب مہر سے اتفاق ہے کہ یہ بہت خلافِ قیاس ہے۔

(25) یادگار [غالب] میں 7 شعر غالب کے ابتدائی زمانے کے ہیں، جو دیوان مروجہ کے کسی نسخے میں نہیں، نسخۂ بھوپال میں البتہ ہیں، حالی نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے لیے۔

(26) "ننہال بہت آسودہ حال تھی، اور اس کی ثروت سے ظاہراً مرزا اور ان کے بھائی سے بڑھ کر فائدہ اٹھانے والا نہ تھا"۔ غالب کی کئی تحریروں سے جو یادگار [غالب] کی اشاعت سے قبل چھپ چکی تھیں، ثابت ہے کہ اوزبک جان غالب کے ماموں کے بیٹے تھے، کوئی بات یہ فرض کرنے سے کہ ان کے بھائی، چچا اور پھپھیاں ہوں گی، مانع نہیں۔ حالی کو ظاہراً اس کا علم بھی نہیں کہ غالب کی ایک حقیقی بہن بھی تھیں۔

(27) اس بنا پر کہ خواجہ غلام حسین خاں کے ایک متوسل نے زمیندارہ حاصل کر لیا تھا جس کی سرکار کو مالگذاری دس بارہ ہزار سالانہ ادا کی جاتی تھی، حالی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "ان کی آرہ میں ایک خاصی سرکار تھی جس کی بدولت ان کے ملازم اور متوسلین (بصیغۂ جمع!) دس دس بارہ بارہ ہزار کے مالگزار بن گئے تھے"۔ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ کہ لوگ محض اپنی ذاتی کوشش یا اتفاق

سے ان اصحاب سے جن کے وہ متوسلین میں تھے، کہیں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تفصیلی حالات مطلقاً نامعلوم ہیں، نہ جانے بنسی دھر نے کس طرح زمینداره حاصل کیا۔

(28) قاطع برہاں پہلی بار 1276ھ میں چھپی— سال طبع 1278ھ

(29) قاطع [برہان] دوسری بار 1282ھ میں چھپی اور اس کا نام درفش کاویانی رکھا گیا— دوسری بار 1282ھ میں طبع ہوئی، نام قاطع برہاں ہی رہا، لیکن اس کا لقب درفش کاویانی قرار پایا۔

(30) تیغ تیز کے آخر میں غالب کی جانب سے چند سوالات ہیں جن کے جواب شیفتہ نے دیے ہیں، اور حالی، نیر و سعادت علی (مدرس گورنمنٹ اسکول دہلی، ایک غیر معروف شخص) نے ان کی تائید کی ہے۔ حالی اس کا مطلقاً ذکر نہیں کرتے۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ یہ سب ہندی ہیں، اور ان سے استناد معترضین غالب کو ساکت کرنے کے لیے کافی نہیں— ابوالکلام آزاد نے مخالفین غالب کو ہندی فرہنگ نگاروں کی سند دینے پر قابلِ الزام ٹھہرایا ہے،47 انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ نہ صرف تیغ تیز اور جگہ بھی خود غالب کی کیا روش رہی ہے۔

(31) حالی نے سولات عبدالکریم، قادر نامہ، باغ دودر، رسالہ متعلق بانک کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔

(32) اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ غالب کے تصانیف ان کے دورانِ حیات میں کتنی بار اور کب کب چھپے اور ان کی تحریر کا زمانہ کیا ہے، تو قاطع [برہان] کے متعلق جو کچھ ہے، اس کے علاوہ نہیں معلوم ہو سکتا۔

(33) حالی یادگار [غالب] میں تصانیف غالب کے زمانۂ تحریر و انطباع کی بحث کے لیے جو جگہ نکال سکے، وہ آپ نے دیکھی، انھوں نے ایک شعر ''دولت بغلط نبود از سعی پشیماں شو الخ'' کی شرح کے سلسلے میں اسے سر سید احمد خاں پر منطبق کرنے کے لیے نصف صفحہ سے زیادہ لیا ہے۔

(34) غالب کی تقریظوں میں کتاب کی نسبت چند ہی جملے ہوتے تھے جو اصلیت سے خالی نہ ہوتے۔ حقیقت سے تجاوز کے لیے ایک جملہ بھی کافی ہے، غالب نے ایک درجۂ سوم کے شاعر کی تعریف یوں کی ہے ''کلام الملوک ملوک الکلام'' یہ دیباچۂ دیوان میں ہے، یہ بھی صحیح نہیں کہ چند ہی جملے ہوتے تھے، گلشن بے خار کی تعریف دیکھیے— سوال تقریظ و دیباچہ کا نہیں، دیکھنا یہ ہے کہ غالب جو تعریف کرتے ہیں، تو ممدوح اس کا مستحق بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ ہندوستان کے بعض بالکل ناقابلِ اعتنا فارسی گویوں میں سے ایک کے متعلق انھوں نے لکھا ہے کہ اس نے

''امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو سرحدِ کمال کو پہنچا دیا ہے'' اور تین کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ''صائب و کلیم و قدسی کے انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں'' لطف یہ کہ آخر میں اضافہ کیا ہے ''اگر تکلف و تملق سے کہتا ہوں تو ایمان نصیب نہ ہو'' حقیقت یہ ہے کہ حالی جو چاہیں کہیں اور سمجھیں غالب کا قلم مصالح کا تابع ہے۔

(35) حقیر کے متعلق غالب کا قول ہے کہ تعجب نہیں اگر خدا نے فہم سخن و ذوقِ معنی کے 2 حصے کے ہوں، ایک حقیر کو دیا ہو، اور آدھا ''تمام دنیا کے حصے میں آیا ہو''— حقیر سے جو سخن فہمی و ذوقِ معنی بچا، اسی نصف میں غالب، شیفتہ اور حالی اور بے شمار دوسرے اصحاب کا حصہ ہے، جو خواہ غالب کے معمار ہوں، یا ان کے قبل کے ہوں، یا ان کے بعد آئے اور آتے رہیں گے۔ غیر ذمہ دارانہ اظہار رائے کی حد ہوگئی۔ لطف یہ کہ اس کا مطلق ثبوت موجود نہیں کہ وہ متوسط درجے کے بھی سخن فہم تھے، بلکہ ان کے نام کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالب سے ایسے اشعار کے معنی دریافت کرتے ہیں، جن میں کچھ اشکال نہیں۔

(36) ممنون جس زمانے میں ''شاہ صاحب (کون شاہ صاحب؟) کے پرانے مدرسے' میں مشاعرہ کرتے تھے، ایک مشاعرے میں غالب نے گریستن، ردیف والا قصیدہ پڑھا، سنا ہے کہ مجلسِ مشاعرہ بزمِ عزا بن گئی، جب تک قصیدہ پڑھا گیا، لوگ برابر روتے رہے۔ اسی حالت میں بارش شروع ہوئی، آزردہ نے کہا کہ ''آسمان ہم گریست''— غالب کے ایک خط میں ہے کہ اس مشاعرے کی طرح نیر نے دی تھی، اور قوی قرائن ہیں کہ مشاعرہ انھیں کا تھا، کہاں منعقد ہوا، اس کا حال نامعلوم ہے۔ ان کے ایک اور خط میں ہے کہ مشاعرے میں ممنون وصہبائی نہ تھے، غالب نے قصیدہ پڑھا، اشارۃً بھی اس کا ذکر نہیں کہ لوگ روئے تھے، اور قصیدہ ایسا ہے بھی نہیں کہ اسے سن کر رونا آئے، لوگ آنکھوں میں پیاز کا عرق لگالیں تو اور بات ہے— غالب کے خط میں یہ بھی نہیں کہ مشاعرے کے وقت بارش ہوئی تھی— مگر اسی خط میں یہ ہے کہ غالب کے یہاں ایک شخص اس زمین میں شیفتہ کی غزل لایا تھا، اور وہ یہیں تھا کہ بارش شروع ہوگئی۔ یہ اصل ہے اور باقی داستان۔

(37) اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے الخ غالب نے جہاں عمدہ شعر کی مثالیں دی ہیں وہاں ذوقؔ کا یہ شعر ضرور لکھا ہے— غالب نے صرف ایک جگہ یہ شعر نقل کیا ہے، تعریف کی

ہے، مگر اس کے ساتھ کوئی اور شعر نہیں۔

(38) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مومن کا یہ شعر سنا تو غالب نے کہا کہ کاش میرا سارا دیوان لے لیتے اور صرف یہ شعر دے دیتے۔ اسے انھوں نے متعدد خطوط میں نقل کیا ہے۔ — پہلی بات بے سند اور حد درجہ خلافِ قیاس ہے) شعر اتنا بلند مرتبہ بھی نہیں کہ غالب اس کی تحسین کی وہ صورت اختیار کرتے جو حالی نے لکھی ہے۔ غالب کے صرف ایک خط میں یہ شعر آیا ہے۔

(39) غالب نے ناطق مکرانی کو مثنوی درد و داغ بھیجی تھی— ناطق کے کلیات میں غالب کے نام کا خط جس میں اس مثنوی کے ایک شعر کے متعلق سوال ہے، موجود ہے، اس سے یا غالب کے جواب سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ غالب نے مثنوی ناطق کو بھیجی تھی۔

(40) قاطع کے رد میں جو رسائل ہیں ان میں فرہنگِ جہانگیری یا فرہنگ رشیدی یا سراج اللغات (صحیح سراج اللغہ) یا فرہنگِ ہفت قلزم یا موید الفضلا یا کسی اور فرہنگ کی سند سے اسی طرح درج ہے جس طرح برہان قاطع میں ہے ''اس سے بادی النظر میں صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا کا اعتراض غلط ہے، مگر جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ... اکثر فرہنگیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں اور جو فرہنگ سب سے پہلے لکھی گئی تھی، پچھلوں نے زیادہ تر اسی کا تتبع کیا ہے تو کسی مجیب کے جواب کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی'' —— استاد کی طرح شاگرد بھی فرہنگ نگاری کی تاریخ اور فرہنگ نگاروں کے طریقِ کار سے بہت محدود واقفیت رکھتے تھے— مقتضائے مقام تھا کہ غالب کے اس دعوے سے بحث ہوتی کہ فرہنگیں صرف ہندیوں نے لکھی ہیں، اگر یہ غلط نہیں تو 'اکثر' کی جگہ 'کل' لکھنا تھا، ان کے نزدیک صحیح نہیں، تو صراحۃً اس کا ذکر کرنا تھا۔ پہلی فرہنگ جو ہند میں تالیف ہوئی وہ ایک غیر ہندی فخرِ قواس کے قلم سے تھی، فرہنگِ جہانگیری کے مولف کا باپ ایران سے آیا تھا، اور مقدم الذکر کو بکثرت ایرانیوں سے ملنے جلنے کا موقع ملا تھا، فرہنگ رشیدی نے فرہنگِ جہانگیری پر بکثرت اعتراض کیے ہیں، سراج اللغۃ میں بھی دوسری فرہنگوں علی الخصوص برہان قاطع کی بہت سی غلطیوں کی نشاندہی ہوئی ہے۔ مختلف فرہنگ نگاروں کے مآخذ مختلف ہیں۔ اس سے قطع نظر، موید برہان میں فرہنگِ سروری سے بھی کام لیا گیا ہے اور یہ ایک ایرانی نے ایران میں لکھی تھی۔ ان امور سے قطع نظر، سند کے اشعار مستند اساتذہ کے دیے

گئے ہیں، تو اصلی بحث انھیں سے ہے، اور یہ دکھائے بغیر کہ ان اشعار کا متن غلط ہے، یا ان شعرا کے نہیں جن سے منسوب ہیں، یا مفیدِ مدعاء نہیں، یہ لکھ دینا کہ ''کسی مجیب کے جواب کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی، حد درجہ فضول بات ہے۔

(41) ابرِ گہربار آخری تصنیف تھی، ''اخیر عمر میں طرح طرح کے عوائق اور موانع پیش آئے... صرف دیباچے کے چند عنوان لکھنے پائے تھے کہ مکروہات روزگار نے گھیر لیا'' —— نہ یہ آخری کتاب ہے، نہ بالکل آخری زمانے میں لکھی گئی۔

بہت سی باتیں ناگفتہ اور بہت سی مجمل رہ گئیں؛ حوالہ بہت جگہ نہیں، اور جہاں ہے، اطمینان بخش طور پر نہیں، ناظرین اگر حوالہ طلب کریں گے تو حاضر کیا جائے گا۔ بہت سے امور کی تفصیل اور بہت سی مثالیں جو اس مقالے میں نہیں 'غالب بحیثیتِ محقق' میں ملیں گی۔

○

(بین الاقوامی غالب سمینار: ڈاکٹر یوسف حسین خاں 1969)

حواشی مرتب

1 بودلیر کی ملا جس کا انگریزی ترجمہ "Voyage to Cythera" کے نام سے ہوا ہے، میں یہ جملہ ملتا ہے:

"O God, give me the strength to Contemplate
My own heart, my own body without hate!"

2 مرزا صاحب کے یہاں ایک بلی پلی ہوئی تھی، اس سے آپ کو بہت محبت تھی بلکہ فارسی کے دیوان میں ایک قطعہ بھی لکھا ہے۔ ایک دن گربۂ موت نے اس بلی کی ٹیٹوا آدابا جاڑے کا موسم تھا رات کے گیارہ بجے تھے... آپ نے چراغ گل کر دیا پلنگ پر مردہ بلی کو لے کر لیٹ گئے اور خدمت گار کو آواز دی... بھرائی ہوئی آواز سے کہنے لگے ''او کمبخت کچھ تجھے میری خبر ہے؟'' ... کوئی دم کا مہمان ہوں... فلاں صاحب کو بلا لا کہہ دیجیو کہ اگر مرزا غالب کو دیکھنا ہے تو میرے ساتھ چلے چلو... نوکر ڈر گیا... کانپتا ان صاحب کے مکان پر پہنچا، کنڈی کھٹکھٹائی... ماما نے... پوچھا کون ہے نوکر نے کہا میاں کو ذرا بھیج دو... وہ غریب بدحواس... نوکر کے ساتھ ہوئے اور پریشان مرزا صاحب کے مکان پر پہنچے پلنگ کے قریب جا کر آواز دی... جواب ملا ''کیا ہے؟'' وہ صاحب پھر کہنے لگے آخر بتاؤ تو کیا ہوا؟ آواز آئی روشنی قریب لاؤ لحاف اٹھا کر دیکھ لو... لحاف اٹھایا تو دیکھا آپ چت پڑے

ہیں، بلی مری ہوئی پڑی ہے وہ صاحب نہ سمجھے پھر پوچھا کیا حال ہے؟ کہا دیکھو نہ بلی مرگئی۔
(مضمون: مرزا اسداللہ خاں غالب، از احمد شفیع فرید آبادی، ماہنامہ 'مرقع عالم' (ہردونی) جنوری 1896)

3 مرزا غالب مرحوم جب کلکتہ تشریف لے جانے لگے تو لکھنؤ میں بھی کچھ دن قیام کیا، کسی صحبت میں اپنی فارسی مثنوی پڑھ رہے تھے کسی گوشے میں ملا گل محمد مکرانی بھی تشریف رکھتے تھے،... مرزا نے ایک شعر کہا تھا جس کا پہلا مصرع یہ ہے: ''خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد''... ملا نے فوراً ٹوکا کہ ''وائے وائے این چہ فارسی است خوک پنجہ ندارد، بگو خرس شد پنجہ زدن ساز کرد''... مرزا صاحب خاموش رہے۔ (حیاتِ فریاد، ص 90)

4 یہ خیالات یادگار غالب سے ماخوذ ہیں۔

5 مکتوب نمبر 5 بنام میاں دادخاں سیاح اردوے معلّٰی حصہ اوّل

6 مکتوب نمبر 3 بنام ذکا اردوے معلّٰی حصہ دوم

7 امیر علی شیر نوائی (844-906ھ) ایران میں تیموری عہد کے اہم سیاست دانوں اور شعرا میں شمار ہوتے ہیں، ترکی اشعار میں نوائی اور فارسی میں فانی تخلص کرتے تھے۔

8 مکتوب نمبر 4 بنام ذکا اردوے معلّٰی حصہ دوم

9 انھوں نے [ذکا] یہ لکھا کہ مولوی غلام امام شہید اکبرآبادی کی غزل پر یہ غزل لکھ کر بھیجتا ہوں میں نے حسبِ معمول غزل کو اصلاح دے کر بھیجا اور یہ لکھا کہ مولانا شہید اکبرآباد کے نہیں لکھنؤ اور الہ آباد کے ہیں اس کلمے سے زیادہ میں نے کوئی بات نہیں لکھی۔ (مکتوب نمبر 118 بنام بیخبر، عود ہندی)

10 مکتوب نمبر 1 بنام حبیب اللہ خاں ذکا، اردوے معلّٰی حصہ اوّل

11 رزم بر بزم اختیار مکن ہست ما را بخود ہزاران ہوس

12 در قدح کن ز خلق بط خونی ہچو رومی تدرو چشم خروس

13 نسخۂ خدابخش میں 'ہوس' کے بجائے 'افسوس' ہے۔

14 قافلہ شد واپسی ما بہیں اے کسِ ما بے کسی ما بہیں
یہ شعر مخزن اسرار کی مناجات میں واقع ہوا ہے مگر مرزا نے سہوے اس کو جامی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (یادگارِ غالب، ص 54، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی 2011

15 کلیاتِ مکتوبات فارسی غالب، مرتب پرتو روہیلہ، ص 607، غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی 2010

16 غیاث الدین بن جمال الدین در فصل عروض از 'فرہنگ نفیس' جو غیاث اللغات کہ در بمبئی بطبع رسیدہ است آن را از جملہ مآخذ خود می شمرد۔ المعجم فی معائیر اشعار العجم، بتصیح محمد بن عبدالوهاب قزوینی، مطبع مجلس، تہران، 1935

17 تیغ تیز، فصل دہم، مشمولہ مجموعۂ نثر غالب، مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، ص 196، مجلس ترقی ادب لاہور

18 بندہ پرور اس تذکرے میں اگر کچھ محاسن ہوں تو ان کو آپ سے ہنر میں جانیں اور جو اس میں بہ

مجبوری قبائح ہیں قرار واقعی ان کو میرا دل جانتا ہے، مگر کیا کروں مامور تھا معذور تھا، دیباچے میں اس کا اشارہ بھی کیا ہے۔ آپ غور سے پڑھیے گا تو سمجھ جائیے گا کہ مولف مجبور تھا۔ مکاتیب امیر مینائی، مکتوب نمبر 139، بنام ثاقب

19 چوں ملازمت قرار یافت خواستم دستہایۂ عقیدے سرانجام دادن ورہ آوردِ عالم عبودیتے عرضہ داشتن۔ طبع از فکر قصیدہ شنگی کردو سینہ براین آرزو تنگی۔ آہنگ چہارم ''پنج آہنگ''

20 مکتوب نمبر 68 بنام تفتہ اردوے معلیٰ

21 ''1830 میں کلکتہ گیا'' 'اردوے معلیٰ' مکتوب نمبر 41 بنام حبیب اللہ ذکا

22 امتیاز علی عرشی کی غالب شناسی، مرتبہ ثاقب عمران، ص 316، رام پور رضا لائبریری 2018

23 رسالہ 'آج کل' دہلی کے غالب نمبر فروری 1969 میں منظور الحسن برکاتی کے مضمون 'رسالۂ سوالات عبدالکریم کا مصنف' کی طرف اشارہ ہے۔

24 مکتوب نمبر 1 بنام حبیب اللہ خاں ذکا، اردوئے معلیٰ حصہ اوّل

25 مکتوب بنام سراج الدین احمد کلیات مکتوبات غالب فارسی، ص 502، مرتب برتو روہیلہ، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی 2010

26 لطائف غیبی لطیفہ نمبر 5

27 مکتوب بنام حاتم علی مہر، اردوئے معلیٰ حصہ اوّل

28 غالب نے ایک فارسی قصیدے میں اپنا زائچہ بیان کیا ہے۔ اس قصیدے کا مطلع
مگر مرا دل کافر بود شب میلاد   کہ ظلمتش دہد از گور اہل عصیاں یاد
ہے اور کلیات فارسی کے نول کشوری نسخے (1863) میں شامل ہے۔

29 ''غالب کی صحیح تاریخ ولادت'' مشمولہ 'عیار غالب' مرتبہ مالک رام 1969

30 'تاریخ ولادت' مشمولہ 'فسانۂ غالب' مالک رام

31 امتیاز علی عرشی کی یہ مختصر تحریر بعنوان 'مرزا غالب کی تاریخ پیدائش پہلی مرتبہ 'ہماری زبان' 8 جولائی 1969 میں چھپی، بعدہٗ 'امتیاز علی عرشی کی غالب شناسی' مرتبہ ثاقب عمران 2018 میں شامل ہے۔

32 طالع یار خان... بپارسی ترجمہ کردن ہندی عبارتے را کہ برگزارش آئین پیچاپے بانگ مشتمل بود از من خواست... توسن خامہ راو ران گزرگاہ تنگ بجولان آوردم وسفینہ کہ دیباچہ وخاتمہ نیز دارد ترتیب دادہ بہ کارفرما سپردم و عرضداشتے بران افزودم... مکتوب نمبر 2 بنام تفضّل حسین خان، باغ دودر

33 ...چند اجزا ایک ناتمام قصے کے بھی ہیں جو مرزا نے مرنے سے چند روز پہلے لکھنا شروع کیا تھا۔ یادگار غالب ص 157 اتر پردیش اردو اکادمی 2015

34 جلوۂ خضر، ج 1، ص 229، صفیر بلگرامی اکیڈمی کراچی 2009

35 سخن کے ایک عزیز غالباً داماد مولوی خلیل احمد... کے پاس غالب کے متعدد خطوط بھی تھے جو انھوں

نے مجھے دکھلائے تھے، مگر افسوس میں نے ان کی نقل حاصل نہیں کی، ایک خط میں ایک غیر مطبوعہ رباعی بھی تھی اور تمام خطوط سخن کے نام تھے۔ نقش آزاد ص 51 مرتبہ غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور

36 جلیل قدوائی کا مضمون 'الحاقی کلام غالب کی داستان' ان کے مجموعۂ مضامین 'شعرا و شعریات' میں شامل ہے۔ قدوائی کا بیان ہے کہ لکھنؤ میں وصل بلگرامی کے مکان پر عبدالباری آسی سے 'غالب کا غیر مطبوعہ کلام' سنانے کی فرمائش ہوتی اور وہ غالب کے رنگ میں اپنا کہا ہوا کلام سناتے۔ آسی کے ایک قریبی دوست ڈاکٹر عظمت الٰہی تھے۔ یہ ہومیوپیتھ کے ڈاکٹر تھے۔ آسی کو ڈاکٹر سے کوئی خاندانی بیاض ملی تھی جس میں غالب کا غیر مطبوعہ کلام بھی تھا۔ آسی نے غالب کی شرح لکھی تو بیاض کے ساتھ اپنا کلام بھی غیر مطبوعہ کی فہرست میں شامل کر دیا۔

37 یہ اشتہار مآثر غالب مرتبہ قاضی عبدالودود میں شامل ہے۔

38 مآثر غالب، ص 28، ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ 1995

39 غالب کے خسر الٰہی بخش خاں معروف نے ان کی دو غزلوں کو جن میں سے ایک کی ردیف ''ہوتے تک'' اور دوسری کی ''کروں یا نہ کروں'' ہے مخمس کیا ہے۔ ردیف ''کہوں یا نہ کہوں'' میں مخمس نہیں اور یہ غزل ''مآثر غالب'' ص 8 پر درج ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں 'مآثر غالب' ص 43، 1995ء

40 'غالب کے فارسی خطوط: ایک نئی تحقیق'، ماہ نو کراچی فروری 1969، 'امتیاز علی عرشی کی غالب شناسی' مرتبہ ثاقب عمران، رام پور رضا لائبریری 2018

41 بنام محمد علی خاں

42 بنام محمد علی خاں

43 'غالب کی نئی تحریریں' غالباً سہو قلم ہے 'غالب کی نادر تحریریں' مرتبہ خلیق انجم، مکتبہ شاہراہ، دہلی 1961، میں یہ خط شامل ہے اور مرتب نے احتمالاً کہا ہے کہ یہ عبدالحق، فضل حق خیر آبادی کے فرزند ہیں۔ ص 147

44 باغ دودر مرتبہ وزیر الحسن عابدی میں تحقیق و تشریح طلب امور 'تحقیق نامہ' کے زیر عنوان شامل ہیں۔

45 'دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب' کی طرف اشارہ ہے۔

46 لفظ کے اعراب یا نقطے تبدیل کر کے دوسرا لفظ بنا لینا

47 نقش آزاد، کتاب منزل لاہور، ص 331

غالب کی عظمت

میں دو چار باتیں بالکل منتشر طور سے عرض کردوں۔

مجھے اس سے بالکل اتفاق ہے کہ کسی فنکار کی عظمت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کے اخلاق بلند ہوں ۔ شاعری جو ہے وہ ایک فنِ لطیف ہے۔ جس طرح سے کہ ایک مصور ہے، جس طرح سے کہ ایک بت تراش ہے، جس طرح سے کہ ایک گانے والا ہے، اسی طریقے سے ایک شاعر ہے۔ اگر ہم ایک گانے والے سے، اور ایک بت بنانے والے سے، اور ایک تصویر بنانے والے سے یہ توقع نہیں رکھتے ہیں کہ اس کے اخلاق بہت بلند ہوں تو شعر کہنے والوں سے ہم اس کی توقع کیوں رکھیں۔ کم ازکم یہ میرا خیال ہے۔

اچھا۔ اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں— شعرا کے حالاتِ زندگی سے، خواہ اس ملک کے ہوں یا دوسرے ممالک کے، تھوڑی بہت واقفیت میری ہے— تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کی واقفیت بہت ہی محدود ہے۔ شیکسپیئر کا آپ نے ذکر فرمایا تھا۔ اس کے متعلق عام طور سے مشہور ہے کہ ہرن چرایا تھا اس نے۔

اچھا آپ کسی شاعر کو لیجیے؛ جس کو آپ اپنا معیارِ اخلاق سمجھتے ہیں، اس معیار پر تو میرا خیال ہے شاید ہزار شاعر میں ایک شاعر نہیں اترے گا۔ یعنی ملاّ یا نہ، یا پنڈتا نہ معیارِ اخلاق جو ہے اس پر ایک شاعر ہزار میں بھی نہیں اترے گا۔ ہاں وہ کچھ تھوڑے سے نعت نویس یا بھجن لکھنے والے! تو ایک معاملہ تو یہ ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ کہا گیا کہ تضاد سے کسی شاعر کی یا فنکار کی خوبی میں اضافہ ہوتا ہے، تو تضاد یا تناقض جو ہے وہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک تو یہ کہ شخصیت کے ارتقا کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یعنی ظاہر میں وہ تضاد نظر آتا ہے۔ میرا وہ خیال اب نہیں ہے جو پندرہ برس کی عمر میں تھا،

اور اگر واقعی وہی ایک خیال ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا ذہن اسی قسم کا ہے جیسے کہ بچوں کا ذہن ہوا کرتا تھا۔ اگر آپ یہ کہیں کہ پندرہ برس کی عمر میں تم نے یہ رائے ظاہر کی تھی؛ اور آج جب تم سترہ برس کے ہو یا اس سے بھی کچھ زیادہ ہو، دوسری رائے ظاہر کر رہے ہو، اور، جو متضاد ہے؛ تو یہ تضاد نہیں ہے، یہ شخصیت کا ارتقا ہے لیکن یہ کہ پختگی آنے کے بعد اگر متضاد اور متناقص خیال ظاہر کیا جائے تو یہ بڑی خامی کی دلیل ہے۔ خواہ وہ شاعر ہو یا فلسفی ہو یا سیاست پیشہ ہو۔ ورنہ پھر ان لوگوں کو جو صبح کو کانگریس میں ہیں؛ اور دوپہر کو کرانتی دل میں، اور پھر شام کے وقت جو ہیں وہ کمیونسٹ ہیں، اور پھر دوسرے دن جو ہے وہ پھر کانگریس میں واپس آئے۔ ان سب لوگوں کے متعلق ہم کچھ بھی، مطلقاً شکایت نہیں کر سکتے اور کم از کم میں ایسے لوگوں کو نہایت ذلیل انسان سمجھتا ہوں۔ اچھا تو یہ تناقض اور تضاد کا معاملہ ہوا۔

جہاں تک غالب کی شخصیت کا تعلق ہے کوئی اہم معاملہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے متعلق متفاوت رائیں انھوں نے نہیں ظاہر کی ہوں۔ صرف ایک مثال دوں گا اس وقت۔

ایک نہیں بیس جگہ انھوں نے اپنے کو اثنا عشری لکھا ہے۔ اچھا پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

کیا ہے وہ شعر—

[مالک رام: شیع[illegible]النہری]

شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری

ان کا ایک خط غمگین کے نام موجود ہے جس میں انھوں نے تشیع اور تسنن میں Reconcile کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ بات پیش کی ہے انھوں نے کہ امامت مختلف چیز ہے اور خلافت مختلف چیز ہے۔ خلفائے ثلاثہ کو خلافت تو نصیب ہوئی، لیکن یہ کہ وہ امام نہ تھے لیکن بیک وقت ایک دوسرا شخص امام رہ سکتا تھا۔ اس لیے امامت ان سے غصب ہوئی نہیں، اور خلیفہ، حضرت علی، ان تینوں کے بعد منتخب ہوئے۔ اس لیے غصب کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے، تو یہ ایک قسم کی کوشش کی نا، انھوں نے، ان دونوں میں؟!

اچھا۔ یہی بزرگوار، ایک انھوں نے مثنوی کہی بہادر شاہ کی طرف سے۔ اِس مثنوی میں انھوں نے رِفض کو سودائے خام وغیرہ کہا۔ پھر ایک اور جگہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ مذہب تشیع میں تو سب صحابہ جو ہے یہ مستحسن بلکہ واجب ہے اور خود اپنے کو وہ شیعی کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں

کہ (اچھا) سمجھتے ہیں۔

اچھا۔ آگے چلیے۔ ایک قطعہ ہے ان کا موجود جس میں، معلوم نہیں اس کا ممدوح کون ہے، لیکن قرینہ یہ ہے کہ کوئی شیعی امیر اس کا مخاطب ہے۔ اس میں چار عیدوں کی مبارک باد دی ہے جس میں سے ایک عید بابا شجاع کی عید بھی ہے۔[1] آپ لوگوں میں سب کو معلوم نہیں ہوگا کہ عید بابا شجاع کس کو کہتے ہیں۔ تو بابا شجاع سے مراد جو ہے وہ ابولولو ہے، وہ خلیفہ ثانی کا قاتل! تو کچھ اثنا عشری حضرات ایسے ہیں جو اس عید کو عید کے طور سے Celeberate کرتے ہیں۔

میں، آپ لوگوں میں سے جو مجھ سے واقف ہیں، غلط فہمی نہ کریں۔ میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی، بلکہ میں، میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس لیے یہ نہ سمجھیے کہ میں تعصب پھیلانا چاہتا ہوں۔ لیکن معلومات کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں اور جب یہ خود دیکھتا ہوں تو یہ بھی چاہتا ہوں تو دوسرے لوگ بھی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

تو اگر آپ پسند کرتے ہیں اس قسم کے تضاد و تناقض کو، تو کم سے کم میں تو اس سے دو چار سو کوس دور رہنا چاہتا ہوں۔ تو یہ معاملہ تو تناقض و تضاد کا ہو گیا۔

شاعرانہ عظمت کا جو معیار ہمارے ڈاکٹر صاحب (عابد حسین نے) بیان کیا ہے، بڑی حد تک صحیح ہے۔ مجھے اس سے اتفاق ہے اور اس پر کچھ اضافہ—

ایک بات یہ بھی ہے کہ ابھی غالبؔ کو بہت زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ یعنی سو برس ہوئے ہیں اور غالب کے کلام کا دوسری زبانوں میں ترجمہ نہیں ہوا ہے اور مغرب کے کچھ لوگوں نے اگر اس سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار کیا ہے تو وہ نقاد نہیں ہیں بلکہ اردو زبان سے دلچسپی رکھنے والے ہیں یعنی مستشرقین اور استشراق اور نقادی یہ دونوں ایک چیز نہیں ہیں، یعنی بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ مختلف یورپین زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو، اعلیٰ درجے کے نقاد اسے تسلیم کریں کہ: اعلیٰ درجے کا شاعر ہے غالب، اور پھر مدت دراز تک اس کی تصدیق ہوتی رہے، جب جا کر یہ پتہ چلے گا کہ غالب واقعی بڑا شاعر ہے یا نہیں ہے۔

اچھا۔ آگے چلیے۔ اب مثلاً یہ کہ ہومر سے لیجیے۔ یہ ممکن ہے کہ ہم میں سے ہزاروں نے اس کو نہ پڑھا ہو، لیکن کون آدمی ایسا ہے پڑھا لکھا، جو ہومر سے واقف نہیں ہے۔ کون سی متمدن و مہذب زبان ہے جس میں اس کا ترجمہ موجود نہیں ہے۔ جس وقت سے کہ اس کا ترجمہ مختلف

یورپین زبانوں میں ہوا، اس پر عام طور پر اتفاق ہے کہ وہ دنیا کے بڑے شعرا میں تھا۔ علیٰ ہذا یونانی ڈرامٹسٹ ہیں۔ حالانکہ بڑا بُعد ہے۔ معاشرت کا فرق ہے، زمانے کا فرق ہے، لیکن یہ آج بھی زمانہ، اُس زمانے کے جو یونانی ڈرامہ نسٹ ہیں، ان کی عظمت کا قائل ہے بلکہ آج تک انگلستان میں نئے ترجمے ہوتے ہیں اور پھر اسٹیج بھی۔

تو یہ ہے عظمت! مگر ان کو، کسی کو ڈھائی ہزار برس کا زمانہ گزر چکا ہے، کسی کو دو ہزار کا زمانہ گزر چکا ہے۔

زمانۂ حال کے مطابق بھی لیجیے کہ یورپ کے مصنفین، ان کی کتابوں کا ترجمہ مختلف یورپی زبانوں میں ہو جاتا ہے۔ ٹالسٹائے ہے، ڈاسٹوسکی ہے، چیخوف ہے، یا جرمن شعرا میں گوئٹے ہے، ہائنے ہے، اس قسم کے جرمن شعرا ہیں؛ فرانسیسی شعرا ہیں، تقریباً تمام یورپی زبانوں میں ان کا ترجمہ موجود ہے؛ اور نقاد بالاتفاق ان کی عظمت کے قائل ہیں— یا کچھ کچھ لوگ ہیں؛ اب یہ ظاہر ہے کہ یکساں تو ہو نہیں سکتا ہے خیال۔!

تو غالب کے ساتھ یہ معاملہ گزرا کم ہے۔ اب رہا ہندوستانی نقاد؛ تو میں ان کی نقادی کا بالعموم قائل نہیں ہوں۔ بہت قلیل مطالعہ (ہوتا ہے) ان کا! بہت تھوڑے سے لوگ ہیں جن کی وسعتِ مطالعہ کا، اور جن کی دقتِ نظر کا، میں قائل ہوں لیکن بہت بڑی تعداد نقادین کی ایسی ہے جن کو میں نقاد سرے سے سمجھتا ہی نہیں۔ تو پھر، میں اپنی رائے ظاہر کر رہا ہوں، جب میں سمجھتا ہی نہیں تو پھر ان کی رائے کا وزن ہی کیا ہو سکتا ہے۔

تو ابھی تک اس بات کا پتہ نہیں چلا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ میں خود بھی غالب کے کلام کو ایک مدت دراز سے پڑھتا آ رہا ہوں۔ ایک زمانہ میں مجھے غالب کا پورا دیوان، اپنے الفاظ کو مجھے واپس لینا چاہیے، پورا دیوان نہیں لیکن یہ کہ غزلیں، شاید ہی کوئی ایسا شعر ہو جو مجھے یاد نہ ہوا اور یہ کثرت مزاولت کی وجہ سے، یہ نہیں کہ میرا حافظہ بہت قوی ہے، کہ ایک مرتبہ پڑھا اور یاد رہ گئی بات۔ یہ بات نہیں تھی؛ بلکہ اتنی مرتبہ میں نے دیوانِ غالب پڑھا تھا کہ تقریباً شاید ہی کوئی شعر ہو جو مجھے یاد نہیں ہو، یعنی جہاں تک غزلوں کا تعلق ہے اب حالانکہ، زمانہ گزرنے کے ساتھ اور بھی دیکھتا رہتا ہوں مگر اتنا حافظہ قوی نہیں رہا، عمر کی وجہ سے۔ بہر صورت تو مطلب یہ ہے کہ میں آخر کوئی اسکالر کی حیثیت سے نہیں پڑھتا تھا۔ میں جو اس زمانے میں غالب کے

کلام کا اس قدر کثرت کے ساتھ مطالعہ کیا کرتا تھا، تو ایک اسکالر کے نقطۂ نظر سے نہیں۔ نہ میری یہ غرض تھی کہ اس کی خوبیاں لوگوں کو ظاہر کروں یا برائیاں۔ یہ نہیں۔ بلکہ، یہ کوئی چیز تھی اس کی جو مجھے اپیل کرتی تھی۔ اور دوسرے شعرا میں وہ بات نہیں تھی: اردو کے دوسرے شعرا میں نہیں تھی اور اگر تھی تو کمتر درجے میں تھی۔ یا یہ کہیے کہ اس زمانے تک ان لوگوں کے کلام تک میری رسائی نہیں ہوئی تھی۔ یہی سبب Possibilities ہیں۔ بہرصورت اگر میں نہ سمجھتا خود، غالب کو، ایک بڑا شاعر، تو اپنا اتنا وقت اس پر صرف نہیں کرتا۔

اس کے بعد جب مجھے کچھ ریسرچ کا شوق ہوا، تو میں نے غالب کا ایک ایک لفظ پڑھا یعنی وہ چیزیں چھوڑ دیجیے جو کہیں چھپی نہیں ہیں اور کسی خاص شخص کے قبضہ میں ہیں، اور میری رسائی اب تک نہیں ہوئی ہے۔ اسے گر آپ چھوڑ دیجیے تو کوئی چیز ایسی نہیں ہے، غالب کی، جسے بار بار میں نے نہیں پڑھا اور بہت سے معاملات تھے جن سے متعلق اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔ ایک وہی شخصیت کا معاملہ تھا غالب کا، جس کے متعلق مجھے بہت کچھ اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔

کچھ تھوڑی سی بات فارسی کے متعلق بھی کہہ دوں۔

مسٹر فخر الدین علی احمد جب ایران گئے تھے تو شہنشاہ ایران سے کہا تھا؛ نہیں؛ مجھ سے پہلے ان سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا میں ایران جا رہا ہوں، میں وہاں کہوں گا لوگوں سے کہ دیوان غالب شائع کریں، دیوان فارسی! تو میں نے کہا، دیکھیے، ایران کے لوگ ان کی فارسی کے چنداں قدرداں نہیں ہیں، اس لیے نہ کہیے گا مگر یہ کہ، انھوں نے میرے مشورے کو نہ مانا۔ وہاں گئے، اور شہنشاہ ایران سے براہِ راست گفتگو کی، اور شہنشاہ ایران نے وعدہ کیا کہ وہ ان کا دیوان شائع کریں گے۔ رات مجھ سے گفتگو ہو رہی تھی، تفضّلی صاحب سے۔ رات سے قبل کہ رات میں نے پوچھا کیا ہوا، صاحب! وہ دیوان چھپ رہا ہے؟ فرمانے لگے: صاحب! دیوان چھپ کر کیا ہوگا؟ دیوان پڑھتا کون ہے؟ کس شاعر کا دیوان ایران میں پڑھا جاتا ہے سوائے دو چار شاعروں کے؟ اور، میں تو انتخاب کا قائل ہوں اور اگر زیادہ کلام شائع ہوا تو لوگوں کو اور بھی بداعتقادی ہو جائے گی۔

کیوں صاحب؟ صاحب، انگریزوں کی مدح سرائی کرتے تھے؛ سکھوں کو جو شکست ہوئی

تو اس پر مبارک باد کا ایک قصیدہ لکھا۔ یعنی یہ سب Charges ہیں غالب پر حالانکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس کا شاعری سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

خیر، صاحب! عرض یہ کہ انھوں نے کہا کہ اب ایران میں دوسری طرز ہے۔ میں نے کہا جناب! فارسی زبان تو آپ کی ہے؛ اس زبان میں جو تغیرات ہوتے رہتے ہیں، یا اس کے مختلف علاقوں Dialects بولے جاتے ہیں، ان معاملات کے اندر یقیناً آپ کی واقفیت جو ہے ہم لوگوں سے بہت زیادہ ہے؛ لیکن جہاں تک انکار کا تعلق ہے، نفسِ شاعری کا تعلق ہے، ہم لوگ بھی ویسے ہی رائے قائم کرسکتے ہیں جیسے آپ کسی ایرانی شاعر کے متعلق۔ اس میں آپ کی Superiority تسلیم کرنے کے لیے مطلقاً تیار نہیں ہوں۔ جیسے آپ بھی یہی کہہ سکتے ہیں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بھئی، ! ہم بھی کسی اردو شاعر کے متعلق، انیس کے متعلق یا غالب کے متعلق یا نظیر کے متعلق رائے قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں؛ میں کہوں گا یقیناً رکھتے ہیں آپ، بشرطیکہ آپ زبان سے واقف ہوں، اس زبان کے لٹریری Tradition سے آشنا ہوں تو ہم لوگ ایک ہزار برس سے فارسی شاعری سے تعلق رکھنے کے بعد بھی اگر اس کے Tradition سے واقف نہیں ہیں تو یہ تو بڑی زیادتی ہوگی ان کا یہ سمجھنا۔

اصل میں معاملہ کچھ یہ ہوا کہ ہمارے غالب کے پیش نظر جو کلام رہا، زیادہ تر، وہ صفوی عہد کے شعرا کا تھا، جس کا خاتمہ ہوا حزیں پر۔ یہ طرز شاعری جو ہے وہ بعد کو ایران میں مقبول نہیں رہا۔ وہ سادگی پسند آئی، اور اس کے بعد پھر آذر وغیرہ تھے۔ غالب کو، جو ایک چھوٹا موٹا Revolution جو ہوا تھا ایران میں، اس کی مطلقاً خبر نہ تھی۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ عہد قاچار، جو مجمع الفصحا کے عہد کی شاعری ہے، قاآنی جس کا سب سے مشہور Representative ہے، اب یہ لوگ واپس گئے منوچہری اور فرخی وغیرہ کی طرف۔ غالب نے حالانکہ تھوڑا بہت قاآنی کا کلام دیکھا تھا مگر ان کے فارسی کلام میں کہیں بھی اس کا نشان نہیں ملتا کہ وہ اس سے کسی حد تک بھی متاثر ہوئے تھے۔ تو یہ ایک بڑا مقدس—

اور پھر اس کے بعد مغربیت آگئی، ایران میں۔

تو غالب کا اسلوب شاعری جو تھا نا، تو ان چیزوں سے بہت مختلف تھا اور ایک متروک طرز تھا۔ تو وہ متروک طرز جو ہے، آج کل مقبول طرز کس طرح ہوسکتی ہے اور ہمارے یہاں اس قسم

کا انقلاب ہوا نہیں، جیسا ان کے یہاں ہوا تھا۔

یہ وجہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں پسند نہیں ہے جو ایسا کہتے ہیں انھوں نے صائب کے متعلق لکھا ہے، وہی مجمع الفصحا آذر نے لکھا ہے: ''طرز نکوئی ندارد۔'' حالانکہ صائب کا کلام اب پھر ایران میں مقبول ہونے لگا ہے۔ اس کا انتخاب کیا، پورا دیوان شائع ہوا ہے۔

ضیاء الحسن فاروقی: قاضی صاحب! ایک خیال کہیں دیکھا لکھا ہوا کہ تاریخ ادبیات فارسی جسے ہم کہتے ہیں، اس سے پورے طور سے غالب واقف نہیں تھے؛ مطالعہ نہیں کیا تھا انھوں نے؛ گہرا مطالعہ جسے کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہاں تک صحیح ہے، کسی کا Statement ہے۔]

قاضی صاحب: یہ میرا بھی Statement ہے، اور بالکل سو فیصدی صحیح Statement ہے جس کو میں پوری طرح ثابت کرنے کے لیے تیار ہوں جب آپ زحمت فرمائیں، میں آپ کو Satisfy کردوں گا۔

[مگر کیا قاضی صاحب، غالب کے بڑے شاعر ہونے میں اس سے کچھ کمی آجائے گی اگر انھوں نے فارسی زبان کا پورا احاطہ نہیں کیا]

قاضی صاحب: رات ہی میں نے ایک بروشیور کے لیے تھوڑی سی مختصر عبارت لکھی جس میں آخری جملہ یہ تھا:

> "That on occasions his theory is not in consonance with his praetieg and that he is not as great a Persian seholar as he claims ..... he this does not detriact much from his greatness an a library artist."

تو میرا بھی یہ خیال ہے شاعر کے لیے۔ Garmmarian ہونا کیا ضروری ہے۔ ظاہر ہے یہ کہ اتنی حد تک تو زبان جاننی ضروری ہے کہ وہ اسے استعمال کرسکے لیکن Grammer کی Intricacies سے اس کی واقفیت مطلقاً ضروری نہیں ہے۔ گویا Lexicologist نہیں ہے جو لفظوں کی تحقیق کیا کرے۔ ارے، شاعر تو بالطبع ذرا بہت ہی بے صبر قسم کا آدمی ہوتا ہے، اس سے یہ اتنی محنت کہاں ہوگی اور ہرگز اس کی شاعرانہ عظمت میں کمی نہیں آتی ہے اگر دو سو جگہ پر بھی غلطی کرے۔

جیسی شاعری وہ کرتے تھے اس کے لیے کافی ہے۔

[عابد حسین: اوران کی زندگی جن حالات میں گزری ہے، اسے بے چارے کو کہاں موقع ملتا کہ وہ—
قاضی صاحب: کہاں موقع ملتا؛ اور یہ ان کی غلطی تھی کہ انھوں نے قاطع برہان کی سی کتاب لکھی اور وہ خود کہتے ہیں کہ— جس وقت میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں میرے پاس دساتیر اور برہان قاطع کے سوا کوئی کتاب نہیں موجود۔ کسی ڈکشنری کی آپ Criticism کریں، اور Criticism بھی اس نوع کا کہ صاحب فلانا لفظ کسی نے استعمال ہی نہیں کیا یہ، دنیا میں کسی بھی جگہ نہیں پایا جاتا ہے سوائے برہان قاطع کے؛ تو یہ تو اپنے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ اپنے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ بڑی آسانی کے ساتھ ان کے مخالفین نے یہ بات ثابت کردی کہ پچاسوں جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

تو کسی بھی شاعر کے لیے مورخ ادب یا Grammarian ہونا ضروری نہیں ہے۔ کسی شخص نے ہومر کا نیا ترجمہ کیا۔ میتھو آرنلڈ صاحب نے اس پر کچھ اعتراضات کیے۔ وہ شخص جو تھا ان سے یونانی زبان کہیں زیادہ جانتا تھا تو اس نے اس پر پھر جو مضمون لکھا، آرنلڈ نے، تو وہ اس میں لکھتا ہے کہ اسکالرشپ میں تو میں ان کا بالکل مقابلہ نہیں کرسکتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ جتنی یونانی میں جانتا ہوں وہ بھی شاید Appreciation میں خلل انداز ہوتی ہو۔ میرا یہ View نہیں ہے، مگر ایک بڑا نقاد کا یہ View ہے۔

[گوپال متل: تو قاضی صاحب آپ نے عالمی ادب کی بات رکھی۔ اردو فارسی کی جو شاعری ہے، یا کم سے کم محدود حد میں اس میں آپ غالب کو کیا مقام دیتے ہیں۔]

قاضی صاحب: اردو میں ایک عظیم شاعر ہے۔ عظیم شاعر ہے بلا شبہ! (رہی فارسی) میرا خیال یہ ہے کہ مختلف درجے میں نا فارسی شاعری کے۔ فارسی شاعری کی عمر ہے ہزار سال سے زیادہ اب اگر آپ ان کا مقابلہ کیجیے گا فردوسی سے؛ غلط بات ہوگی۔ کیونکہ یہ بالکل مختلف طرزِ شاعری ہے!

[ایک آواز: Epic]

قاضی صاحب: جی ہاں، اور غالب جو ہیں انھیں Lyrical ہی کہیں گے آپ اردو کے شاعر کو؛ اور کیا کہیں گے!

—ہاں، ایک بات یہ بھی کہی گئی تھی، کہ غالب کے یہاں فارسی کے اشعار کا ترجمہ ہے۔ تو ترجمہ بھی، اگر وہ شاعر اس بات کا دعویٰ کرے کہ مضمون میرا ہی پیدا کردہ ہے: اور یجنلٹی کا؟ تو یہ تو ظاہر ہے یہ کہ صحیح نہیں ہے دعویٰ، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی نظر سے یہ شعر گزرا ہے

لیکن یہ، ایک زبان سے دوسری زبان میں اس طرح کسی مضمون کو منتقل کر لینا کہ اس میں ایک اعلیٰ درجے کی شعریت پیدا کی جائے، یہ ایک بہت بڑی بات ہے اور یہ بجائے خود فن ہے۔ چنانچہ یہاں تک لوگوں نے کہا ہے، ایمرسن کا قول ہے کہ:

"Next to the writer of a good sentence is the first quotue of it."

آندرے بریتیاں جو سوریلسٹس کا لیڈر رہا ہے اور ہربرٹ ریڈ جو اس کا انگلستان کا Counter part ہے، یہ لوگ یہی کہتے ہیں کہ Quotation کرنا بھی بجائے خود ایک Creative ہے۔

[عابد حسین: ہاں یہ تو مقالہ نگار نے بھی کہا ہے]

بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں، سوریلسٹ، کہ مثلاً آپ سمندر کے ساحل پر چلے جایئے، وہاں پر چھوٹے چھوٹے Pebbles ہوتے ہیں، کوئی گھونگا ہوتا ہے۔ اگر آپ اس میں سے Seleot کر کے لے آیئے کسی کو جس میں کوئی خوبصورتی ہو، تو یہ بھی ایک Work ہے، تو جب یہ Work ہوسکتا ہے تو پھر یہ کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں شعر کا، کسی مضمون کا، منتقل کرنا کیوں نہیں اور پھر غالب نے یہ نہیں کیا ہے کہ بالکل ترجمہ کر لیا ہو، ایسا بہت کم کیا ہے۔ عام طور پر کچھ نہ کچھ فرق اس میں پیدا کر دیا ہے۔

[عابد حسین: صحیح ہے؛ کوئی نہ کوئی خوبی پیدا کر دی ہے اس نے] کوئی نہ کوئی خوبی پیدا کر دی ہے، اور ایک نیا پہلو پیدا کر دیا ہے اُس مضمون کا۔

[نقوی: میں اپنی معلومات کے لیے ایک بات دریافت کرنا چاہتا تھا۔ غالب کا ایک شعر ہے کہ:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

کسی شاعر کا، مجھے نام یاد نہیں لیکن، وہ شعر یاد ہے، وہ کہتا ہے:

اے گل چو آمدی ز زمیں، گو، چگونہ اند
آں...][2]

ٹھیک ہے، اپنی جگہ پر وہ بھی شعر بہت اچھا ہے۔

[نقوی: مگر چونکہ اس نے کنایہ رکھا ہے اس لیے اس میں لطف زیادہ ہے۔ غالب نے چونکہ صراحتاً بیان کر دیا ہے اس لیے—

عابد حسین: نہیں؛ غالب کے یہاں بھی دیکھیے۔ سب کہاں کچھ!]
قاضی عبدالودود: کیا صورتیں ہوں گی!
[عابد حسین: جی ہاں؛ کیا صورتیں!]
قاضی عبدالودود: رہی آئین اکبری کی تقریظ کی بات تو وہاں تو مطلب یہ ہے کہ یہ خاکسار موجود ہے، اس خاکسار کے موجود ہوتے ہوئے آپ ابوالفضل کی طرف کیوں جائیں۔ اب رہا یہ کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے نا، کہ انگریزوں کے آنے کی تعریف ہے تو سرسید یہ کب لکھ رہے ہیں آئین اکبری میں کہ وہ آئین جو تھا بہتر تھا۔ اب رہا یہ کہ غالب کا کچھ ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ ہی بالکل [دوسری چیز] ہے، صرف زمانۂ حال میں سروکار رکھیے اور ماضی پر لعنت بھیجیے یعنی کم ازکم اس تقریظ سے یہی — حالانکہ یہ بالکل غلط بات ہے۔
[ضیاء الحسن فاروقی: حالانکہ وہ خود اس زمانے میں تاریخ لکھ رہے تھے]
قاضی صاحب: تو، تاریخ تو وہ کہتے ہیں کہ ایسا موضوع ہے کہ جو میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ حالانکہ فلسفیانہ تاریخ لکھی جاتی وہ امرِ دیگر ہے؛ لیکن معمولی تاریخ جو ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتی؛ اور یہ مواد جو ہے جو مہر نیم روز کے لیے ہے، وہ دوسرے لوگ بھیج دیتے ہیں، کتابوں سے اخذ کر کے؛ میں اپنی عبارت میں پیش کر دیتا ہوں۔'' بادشاہ کو خوش کرنا مقصود ہے۔ تو اس سے وہ مورخ تو نہیں ہو سکتے!
[نقوی صاحب: ہمارے عابد حسین صاحب نے ایک بات کہی تھی کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ وہ بڑی ہو گئیں۔ اس نے باقاعدہ ارادہ اور قصد کر کے نہیں کہا۔ اور وہ خود کہتا ہے:
شہرتِ شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن'' — اس بارے میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ —]
قاضی صاحب: آپ نے تو خطوط اردو کے بارے میں کہا تھا!
[عابد حسین: جی ہاں! کچھ خطوط تھوڑے سے، آسان اور سہل۔ جو انھوں نے یہ سمجھ کر نہیں کہے۔]
اور شہرتِ شعرم جو اس نے کہا ہے میرا خیال ہے فارسی کلام کے بارے میں کہا ہے۔
قاضی صاحب: اچھا پھر یہ کمال ہے اسی غزل میں آگے جو شعر کہے اسی کا ایک یہ ہے کہ:

دفترِ اشعار بابِ سوختن خواہد شدن

یعنی کیا بک رہے ہو غالب! زمانے کی روش تو ایسی ہے کہ تم یہ کہہ رہے ہو شہرت ہوگی،

زندگی جاوید حاصل ہوگی۔ ارے تمھارے اشعار کا دفتر جلا دیا جائے گا اور خدا جانے اور کیا کیا کہا ہے، لمبی داستان ہے اس کی۔

[عابد حسین: ہاں خیر، یہ تو آدمی پہ مختلف کیفیتیں گزرتی ہیں]

○

رہا عامۃ الناس کے لیے شاعری کا معاملہ تو میرے خیال میں تو غالب کی شاعری اس کے برعکس Highly sophisticated mind کی شاعری ہے، اس کی سوسائٹی sophistication کے جس درجے پر پہنچی ہوئی تھی پھر یہ کہ، معمولی بات کو بھی اس انداز سے کہتا ہے جیسے آسمان سے بات کررہا ہے۔ اب وہ کیا شعر ہے: 'نقش پا پایا' اس کا کیا مطلب ہے (مرتب: عدم سے پرے والی بات) ہاں، یہی۔ مگر امکان سے پرے، عدم سے، یعنی کیا! لیکن یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کوئی بہت——

ایک بات اس کے یہاں یہ بھی ہے کہ فکر ہے۔ اسے آپ Logical تو نہیں کہہ سکتے لیکن Speculative ضرور ہے۔ اس کے ساتھ ایک اہم چیز Sense of Humour ہے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اب وہ کیا شعر ہے:

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

اس میں جو Irony ہے وہ——

پھر، اس کے اشعار Pictorial ہوتے ہیں۔

(اور آخری بات یہ کہ) فارسی کی ترکیبیں بھی، ان کا استعمال بھی، اس کی شاعری کو (اہم بناتا ہے)

○

(غالب کی عظمت: مرتبہٗ عابد رضا بیدار، 1969)

حواشی مرتب

تابود چار 1عید در عالم برتو یارب خجستہ باد و ہجیر
عید شوال و عید ذی الحجہ عید بابا شجاع و عید غدیر

2 اے گل چو آمدی ز زمین گو چگونہ اند آن روہا کہ در تہ گرد فنا شدند (امیر خسرو)

غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ

غالب کے کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین نسخہ[۱] جو اس وقت موجود ہے، کتب خانۂ خدا بخش پٹنہ میں ہے۔ اس کے متعلق میرا مقالہ اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں جزءً پڑھا جا چکا ہے، اور کلّاً انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ کے شش ماہی رسالے 'مجلۂ ادارۂ علوم اسلامیہ' کے شمارۂ دوم میں شائع ہو رہا ہے۔ اس کے بعد جو سب سے پرانا نسخہ[۲] ہے، وہ بھی اس کتب خانے میں ہے۔ کاتب[۳] نے اپنا نام نہیں بتایا، لیکن، یہ لکھا ہے کہ کتابت نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ کی فرمائش سے ہوئی اور اس کا اتمام اواخر سنہ 1257ھ میں ہوا۔ اس پر بھی میں نے ایک مقالہ تحریر کیا ہے، جو خواجہ احمد فاروقی صاحب، دانش گاہ دہلی کے رسالے میں عنقریب شائع کریں گے۔[1]

کتب خانۂ دانش گاہ علی گڑھ میں نواب محمد اسماعیل خاں مرحوم، نبیرۂ شیفتہ کی دی ہوئی جو کتابیں ہیں ان میں سے ایک غالب کے اشعار فارسی کا مجموعہ ہے۔ اس پر بھی کاتب کا نام نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ یہ کاتب کلیات سنہ 57ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں ایسی چیزیں جو کلیات سنہ 57ھ میں ہیں، برائے نام ہیں اور اسے اس کا تتمہ سمجھنا چاہیے۔ ظاہراً وہ چیزیں جو اس میں بھی ہیں اور نسخہ سنہ 57 میں بھی، سہواً درج ہوگئی ہیں۔ کاتب نے نسخۂ کتابت نہیں بتایا، مندرجات اس پر مشعر ہیں کہ اس کا اختتام ماۂ سیزدہم کے عشرۂ ہفتم کے اوائل میں ہوا ہوگا۔ اس مجموعے میں

۱،۲ موجودہ معلومات کر کے مطابق۔

۳ ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کا خیال ہے کہ کاتب فخر الدین خاں، 'خرد' ہیں۔ انھوں نے خرد کے ہاتھ کی متعدد تحریریں دیکھی ہیں۔ شیفتہ نے گلشن بے خار میں ان کی نسبت لکھا ہے: 'مبیض مسودات من علاقہ بایشان دارد'

عبارات نثر جو بطور عنوان درج ہیں، وہ کلیات مطبوعہ، لکھنؤ سے غیر حاضر ہیں۔ اگر کوئی چیز کلیات سنہ 57 اور اس مجموعے میں مشترک ہے، تو اس کا ذکر کر دیا گیا ہے، اور کوئی چیز مجموعے میں ایسی ہے جو کلیات مطبوعہ، لکھنؤ میں نہیں یا مختلف طور پر ہے، تو اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے مندرجات حسب ذیل ہیں:

(1) ترکیب بند ''زین خرابی کہ در جہان افتاد'' (2) ترجیع بند در تہنیت عید: ''باز براہم کہ نیاز آورم'' (3) مخمس ''در مہد دستبرد باژ در کند علی'' (4) مثنوی ''بعد احمد ایزد و ختم رسل'' یہ کلیات مطبوعہ میں 128 اشعار پر مشتمل ہے۔ حالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف فضل حق خیر آبادی کی فرمائش سے ہوئی تھی اور غالب نے اسے شعر ذیل پر تمام کر دیا تھا:

کثرت[۴] ابداع عالم خوب تر　　یا بیک عالم دو خاتم خوب تر

لیکن، صاحب فرمائش اس سے آزردہ ہوئے، تو انھوں نے باقی اشعار کا اضافہ کر دیا۔ میں اس کے بارے میں 'جہانِ غالب' کی اس قسط میں جو غالباً خاور (ڈھاکہ) میں شائع ہوئی تھی، اپنی رائے بالتفصیل ظاہر کر چکا ہوں، لیکن، اس وقت یہ مجموعہ پیش نظر نہ تھا۔ اس کے مطالعہ سے یہ منکشف ہوا کہ دراصل دو مثنویاں تھیں، جو ظاہراً مختلف اوقات میں کہی گئی تھیں، کلیات مطبوعہ میں دونوں ملا کر ایک کر دی گئیں۔ مجموعے میں پہلی مثنوی اشعار ذیل پر ختم ہوتی ہے، جن میں سے صرف پہلا کلیات مطبوعہ میں ہے:

من سبک روحم گر انجان نیستم　　صد نشان پیداست پنہان نیستم
غالب آہنگ دعا را ساز دہ　　بہر آئین[۵] بخت راآواز دہ
گفتہ ام زین پیش بیتے دلنشین　　آورم از خویش بیتے دلنشین
''بر[۶] دعائے شہ سخن کوتاہ باد　　تا خدا باشد بہادر شاہ باد''

(5) مثنوی ''باز برانم کہ بدیباے راز'' (6) مثنوی ''من کہ درین دائرۂ لاجورد'' (7) مثنوی ''اے کہ می گوئی توانا کردگار'' کلیات مطبوعہ میں مثنوی ''بعد حمد ایزد و نعت رسول'' کا جزو ہے، مگر 'اے' کی جگہ 'وین' سے شروع ہوتی ہے۔ (8) مثنوی ''بنامیزد زہے مجموعۂ راز'' (9) مثنوی

۴ پہلا مصرع دیا گیا ہے مگر مراد مکمل نظم سے ہے، ایسا اور جگہ بھی کیا گیا ہے
۵ کذا، مگر 'آمین' چاہیے۔　۶ یہ غالب کی مثنوی سرمہ بینش کا شعر ہے۔

''مژدہ یاران را کہ این دیرین کتاب'' (10) ''قصیدہ در منقبت علی مرتضیٰ مذیل بمدح محبّ آل رسول واجد علی شاہ بادشاہ اوددام اجلالہ'': ''سخن ز روضۂ رضوان بکوے یار کشد'' (11) ''در مدح، حضرت سراج الدین محمد بہادر شاہ غازی خلداللہ سلطنتہ'': ''سحر کہ باد سحر عرض بوستان گیرد'' کلیات مطبوعہ میں اس قصیدے کا ممدوح بہادر شاہ کی جگہ نرندر سنگھ (راجہ پٹیالہ) ہے۔ مجموعے میں وہ مصرع جس میں ممدوح کا نام آیا ہے یوں ہے: ''زبس کہ بادشہ بحرو بر بہادر شاہ'' اس کے بدلے کلیات مطبوعہ میں یہ مصرع ہے: ''زبس کہ راجۂ سلطان نشان نرندر سنگھ'' (12) ''در قدوم نواب گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ بہادر دام اقبال'':

شادم کہ گرد موکب نواب نامدار　　گردید کحل بینش اعیان این دیار
فرزانہ ہارڈنگ کہ در دفتر قضا　　القاب اوست داور فرزانگی شعار
م موکب مگوے روشنی روشنان چرخ　　موکب مگوے تازگی موسم بہار
م آوازۂ گرایش نصرت ز ہر طرف　　اندازۂ کشایش دولت ز ہر کنار
م رہ بر نظارہ بند ز گردان تیغ زن　　جابر اشارہ تنگ ز شاہان تاجدار
م دلہا شکستہ در تن گردان ز دور باش　　خونہا فسردہ در رگ شاہان ز گیرو دار
دستے بملک گیری و دستے بدل بری　　صد تیغ در یمین و دو صد گنج در یسار
داور مگوے خسرو سلطان و بادشاہ　　داور مگوے قیصر و خاقان و شہریار
ہم در سیہ بکوشش گردان تا مجوے　　ہم در کلہ بنازش شاہان نامدار
بافر خسروانی و فرمان خسروی　　برخود نہادہ نام امیری ز انکسار
آرے روا بود کہ بگفتن جہانیان　　خورشید را ستارہ شمارند در شمار
م یا بد ز فرحی بسرش ہیئت کلاہ　　تاجیکہ ماندہ است ز جمشید[7] یادگار
م گیرد ز خرمی برہش صورت وقوع　　فیضکہ میرسد ز بہاران بروزگار
م سرو[8] سہی بسایہ برآید ز مغز خاک　　صد رنگ گل بجلوہ بروید زنوک خار
م از نشر فوج قطعۂ گلشن شود زمین　　از سم رخش سودۂ گوہر شود غبار

[7] کلیات پرویز
[8] یہ شعر کلیات میں ''از نشر الخ'' کے بعد ہے

م میدان ز گرد سرمہ فروشد بچار سو توسن ز خوے ستارہ فشاند برہگذار
م اے ماہ نیم ماہ ز خوبی بوقت عیش وے مہر نیم روز ز تابش بگاہ گار
م اے بربساط بزم تو زاور غزل سرائے وے برسماط جود تو حاتم وظیفہ خوار
م اے آن کہ از اقامت غالب بہ پیشگاہ دام ترا ہمائے ہمایوں بود شکار
م آنم کہ چوں بمسند شوکت[9] کنی جلوس آرم بنذر سلک گہر ہائے شاہوار
م چون من گہر فروش نہ باشد بہر بساط چون من سخن سرائے نہ خیزد ز ہر دیار
م پاداش[10] جانگدازی من در طریق نظم رشحے بشادکامی من از قلم بیار
جلدوے کار سازی من درمہم مدح دستے بدستگیری من زآستین بر آر
م فرزانہ داورا وکرم پیشہ سرورا دارم دلے ز زخم جفائے فلک فگار
م سوز یکہ در دل است فرو میخورم بدل زین رو چو شمع نیست مرا دیدہ اشکبار
م گردم زدم ز لاف صبوری نہ راستیست باغم چہ تاب دعوی و بردل چہ اختیار
م از غصہ[11] خون شدی و فرو ریختی ز چشم گر دل بخشش تو نبودے امید وار
شاد است دل کہ داور دہری و دلنواز سہل است غم کہ والی ملکی و غمگسار
م زان رو کہ نامہ را بدعا ختم می کند لطفم[12] ترانہ سنج دعا گشت گوش دار
م خواہم بصد نشاط کہ باشم بصد نشاط خواہم ز روزگار کہ باشم بروزگار
م من از تو شادمان و تو از بخت کارساز من از تو کامیاب تو از آفریدگار

یہ قصیدہ کلیات مطبوعہ کا قصیدۂ پنجاہ وہشتم ہے اور اشعار دونوں میں مشترک ہیں یہ وہ اشعار ہیں جن کے آغاز میں میں نے م=مشترک لکھ دیا ہے۔ مجموعے کے اشعار کلیات مطبوعہ میں نہیں ہیں، اور موخرالذکر کے اشعار مقدم الذکر سے غیر حاضر ہیں۔ کلیات میں لارڈ ہارڈنگ کی جگہ شودھیان سنگھ (راو راجہ الور) ممدوح ہیں۔ اس میں قصیدے کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

گرد آورد بشکل فرس باد را بہار تا شود ہیان سنگھ بہادر شود سوار
فرزانہ راو راجہ کہ بارائے روشنش کس آفتاب را نبرد نام زینہار

---

۹ کلیات: دولت ۱۰ یہ شعر کلیات میں "زان رو الخ" سے قبل
۱۱ کلیات: درسینہ ۱۲ کلیات: شوقم

(13) ''در تہنیت فتح ممالک پنجاب'': ''رسیدہ است بگوشم صدائے فتح الباب''
(14) ''سازنواہاے آشفتہ بدستان سنجی غمہاے نہفتہ'': ''ازنکوئی نشان نمی خواہم''
(15) ''در تہنیت جشن نوروزی'': ''دوش در عالم معنے کہ زصورت بالاست''
(16) در تہنیت عید رمضان'': ''عیداست ونشاط وطرب وزمزمہ عام است''
(17) ''در تہنیت عید قربان'': ''عید اضحیٰ بسر آغاز زمستان آمد'' (18) ''خیزتا بنگری بشاخ نہال'' (19) ''در تہنیت نوروز عالم افروز سنہ 1268 ھجریہ'': دیگر بدان ادا کہ وزد در بہار باد'' (20) ''در تہنیت عید رمضان'': ''ما ہمانیم وسیہ مستی ہر روزہ ہمان'' (21) ''در تہنیت عید قربان'': ''داد کو تا ستم برانداز د'' (22) ''در تہنیت ولی عہدی'': ''داور سلطان شان آید ہمی'' (23) ''در تہنیت نوروز'': ''خورشید ز بیت الشرف خویش در آمد'' (24) ''در تہنیت عید رمضان'': ''گفتم حدیث دوست بقرآن برابر است'' (25) ''در تہنیت عید قربان'': ''دمیکہ گشت نوامندی تماشا را'' (26) ''در تہنیت نوروز'': ''در بہاران چمن از عیش نشانے دارد'' (27) ''ایضاً'': ''شکر کہ آشوب برف و باد سر آمد'' مجموعے میں اس قصیدے کے ممدوح بہادر شاہ کے دوسرے ولی عہد ہیں، جن کا ایک لقب 'فتح الملک' تھا۔ کلیات میں ایک شعر بالکل بدل دیا ہے اور دو شعروں میں تغیر ہوا ہے۔ اس کی بدولت یہ قصیدہ کلیات میں ولی عہد کی جگہ ملکۂ وکٹوریا کی مدح میں ہے۔ ذیل میں پہلے مجموعے اور اس کے بعد کلیات کے بعد تینوں شعر نقل کیے جاتے ہیں:

گلکدۂ بے خزان ز روئے حقیقت ۔۔۔ بزم ولی عہد کیقباد فر آمد
خامہ رقم زد بنامہ مطلع دیگر ۔۔۔ تا سخن از فتح ملک و بو ظفر آمد
شاہ ولی عہد عین یکدگر آمد ۔۔۔ فتح بمعنے مرادف ظفر آمد

گل کدۂ بے خزان ز روئے حقیقت ۔۔۔ بزم شہنشاہ کیقباد فر آمد
خامہ رقم زد بنامہ مطلع دیگر ۔۔۔ تا سخن از فتح و نصرت و ظفر آمد
نامہ ز وکٹوریا چو نامور آمد ۔۔۔ از افق نامہ آفتاب بر آمد

(28) ''در تہنیت غسل صحت حضور اقدس'': ''در روزگار ھا نتواند شمار یافت'' اس قصیدے کے کل اشعار 66 ہیں۔ اشعار 25 تا 66 حسب ذیل ہیں:

عنوان[۱۳] رنگ و بو رقم دلفروز جست — بستان آرزو شجر میوہ دار یافت
ن رنج از نہاد خسرو دیندار رخت بست — مقبول شد دعا و دوا اعتبار یافت
ن طرف کلہ قسم بسر تاجدار خورد — روے نگین نشان ز شہ نامدار یافت
ن گردد دوتا چو رشتہ شود استوار تر — عمر دوبارہ خسرو فرخ تبار یافت
ن آرے ز عمر خضر و مسیحا برد گرو — این نقد زندگی کہ شہنشہ دوبار یافت
بالد چنان ز ناز کہ پہلو زند بتاج — از بس کہ تخت پایگی استوار یافت
نازد چنان بخویش کہ بالد بروے تخت — امروز[۱۴] تاج کام دل اندر کنار یافت
دولت سپند سوخت کہ دین[۱۵] تازہ روئے شد — دین[۱۶] آفرین سرود کہ دولت مدار یافت
ن جشنے است چشم روشنی شہریار را — خود چشم شہر روشنی از شہر یار یافت
ن صاحبقران صورت و معنی ابوظفر — کز نام وے قلم نفس مشکبار یافت
بزمے[۱۷] بکار سازی اقبال سازد او — کاقبال ناز را بمنش سازگار یافت
بایستے انجم از پے تو صبح تاج و تخت — نازم فروتنی کہ جواہر قرار یافت
یاقوت ساز چرخ کہ معدن دکان اوست — آور ہرچہ در کمر کوہسار یافت
سنگے کہ نقش لعل و زمرد عبستہ بود — در سینہ خار خار ز جوش شرار یافت
خرشید را بچشم کواکب فزود ارج — تنہا نہ آبرو گہر شاہوار یافت
جمشید کش بشاہ سرہمسری نبود — ساقی گری گزید و دران حلقہ بار یافت
زین پس لبسے میانہ مردم سخن رود — از دور باشہا کہ جم از پردہ دار یافت
تقوی[18] نخواست بادہ ز انگور ساختن — در دور شہ بمیکدہ پروین فشار یافت
ن رضوان ز پیشگاہ خداوند نور و نار — فرمان نخل بندی دہلی دیار یافت

---

[۱۳] اشعار 1 تا 25 مجموعہ اور کلیات میں ایک ہی ترتیب کے ساتھ بلا اختلاف موجود ہیں۔ بعد کے اشعار کلیات میں کس ترتیب کے ساتھ ہیں اس سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے کلیات کی طرف رجوع کیا جائے۔

[۱۴] کلیات: ازبسکہ

[۱۵] کلیات: شد ملک تازہ روے

[۱۶] کلیات: ملک

[۱۷] کلیات: جشنی

[۱۸] کلیات: ہمت

ن حوران خلد تا چہ بہم گفتگو کنند — زآن پیچ وتاب ہا کہ درین شاخسار یافت
زحمت کشید گرچہ بہار اندر اہتمام — داند ہمی کہ سود برون از شمار یافت
آورد گونہ گونہ نشانہاے رنگ و بو — باخویش برد ہرچہ نہ درخورد کار یافت
گل را ز جوش رنگ بہنگامہ جا نبود۱۹ — اورد گر بہار تنش را فگار یافت
ن در بزم بس کہ رنگ ہوا بارد از ہوا — ہر سادہ رو کہ بے خبر آن جا گذار یافت
ن تادست در شکستن طرف کلاہ زد — در رخ نشان غازہ و برکف نگار یافت
در راہ پای مزد غریبان شمردہ شد — در بزم قوت روح عزیزان قرار یافت
موجے کہ آب دو گہر شاہوار زد — جوشیکہ خون بناف غزال تتار یافت
از گرد راہ لیلی گیتی نقاب بست — وز خط جادہ ناقۂ گردون مہار یافت
ور در شکارگاہ خدنگے ز شست جست — چشم غزالہ سرمۂ دنبالہ دار یافت
باشد بجائے و شبہ۲۰ بمنزل زند فرس — بالیدنش سزد کہ چنین شہسوار یافت
زینسان بفیض نامیہ نامی نگشتہ بود — صد بارم از گداز نفس آبیار یافت
دانم کز اقتضائے زمانست کاین زمان — شاخ بریدۂ قلم این برگ و بار یافت
آرے چرا چنین نبود کز عطائے دہر — آبان و مہر دسترس تو بہار یافت
کوہ از ہجوم لالہ حود رو بخاک خفت — خاک از نمود سنبل و ریحان غبار یافت
بے آنکہ خواہش زر گل درمیان بود — دامان گل نسیم بدست چنار یافت
امروز لالہ را بسر کوہسار دید — دہقان کہ دی بدامنۂ کوہسار یافت
در وصف رنگ و بوے قوافی تمام شد — ناچار مدح شہ بدعا اختصار یافت
این خوشدلی ز روز ازل بود آن شاہ — وقت آمد از سروش امانت سپار یافت
حاشا کہ مستعار بود ہم چو عمر حلق — عمریکہ شاہ زندہ دل ازکردگار یافت
این عمر را شمار نداند مگر خدا ۲۱ — در حود زروئے ہندسہ گاہے شمار یافت
تقدیر کاروبار مسمی باسم داد ۲۲ — ہرجا الف تبشت محاسب ہزار یافت

۱۹ کلیات: کجاست ۲۰ شبہ؟ ۲۱ کلیات: نتوان شمرد دولت جاوید یافتن
۲۲ کلیات بہ از بس پر است جیب مسمی زنقد اسم

غالب نے ہنگامہ سنہ 73ھ کے بعد دستنبو لکھی اور اسے چھپوایا تو اس قصیدے میں ترمیم کر کے اس کتاب میں بطور 'پیش لفظ' شامل کر دیا اور ترمیم سے ممدوح بہادر شاہ کی جگہ ملکہ وکٹوریہ ہو گئیں۔ بعد کو یہ قصیدہ کلیات میں عنوان ذیل کے ساتھ داخل ہوا: ''سی ام قصیدہ نیز در مدح شہنشاہ انگلستان'' دستنبو اور کلیات میں اس قصیدے کے 60 اشعار ہیں' مجموعے کے وہ اشعار جن کے آغاز میں 'ن' مرقوم ہے کلیات سے غیر حاضر ہیں، اور کلیات کے اشعار ذیل مجموعہ میں نہیں ہیں:

از انتظام شاہی و آئین خسروی	سور و سرور و دانش و داد انتشار یافت
برخستگان ہند بخشود از کرم	وکٹوریہ کہ رونق ازو روزگار یافت
تاج و نگین علامت شاہیست در جہان	این ہر دو ہر کہ شد بجہاں شہریار یافت
فرمانروائے ماست کہ از فر شوکتش	شد تاج سرفراز و نگین اعتبار یافت

(29) ''درتہنیت عید قربان'': ''رہروان چو گہر آبلہ پا بینند'' (30) ''ایضاً'': ''زہے بتان مغان شیوہ داد خواہائش (31) ''در مدح ضریح مبارک'': ''بیا در کربلا تا آن سمکش کاروان بینی'' (32) ''در مدح سلطان اوذ'': ''رواست شور نشید و ترانہ مستان را'' (33) ''درتہنیت نوروز'': ''باز پیغام بہار آورد باذ'' (34) ''درتہنیت عید رمضان'': ''درین زمانہ کہ از تار ہائے روز دراز'' (35) ''در تہنیت عید رمضان'': ''بازم نفس از سینہ بہنجار بر آمد'' (36) ''در ستایش نواب محمد مصطفٰے خان بہادر حسرتی'': ''زخمہ بر تار رگ جان میزنم'' (37) بدون عنوان ''ہمانا اگر گوہر جان فرستم'' (38) ''در مدح امین الدولہ امداد حسین خان بہادر وزیر شاہ اوذ'': ''ایا بکوشش و بخشش رئیس ملت و ملک'' یہ کلیات کا قطعہ 34 ہے۔ (39) ''در ثنائے معظم الدولہ'': قطعہ 39 کلیات (40) ''اے کہ گفتی کہ در سخن باشد'' قطعہ 43 کلیات (41) ''بر رگ شاہ بوسہ زد نشتر'' قطعہ 42 کلیات۔ (42) ''در فتح ممالک پنجاب'': ''چون بر ہزار وہشت صد و چل فرود شش'' قطعہ 40 کلیات (43) ''در مدح مرشد زادۂ آفاق مرزا فتح الملک بہادر'': ''جم حشم شاہزادہ فتح الملک'' قطعہ 38 کلیات (44) ''بہار در چمن انداز گل فشانی کرد'' قطعہ 35 کلیات (45) ''در مبارکباد عید'': ''دی بہ ہنگامہ ہنگام فرو رفتن مہر'' قطعہ 41 کلیات (46) ''چشم و چراغ دیدۂ مودود آنکہ ہست'' قطعہ 56 کلیات (47) ''چون تفضل حسین خان کہ ہنوز'' قطعہ 57 کلیات (48) ''قطعہ متعلق گلشن

بے خار" یہ کلیات نظم مطبوعہ لکھنؤ میں نہیں ہے، لیکن کلیات کے بعض خطی نسخوں میں ہے اور خود گلشن بے خار میں بھی ہے۔ (49) "حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است" (50) "دل برد وحق آنست کہ دلبر نتوان گفت" (51) "نشاط معنویان از شرابخانہ تست" (52) "خوبان نہ آن کنند کہ کس را زبان رسد" (53) "بتان شہر ستم پیشہ شہر یارانند" (54) "چاک از جیبم بدامان میرود" (55) "از رشک کرد آنچہ بمن روزگار کرد" (56) "اے ذوق نوا سنجی بازم بخروش آور" (57) بیا بباغ ونقاب از رخ چمن برکش" (58) "رفت بر ما ہرچہ خود ما خواستیم" (59) "سرشک افشانی چشم ترش بین" (60) "درز مہر بر سینہ آسودگان نہ" (61) بر دست و پاے بند گرانے نہادہ" (62) تا (67) کلیات مطبوعہ کی حسب ذیل رباعیاں مجموعے میں ہیں: 68 (متعلق مرگ مومن) 27، 73، 94، 97۔ سبد چین مرتبہ جناب مالک رام کی رباعی "اے روے تو ہمچو مہر گیتی فروز" مجموعے میں ہے، مجموعے کے حاشیے میں شاہ رخ سے متعلق رباعی ہے (سبد چین صفحہ 77)۔

○

(فکر و نظر، اپریل 1960)

حواشی مرتب

1 ملاحظہ ہو، غالب کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ

غالب کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ

اس مقالے میں مخففات ذیل مستعمل ہوئے ہیں: خ = کلیات نظم فارسی 441، خم = خ سے متعلق میرا مقالہ جو اسلامک اسٹڈیز انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کے رسالے میں شائع ہوگا، مص = کلیات کا وہ نسخہ جس کی کتابت 54 میں تمام ہوئی۔ مط = کلیات مطبوعۂ لکھنؤ۔ اس مقالے میں عموماً کسی نظم کا ذکر کرتے وقت، اس کا مصرع اول نقل ہوا ہے اور مراد پوری نظم سے ہے۔

غالب نے اپنے کلیات نظم فارسی کا نام 'میخانۂ آرزو، سرانجام' رکھا تھا، لیکن اس کا کوئی ایسا نسخہ نہیں ملتا، جس میں یہ نام مرقوم ہو۔ علی بخش خاں، دیباچہ نگار 'پنج آہنگ' کا قول ہے کہ شمس الدین (احمد) خاں کے اوائل 1251ھ میں پھانسی پانے کے کچھ ہی بعد وہ جے پور سے دہلی واپس گئے تو اس زمانے میں یہ تازہ تازہ 'فراہم'[1] ہوا تھا۔ وہ نسخہ جو ان کے پیش نظر رہا تھا، اب ناپید ہے، اور قدیم ترین نسخہ جو اس وقت موجود ہے، کتب خانۂ خدا بخش پٹنہ کا وہ نسخہ ہے جس کا ذکر اس کتب خانے کے مخطوطات فارسی کی فہرست جلد 3 میں زیر شمار 441 ہے۔ اس کے کاتب لالہ چھجمل پدر جواہر سنگھ جوہر ہیں اور اس کی کتابت ربیع الآخر 1254ھ میں تمام ہوئی تھی۔ اس کے بعد اسی کتب خانے کا ایک اور نسخہ ہے جس کا ذکر مطبوعہ فہرستوں میں نہیں ہے۔

مص کسی مجہول[3] الاسم کاتب نے نواب محمد مصطفےٰ خاں کی فرمائش سے لکھا تھا اور اس کی کتابت 1257ھ کی 15 ذیقعدہ کو تمام ہوئی تھی۔ کاتب کا قول ہے کہ "بنظر اکسیر اثر مرزا غالب

---

1. رجوع بہ خم   2. رجوع بہ خم

3. ڈاکٹر مختار الدین احمد کا خیال ہے کہ مص فخر الدین خاں خرد کا لکھا ہوا ہے۔ شیفتہ نے ان کا حال گلشن بے خار میں تحریر کیا ہے۔

تصحیح پذیرفت''، مگر کہیں کسی غلطی کی تصحیح نظر نہیں آتی، گو اس کا امکان ہے کہ حواشی میں جو اضافے ہیں وہ غالب کے قلم سے ہوں۔

مص میں نثر کی صرف دو چیزیں ہیں: (1) دیباچہ، یہ خ نہیں، مط کے مطابق ہے (2) خاتمہ، یہ مط کی طرح 'تقریظ'[4] کے عنوان سے مندرج نہیں، اس کے آغاز میں وہی عبارت ہے، جس سے خاتمۂ خ کی ابتدا ہوئی تھی۔ خ میں غالب نے سال ترتیب کلیات 1253ھ بتایا ہے، اور اپنی عمر کے متعلق لکھا ہے: ''رصد نگار طالع من باندازۂ خرامش پیک آسمانی در مشاہدۂ آثار سال چہل ویکم است'' مگر مط میں 1253ھ کی جگہ 1278ھ اور 'چہل ویکم' کے بدلے 'شست وششم' ہے۔ خ میں اشعار کی تعداد[5] 5 ہزار درج ہے، مص میں باوجود اس کے کہ مص وخ کا زمانہ ترتیب ایک ہی لکھا ہوا ہے، تعداد اشعار چھ ہزار ہے۔ مط میں یہ بڑھ کر 10424 ہوگئی ہے۔

قطعات ذیل مص وخ ومط میں مشترک ہیں: 1 تا 4، 6، 9 تا 11، 15 تا 17، 19، 22 تا 26، 45 تا[6] 53، 60، 61۔

قطعات ذیل مص وحواشی خ اور مط میں مشترک ہیں: 12، 14 (اس میں وہ شعر نہیں جو خ میں مٹا دیا گیا ہے) 18، 20، 54۔

قطعات ذیل حواشی مص، حواشی خ اور مط میں ہیں اور عجب نہیں کہ مقدم الذکر میں خود غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں: 29، 55۔

4 مثنویاں درد وداغ، چراغ دیر، رنگ و بو اور باد مخالف مص، خ اور مط تینوں میں ہیں اور مص میں ان کے عنوانات وہی ہیں جو خ میں ہیں۔ مص میں قصائد کا آغاز مط کے قصیدۂ اوّل ''اے زدہم غیر غوغا در جہاں انداختہ'' سے ہوتا ہے جو خ سے غیر حاضر ہے۔ اس کی بیت اوّل سے قبل یہ عبارت ہے: ''برچیدن بساط خردہ کاری بانجامیدن قطعہ ومثنوی وفاتحہ در نموداری وآغاز قوس نزولی قصیدہ نگاری بنگارش قصیدہ در توحید حضرت باری۔'' یہ عبارت مط میں نہیں ہے۔

وہ سب قصائد جو خ ومط میں مشترک ہیں اور جن کا ذکر خم میں ہے، مص میں بھی ہیں، اور مص میں ان کے عنوانات وہی ہیں جو خ میں ہیں۔

---

[4] غالب لفظ 'تقریظ' کے صحیح معنی سے واقف نہ تھے، رجوع بہ غالب بہ حیثیت محقق۔ یہ نقد غالب میں شامل ہے۔
[5] یہ تعداد صحیح نہیں، رجوع بہ خم [6] قطعہ 48 بطور مثنوی ہے۔

قصائد ذیل مص و مط دونوں میں ہیں مگر خ میں نہیں۔ عنوانات جو مص میں ہیں مط میں نہیں ہیں:

قصیدۂ 12 "در نعت صاحب الامرامام محمد مهدی هادی علیه التحیة والسلام وعلیٰ آبائه الکرام۔"

قصیدۂ 15 "قصیده در مدح سلطان سراج الدین ابوالمظفر (کذا) بهادر شاه غازی"

قصیدۂ 37 "افزائش نیروی خامه و آرائش نوی نامه بمدح داور والا گهر جناب مستر توبی پر نسپ بهادر که یا رب اقبالش جاوداں و بهارش ایمن از خزاں باشد۔"

قصیدۂ 56 "روشنگری آئینۂ سخن بچشمد اشت قبول از شمس الامرا نواب محمد رفیع الدین خاں بهادر نائب والی حیدر آباد، مص کے ابتدائی دو شعر مط میں نہیں، ان کی جگہ اس میں 5 شعر ہیں جو مص سے غیر حاضر ہیں۔ اشعار مص:

اے مظہر کل در ازل آثار کرم را منت بسر لوح ز اسم تو قلم را
شمس الامرا از اثر نسبت نامت خور قبلہ بداورنگ نشینان عجم را

مص میں مط کا پہلا ترکیب بند قصائد کے ساتھ درج ہے۔ یہ خط میں نہیں، اور اس کا عنوان مط میں نہیں: آراستن کسوت سخن بطراز ترکیب بند در منقبت موموناں خداوند۔"

مص میں غزلوں کا آغاز اسی عبارت سے ہوتا ہے جو خ میں ہے اور مط میں نہیں۔ ان تینوں کی پہلی غزل یہ ہے: "اے بخلا و ملا خوی تو ہنگامہ زا۔"

مط کی غزلہائے ذیل، خ کی طرح، مص سے غیر حاضر ہیں:

"چوں بقاصد بسپرم پیغام را"
"حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است"
"لب شیرین تو جان نمک است"
"ہر چہ فلک نخواستت ہیچ کس از فلک نخواست"
"از فرنگ آمدہ در شہر فراواں شدہ است"
"چو صبح من بسیاہی ز شام مانند است"
"دل بردو حق آنست کہ دلبر نتواں گفت"

''بوادی کہ درآن خضر را عصا خفتست''
''با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست''
''تا بسویم نظر لطف جمس تا مسن است''
''نشاط معنویاں از شراب خانہ تست''
ہند پرستش حالم نہ می تواں افتاد''
''خوباں نہ آں کنند کہ کس را زیاں رسد''
''چہ عیش از وعدہ چوں باور زعنوانم نہ می آید''
''گر چنیں ناز تو آمادۂ یغما ماند''
''باید زمے ہر آئینہ پرہیز گفتہ اند''
''چاک از جیبم بہ داماں می رود''
''بتان شہر ستم پیشہ شہر یارانند''
''دل ستاناں نہ خلند ارچہ جفا نیز کنند''
''نقاب دار کہ آئین رہ زنی دارد''
''ترا گویند عاشق دشمنی آرے چنین باشد''
''از رشک کرد آنچہ بہ من روزگار کرد''
''کسے با من چہ در صورت پرستی حرف دیں گوید''
''بے دل نہ شد ار دل بہ بت غالیہ مو داد''
''چوزہ بہ قصد نشاں برکماں بجنباند''
''پروا اگر از عربدۂ دوش نہ کردند''
''بہ مرگ من کہ پس از من بہ مرگ من یاد آر''
''اے ذوقِ نوا سنجی بازم بہ خروش آور''
''دوش آہنگ عشا بود کہ آمد در گوش''
''بیا بہ باغ و نقاب از رخ چمن برکش''
''گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آساں در بغل''

''بس کہ پیچد بخویش جادہ زگمراہیم''

''دیدم آں ہنگامہ بے جا خوف محشر داشتم''

''وایہ از سلطاں بہ غوغا خواستیم''

''سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہیم''

''صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم''

''ہا پری چہرہ غزالان وز مردم رم شاں''

''چوں شمع رود شب ہمہ شب دود زسرماں''

''سرشک افشانی چشم ترش بیں''

''بتے دارم از اہل دل رم گرفتہ''

''شاہا بہ بزم جشن چو شاہاں شراب خواہ''

''درز مہر یر سینۂ آسودگاں نہ''

''بر دست و پاے بند گرانی نہادۂ''

''گر نہ نوا ہا سرودے چہ غمستے''

''اے کہ گفتی نہ دہی داد دل و آرے نہ دہی''

مص میں مط و حواشی خ کی حسب ذیل غزلیں ہیں:

''آشنا یا نہ کشد خار رہت دامن ما''

''من آں نیم کہ دگر می تواں فریفت مرا''

''اے کہ در پردہ بصد داغ نمایانم سوخت''

''ناداں صنم ما روش کار نہ دارد''

''در گریہ از بس ناز کی رخ ماندہ بر خاکش نگر''

''تیغ از نیام بیہدہ بیرون نکردہ کس''

''در وصل دل آزاری اغیار نہ دانم''

غزل ذیل مص و مط میں ہے، لیکن اس کا صرف مطلع حاشیہ خ میں ہے:

''ساخت ز راستی بغیر ترک فسوں گری گرفت''

مط کی غزلہائے ذیل جو خ یا حواشی خ میں نہیں، مص میں ہیں:

''اگر بہ دل نہ خلد ہر چہ از نظر گذرد''

''ننگ فرہادم بہ فرسنگ از وفا دور افگند''

''ز من حذر نہ کنی گر لباس دیں دارم''

مط کی غزل ذیل جو خ، حواشی خ اور مص میں نہیں، حاشیۂ مص میں ہے:

''نیست وقتے کہ بہ ما کاہشے از غم نہ رسد''

خ میں دو شعر جن میں سے ایک کٹا ہوا ہے، ایسے ہیں جو مط سے غیر حاضر ہیں، ان میں سے ایک مص میں بھی ہے۔

عبادت خانۂ خواہم چو قصر منعماں رنگیں   غم دینے کہ من دارم غم دنیاست پنداری

مط و خ کی مشترک غزلوں میں سے دو کا ایک ایک شعر خ میں نہیں، یہ غزلیں مص میں بھی ہیں اور ان میں سے ایک کا ایک (شعر) اس میں بھی نہیں ملتا:

سر رشتہ ہر کار نگہدار بہ مستی   آشفتگی طرہ بہ دستار میاموز

مط کی رباعیات ذیل مص میں ہیں: 1 تا 10، 12، 14 تا 19، 21 تا 24، 26 تا 32، 36 تا 39، 41 تا 45، 49 تا 53، 57 تا 60، 62 تا 66، 68، 69، 71۔

رباعی ذیل جو خ میں ہے، لیکن مط میں نہیں، مص میں موجود ہے:

اے دادہ بہ باد عمر در لہو و فسوس   زنہار مشو ز رحمت حق مایوس

ہش دار کز آتش جہنم حق را   تہذیب غرض بود نہ تعذیب نفوس

3 معمے (کل 3 شعر) جو مط سے غیر حاضر ہیں لیکن خ میں ہیں، مص میں ملتے ہیں۔ مص کے اشعار کی جو مجموعی تعداد غالب نے بتائی ہے، صحیح نہیں، اس میں 6 ہزار سے کم اشعار ہیں۔

نوٹ: اس مقالے کی تحریر کی فرمائش جس وقت ہوئی، میں پابرکاب تھا، اور علی گڑھ آنے سے پیشتر مص سے متعلق جو یادداشت جلدی میں میں نے لکھی، وہ جب علی گڑھ میں مقالہ لکھنے لگا تو ناکافی اور بعض جگہ غیر واضح پائی گئی۔ ممکن ہے پٹنہ واپس پہنچنے کے بعد اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو میں اس کی تصحیح کروں، یا کوئی ضروری بات چھوٹ گئی ہو تو اسے بڑھا سکوں۔

○

(اردوئے معلیٰ، غالب نمبر: 1960)

غالب کے کلیات نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ

یہ مقالہ 1960 میں قلمبند ہوا تھا اور ....[1] میں پڑھا گیا تھا، اور مجلۂ علوم اسلامیہ بابت دسمبر 1960 میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد سبد باغ دودر کی اشاعت ہوئی، اور ابھی حال میں جناب مسلم ضیائی کا مقالہ ایک قدیم تر نسخۂ کلیات نظم سے متعلق 'اردو'[2] میں نکلا ہے، ظاہر ہے کہ اب یہ دعویٰ کہ نسخۂ مکتوبہ 1254ھ کلیات کے موجودہ نسخوں میں سب سے قدیم ہے، باطل ہوگیا مگر میں نے مقالے کا عنوان وہی رہنے دیا ہے جو پیہلے تھا۔ ڈاکٹر مختارالدین احمد مدیر مجلہ مذکور نے بعض مقامات میں نامکمل شعر کی جگہ جو میں نے لکھا تھا، مکمل نقل کردیا ہے۔ میں نے اس تصرف کو برقرار رہنے دیا ہے۔ (قاضی عبدالودود)

مخففات: کث = کلیات نثر فارسی (لکھنؤ، 1284) کنظ: کلیات نظم فارسی (لکھنؤ، 1279) کخ: کلیات نظم کا وہ مخطوطہ جس کا تعارف مقصود ہے، کم: مخطوطۂ کتب خانۂ خدابخش، زمانۂ اتمام کتابت ذیقعدہ 1257: اس سے متعلق راقم کا مقالہ 'غالب کے کلیات نظم فارسی کا ایک قدیم نسخہ'۔

علی بخش خاں، غالب کے برادر نسبتی 'پنج آہنگ' مصنفۂ غالب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:[1]

''درآغاز سال یک ہزار و دوصد و پنجاہ و یک ہجری شمس الدین خان را بقضاے آسمانی آن پیش آمد کہ ہیچ آفریدہ مبیناد... و بعد آن ہنگامہ ہم درآن ہنگام از بے پور بدہلی رسیدم، وبکاشانۂ.... مولانا غالب... فرود آمدم۔ چوں

[1] غالب: کلیات نثر فارسی: 2 (لکھنؤ، 1284)

درآن ایام دیوان فیض عنوان کہ مسمّی بہ مے خانۂ آرزو[2] سرانجام است، تازہ فراہم آمدہ و پیرایۂ اتمام پوشیدہ بود، آن چہ از نثر درآن ہمایوں صحیفہ ارقام داشت، ہمہ را بخدمت والاے آن خسرو اقلیم سخنوری خواندم۔"

اس اقتباس سے مستفاد ہوتا ہے کہ شمس الدین خاں کو پھانسی اوائل 1251ھ میں ہوئی تھی، علی بخش خاں اس کے کچھ ہی بعد دہلی پہنچ گئے تھے۔[3] اور غالب کا دیوان فارسی اس زمانے میں تازہ تازہ مرتب ہوا تھا۔ شیخ محمد اکرام صاحب نے 'غالب نامہ' میں اس نسخے کا نام جو علی بخش خاں کے پیش نظر تھا 'میخانۂ آرزو' بتایا ہے۔ جناب عرشی نے راقم الحروف کو لکھا تھا کہ اس پر 'سرانجام' کا اضافہ چاہیے، وہ تو اس پر قائم نہیں رہے۔[4] لیکن میں نے اس سے اپنا اتفاق ظاہر کیا۔[5] شیخ صاحب نے میری تحریر کا صراحۃً ذکر کیے بغیر 'حیاتِ غالب' میں اس کی اس طرح تردید کی ہے:[6]

"پنج آہنگ کی اصل عبارت یوں ہے 'دیوانِ سرانجام است'" اس سے خیال ہوتا ہے کہ دیوان کا نام 'میخانۂ آرزو سرانجام' تھا، لیکن، اس سے یہ نام بہت طویل بلکہ بے معنی ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ، کلیات غالب کے تمام نسخوں

2۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اس مقالے کا وہ حصہ جس میں نام کی بحث ہے، سن کر مجھ سے کہا 'میخانۂ آرزو سرانجام' ایک مکمل مصرع ہے۔

3۔ غالب کے ایک فارسی خط میں ہے "علی بخش خان از جے پور آمدہ و بکاشانۂ نامہ نگار طرح اقامت کردہ" کلیات نثر: 51، خط پر تاریخ تحریر درج نہیں لیکن امور ذیل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ 1251ھ کا لکھا ہوا ہے: (1) مکتوب الیہ شیفتہ ہیں، جن کے 'گلشن بے خار' کی تقریظ نوشتۂ غالب کے نسبت مرقوم ہے: "گرایش اندیشۂ وفا پیشہ بسنجیدن زمزمۂ تقریظ پارۂ بفرمان مہر است و لختے بہوای دل" (2) تپاں کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی وفات کو 4 برس ہوتے ہیں (ان کے زمانۂ موت کے لیے 'مآثر غالب': 56 کی طرف رجوع ہو)۔

4۔ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) م: 114 مرتبہ: ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ، 1949)، اس مقالے کی تحریر کے بعد جناب عرشی سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ اب میری رائے نام کے متعلق وہی ہے جو ابتدا میں تھی۔

5۔ مآثر غالب: 51 (علی گڑھ، 1949)

6۔ شیخ محمد اکرام: حیاتِ غالب: 106

میں 'میخانۂ آرزو' جلی قلم سے نمایاں کیا گیا ہے۔''

'میخانۂ آرزو سرانجام' بہت طویل ہے تو 'سبدِ باغِ دودر' جو غالب کی آخری کتاب کا نام ہے اور یقین ہے کہ انھیں یکار رکھا ہوا ہے، اس سے کچھ ہی کم ہے۔

'میخانۂ آرزو سرانجام' غالب کی متعدد دوسری ترکیبوں کی طرح، بیدل کے رنگ میں ہے۔ بیدل کی مثنوی 'طلسم حیرت'[۸] میں 'غم خانۂ کلفت سرانجام' آیا ہے؛ غالب نے اس کی تقلید کی ہے۔[۹] غالب کی ترکیب بے معنی ہے، تو یہ بھی بے معنی ہے۔ بیت بیدل:

دریں غم خانۂ کلفت سرانجام نصیب ما نشد یک داغ آرام

شیخ صاحب کا یہ قول کہ کلیات نثر کے کل نسخوں میں 'میخانۂ آرزو' جلی قلم سے نمایاں کیا گیا ہے۔[۱۰] صحیح نہیں۔ یہ غالب کے دوران حیات میں صرف ایک بار چھپا تھا، اور اس نسخے میں یہ الفاظ ٹھیک اسی طرح مرقوم ہیں، جس طرح ان کے قبل و بعد کے الفاظ 'مسمیٰ بہ' 'سرانجام است' ہیں۔[۱۱] اگر (میخانۂ آرزو' مقابلۃً جلی قلم سے لکھا بھی گیا ہوتا، تو یہ لازماً غالب کا فعل نہیں سمجھا

---

۷ 'سبد باغ دودر' کا خطی نسخہ جناب سید وزیرالحسن عابدی کی مہربانی سے میں نے دیکھا ہے۔
غالب کے الفاظ یہ ہیں: ''از آنجا کہ ''سبد باغ دودر'، یکہزار و دوصد و ہشتاد و سہ عدد دارد و از روی حسن اتفاق با آغاز نگارش صحیفہ مطابق افتاد، این نام لطفی دیگر داری۔

۸ عبدالقادر بیدل: مثنوی طلسم حیرت: 18 مطبع صفدری (بمبئی 1299)۔ بیدل کی بعض دوسری ترکیبیں جو 'طلسم حیرت' میں ہیں، ملاحظہ ہوں: دریں ویرانۂ افسردن انجام 19، کنون کلک محبت نامہ ارشاد 30، چہ شد آن آستان سجدہ تعلیم 31، جنون تعمیر الفت خانۂ دل 32

۹ غالب کی کچھ اور ترکیبیں جو بیدل کے رنگ میں ہیں درج ذیل ہیں: صورت خانۂ خمیازہ 13، انتظار آباد حیرانی 30، غفلت آرامی 65 فنا تعلیم درس بے خودی 71، غریب وحشت آباد تسلی 123، آرزو خرامی 163، غفلت متاع 156، جنون علامت 19 طرب انشائی التفات 198۔ حوالے نسخۂ حمیدیہ کے صفحات کے دیے گئے ہیں۔

۱۰ کتب میں بکثرت الفاظ جلی قلم سے لکھے ہوئے ہیں چنانچہ اسی سطر میں جس میں کہ کلیات کا نام آیا ہے لفظ 'غالب' جلی قلم سے تحریر ہوا ہے۔

۱۱ اگر 'سرانجام'، 'سرانجام شدہ' ہے اور 'سرانجام' اس طرح مستعمل نہیں، تو کے بعد 'است' نہیں بود ہونا تھا۔ 'است' کا ہونا قطعی طور پر یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ 'میخانۂ آرزو سرانجام' ہے۔ اگر صرف 'میخانۂ آرزو' نام ہوتا تو پہلے جملے میں لفظ 'سرانجام' ہرگز نہ آتا، اور 'آرزو' کے معا بعد 'است' ہوتا۔ پہلے جملے میں لفظ 'سرانجام' ہرگز نہ آتا۔ اور 'آرزو' کے معا بعد 'است' ہوتا۔

جاسکتا۔ یہ نسخہ بہت غلط چھپا تھا اور 'گزارش' میں مالک مطبع اودھ اخبار کو اس کا اقرار ہے کہ حسب دلخواہ طبع نہ ہوسکا: ''درایامیکہ طبع می شد... اکثر اوقات باسفار دہلی وآگرہ ومیرٹھ... وغیر ہا گذشت، اہتمامے وانتظامے کہ مکنون خاطر بود بظہور نرسیدہ۔'' غالب کی موت کے بعد کلیات نثر کے جو نسخے چھپے ہیں، ان میں اگر 'میخانۂ آرزو' اس طرح ہے، جس طرح وہ کہتے ہیں، تو انھیں اس دعوے کے اثبات میں کہ اس کا یہ نام تھا، مطلقاً مدد نہیں مل سکتی۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ 'پنج آہنگ'، کلیات نثر میں شمول سے پیشتر علیحدہ بھی چھپی تھی، طبع ثانی میں جو اس وقت پیش نظر ہے، 'میخانۂ آرزو' ٹھیک اسی طرح لکھا ہوا ہے، جس طرح کہ 'کث' میں ہے، اور طبع اوّل کا بھی یہی حال ہے۔

کلیاتِ نظم کا کوئی خطی نسخہ ایسا موجود نہیں، جو 'میخانۂ آرزو سرانجام' یا اس طرح کے کسی دوسرے نام سے موسوم ہو۔ 'کظ'' (کلیاتِ غالب فارسی' کے نام سے چھپا ہے۔ علی بخش خاں کے پیش نظر جو نسخہ تھا، ممکن ہے کہ اس میں مقدم الذکر نام درج ہو، مگر یہ نسخہ ناپید ہے۔

کلیاتِ نظم کا قدیم ترین نسخہ جو اس وقت موجود ہے، کتب خانۂ خدا بخش بانکی پور کا مخطوطۂ 441 ہے، جس کی مفصل کیفیت اس کتب خانے کے مخطوطات فارسی کی فہرست میں مرقوم ہے۔[۱۲]

مرتب فہرست کا قول ہے کہ کاتب نے سال کتابت 1154ھ بتایا ہے، حالانکہ صریحاً تیرہویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔ یہ حیرت انگیز غلطی ہے، کاتب کی عبارت ذیل جو اس نسخے کے بالکل آخر میں ہے ملاحظہ ہو:

''یازدہم ربیع الآخر سنہ یک ہزار و دوصد و پنجاہ و چہار ہجری در دہلی از خط بدنمط چھجمل مہمل سمت اتمام پذیرفت۔''

اس عبارت میں 'پنجاہ و چہار' کے اوپر 1254 صاف لکھا ہوا ہے۔ جھجمل یقین ہے کہ چھجمل ہوں جن کے نام کے خط 'پنج آہنگ' میں ہیں۔ یہ جواہر سنگھ، جوہر شاگرد غالب، کے باپ تھے۔ جوہر کے نام کا ایک منظوم خط حواشی 'کخ' میں ہے، اس میں یہ مصرع بھی ہے:

پدر نیز مشتاق دیدارتست

---

۱۲ دیکھیے A. Muqtadir: Cat. of the Persian MSS. Bankipore iii, pp. 269-272

خاتمہ ’کج‘ میں عبارت ذیل ملتی ہے:

”تا امروز کہ از ہجرت یک ہزار و دو صد و پنجاہ [13] و سہ سال گذشتہ و رصد نگار
طالع من باندازۂ خراش پیک آسمانی در مشاہدہ آثار سال چہل [14] و یکم است۔“

اس کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ کج میں 1253 کے بعد کی کوئی چیز شامل نہیں، لیکن اس کے حواشی کا معاملہ جداگانہ ہے، ان میں ایک قصیدہ، دو رباعیاں، کئی غزلیں اور ایک غزل کا ایک شعر، اور چند مثنویات و قطعات ہیں، جو اتمام کتابت کے بعد کا اضافہ ہیں۔ ان میں سے بعض کا زمانہ تصنیف معلوم ہے، اور یہ 1254ھ کے بعد ہے۔ حواشی میں غزلوں کے کچھ اشعار ایسے بھی ہیں، جو ظاہراً کاتب نے سہواً چھوڑ دیے تھے، اس کا احساس ہوتے ہی بڑھا دیے۔

خاتمۂ مذکور میں غالب نے اشعار ’کج‘ کی مجموعی تعداد 5 ہزار [15] بتائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتمام کتابت کے بعد جو اشعار حواشی میں درج ہوئے ہیں وہ 5 ہزار میں شامل نہیں۔

کج میں (بعد اختتام کتابت کے اضافات سے قطع نظر) کل 4888 اشعار بصراحت ذیل ہیں: قطعات [16] 334، معمیات 3، مثنویات 601، قصائد 872، غزلیات 2988، رباعیات 90

’کظ‘ میں دیباچہ و خاتمہ (بعنوان ’تقریظ‘) کے سوا کوئی نثر نہیں۔ ’کج‘ میں ورق 18 (الف) تک نثر و نظم مخلوط ہیں، اس کے بعد صرف نظم اور آخر میں خاتمہ۔ درمیان میں کوئی نظم آئی ہے تو اس سے قطع نظر، ’کج‘ میں نثر میں ترتیب ذیل سے ہیں:

(1) دیباچہ، یہ وہی ہے جو ’کظ‘ میں ہے، مگر ’کج‘ میں یہ ’بگواللہ و برق ماسوا شو‘ پر ختم ہو جاتا ہے۔

(2) ’دیباچۂ رسالہ موسوم بگل رعنا‘ ’کث‘: 27

(3) دیباچۂ دیوان ریختہ، دیوان و ’کث‘: 29

(4) خط بعنوان ذیل ”سوادنامہ کہ بنواب علی اکبر خان، متولی امامبارہ ہوگلی بندر نگارش یافتہ“ ’کث‘: 45

(5) خاتمۂ گل رعنا، ’کث‘: 31 ’گزاردہ آمد‘ کے بعد ’ہذا‘ ’کج‘ میں اس کی جگہ سواد نثر

---

[13] کظ میں ’ہفتاد و ہشت‘ کم، کث اور پنج آہنگ اشاعت 2 میں مطابق کج

[14] کظ میں ’ششت و ششم‘ کم، کث اور پنج آہنگ اشاعت 2 میں مطابق کج

[15] کظ میں 10424، کم میں 6 ہزار، کث میں تعداد کی جگہ خالی اور ’پنج آہنگ‘ اشاعت 2 میں مطابق کم۔

[16] کظ کا قطعہ: (4 بیتی) دراصل مثنوی ہے، اس مقالے میں بھی یہ قطعات میں محسوب ہے۔

غیر منقوطہ۔ 'کث' صفحہ 32 میں 'وہو ہذا' کے بعد 'مطرح' 'کخ' میں ان دونوں کے درمیان 'عرضداشت غیر منقوطہ'

(6) دیباچہ 'کظ' کا باقی ماندہ حصہ بعنوان ذیل ''سخن در باعث شیرازہ بندی این اوراق پراگندہ وستایش برادر بدل بمہر آگندہ۔''

(7) خاتمہ۔اس کے آغاز میں 'تقریظ' کی جگہ عبارت ذیل ہے:

''لختی سونش از گرد وپیش گہرہاے سفتۂ نظم بدم گر[م] آوردہ بہ نیم روانے اندیشہ باہم سرشتن و جواہر مہرہ از نثر ترتیب دادہ سخن را بمہر خاموشی رساندن'' قطعات ذیل 'کخ' و'کظ' میں مشترک ہیں۔

1 تا 4، 6، 9، 10، 11 ''بیان بے مہری خویشان وشرح بیداد جور اندیشان ومنع لب از گلۂ ایشان۔''

13، 15 ''شکوۂ بیداد بسہل تقریب از دل زدودن وستمگر را در آزار خویش معذور داشتن۔''

16 ''تضمین شعر استاد بمذمت اہل بیداد۔''

17، 19 ''دست نوازش پشت گربۂ مسکین فرود آوردن و بلا بہ ولاغ از آزار جاندارش باز داشتن۔''

22 تا 24، 25 مدح سگالی نواب ذوالفقار بہادر مسند آرے باندہ بانداز شکایت فراموشی برنگارنگ گرم خونی وگرم جوشی۔''

26 بمہر برادان سعادت توامان، میرزا ضیاء الدین احمد خان وسید ذوالفقار الدین خان دل ودیدہ را بہم آمیختن ومینوکدہ درفضاے خیال برانگیختن۔''

45 ''سیہ پوشی ورق خونابہ چکانی قلم ومویہ سرائی نفس بمرگ داور ستودہ سیر مستر اندرو استرلنگ بہادر۔''

46 ''قطعہ در تاریخ ورود نواب گورنر جنرل بہادر۔''

47 ''گزارش تاریخ طوی اندوہ شوے را تقریب نگارش مدح شاہ اودھ ساختن و بمر غولۂ گلبنا نگ بیان شادابی گلہاے آن نوآیین چمن ولولہ در ضمیر بلبل نوایان انداختن۔''

48 ''تاریخ نگارین گشتن قرطاس بواقعۂ فتح بھرت پور کہ کلک جادو رقم صاحب خلق عمیم

حضرت مولوی محمد فضل عظیم آن رادر بحر شاہنامہ نظم کردہ وداد معجز بیانی دادہ۔''

49 ''تاریخ اساس پذیر فتن مسجد بمقبرۂ قاضی القضات سراج الدین علی خان مرحوم۔''

50 ''جنبش قلم بنگارش تاریخ امام بارہ کہ در کلکتہ بحلہ اٹالی بہ مزار اقضی القضات سراج الدین علی خاں مرحوم و مغفور واقعست۔''

51 ''تاریخ وفات اعلم العلماء العظام اسوۂ فضلاے کرام حضرت مولوی فضل امام۔''

52 ''تاریخ رحلت میر فضل علی کہ بفرمان مبارز الدولہ نواب حسام الدین حیدر خان بہادر رقم پذیر فت۔''

53 ''تاریخ رحلت مرزا مسیتا بیگ کوتوال لکھنؤ بفرمان مولوی صدر الدین خان بہادر صدر الصدور۔''

60، 61 ہر دو بعنوان فاتحہٗ

'کظ' کے قطعات ذیل حواشی 'کخ' میں ہیں: 5، 7، 8، 12، 14 (ایک شعر زائد مگر یہ اس طرح مٹا دیا گیا ہے کہ مصرع 1 کی ابتدا میں 'غالب' اور مصرع 2 کی آغاز میں 'ہمہ' کے علاوہ کچھ پڑھا نہیں جاتا) 18، 20، 27 تا 29، 33، 40، 43، 54، 55، 22 بعنوان 'نوحہ'۔

حواشی 'کخ' کے قطعات ذیل 'کظ' سے غیر حاضر ہیں مگر 'کث' میں موجود ہیں:

(1) قطعہ متعلق 'گلشن بے خار' ص: 34

(2) قطعہ ''اے شمع بزم ماتم قاتل چگونہٗ'' صفحہ: 84 میں بعنوان 'رباعی' مگر رباعی کے وزن میں نہیں۔

(3) ''قطعہ در دیباچۂ دیوان رحیم الدین شاہزادہ'': 38

(4) قطعۂ دو بیتی جس میں اس مصرع کی تضمین ہوئی ہے:: ''مارا ازین گیاہ ضعیف این گمان نبود'': 74

(5) قطعۂ دو بیتی جس کا مصرع آخر یہ ہے ''ہم زخوی تو پدیدار دل آرائی مہر'': 80

کخ میں 3 یک بیتی معمے ہیں: 'بنام عبداللہ'، 'باسم کمال'، 'باسم شیخ کمال' یہ 'کظ' میں نہیں۔

مثنویات کا آغاز نثر کے بعد ہوتا ہے اور پہلی مثنوی کا یہ عنوان ہے: ''افتتاح عنوان مثنویات کہ چمن در چمن و باغ در باغ، بمثنوی مسمیٰ 'بدر دو داغ' اس کے بعد ''مثنوی موسوم بہ

چراغ دیر'۔ ''مثنوی موسوم بہ سرنگ و بو' اور ''مثنوی موسوم بہ بادمخالف'' ہیں، یہ چاروں 'کظ' میں شامل ہیں۔

'کظ' کی ''مثنوی موسوم بہ سرمۂ بینش'' حواشی کخ میں ہے۔حواشی کی ایک مثنوی 5 اشعار کی ہے، جن میں سے 3 'کظ' (صفحات 119 و120) میں مثنوی ابر گہر بار میں شامل ہیں، اور دو جوذیل میں درج ہیں 'کث': 36 میں ہیں:

دوئی بے کفن مردۂ در رہش | خودی داد گر شحنۂ در گہش
روان را بدانست سرمایہ دہ | زبان را بگفتار پیرایہ دہ

حواشی کخ کی مثنویات ذیل کث میں ہیں، مگر کظ سے غیر حاضر ہیں:

(1) ''مثنوی در وصف گل کیورہ'' ص:96
(2) ''در تعریف سخن'': ''ای بہ شناسایی نقد سخن'': 33
(3) ''مثنوی در بیان ظہور صبح'': 35
(4) ''در تعریف شام'': 36
(5) 'مثنوی': ''بدہر آرایش دیوان حافظ'': 37
(6) ''مثنوی در مدح بہادر شاہ بادشاہ'': 38

کظ کے قصائد ذیل کخ میں ہیں:

(1) قصیدۂ 2 ''بمصقلۂ نعت زنگ خمول از آیینۂ گفتار زدودن و بذریعۂ افدستاے ستودہ ایزد خودرا بصفت یکتائی ستودن'':

مرا دلیست بہ پس کوچۂ گرفتاری

(2) قصیدۂ 3 ''مژدۂ مینا از بساط بزم برہم خوردۂ طرب برچیدہ بجیب دل انداختن و در سفراز خار خار ذوق وطن نالیدن و جراحتہاے درونی را از دارالشفاے نعت رسول عربی مرہم نہاد'':

آن بلبلم کہ در چمنستان بشاخسار

(3) قصیدۂ 4: ''برومندی نخل نعت کہ اصل سعادت است پیوند منقبت کہ شاخ میوہ دار نہال ارادت است'':

چون تازہ کنم در سخن آیین بیان را

(4) قصیدۂ 5: ''صورت نمائی راز شبانہ در آیینۂ فروغ صبح گاہی بکشودن بند نقاب سخن بتائید نازش مدح یداللٰہی'':

صبح کہ در ہوای پرستاری وثن

(5) قصیدۂ 6: ''از جوش جگر تشنگی ذوق ستایش امیرالمومنین بگرداب اندیشہ درافتادن و بمینو از سرچشمۂ کوثر سر برآوردن وہم در آن سرمستی قطرہ ہاے چند از بیان افشاندن'': ''ناز بگرانمایگی دل کہ زسودا''

(6) قصیدۂ 7: ''بنیر وی نازش بندگی گستاخانہ باایستادگان طرف بساط مرتضوی عرض حال کردن'': ''خواہم کہ ہمچو نالہ ز دل سر برآوردم''

(7) قصیدۂ 9: ''کاہش دل درکشاکش ناسازی طالع ذ نبی و چارۂ آن بتضمین رنجور بلبوب کبیر نعت سبط نبی'': ''مگر مرا دل کافر بود شب میلاد''۔ زایچہ جو کظ میں ہے۔ کخ میں نہیں۔

(8) قصیدۂ 13 ''بگزارش مدح گیہان خدیو محمد اکبر شاہ غازی و شاہزادہ سلیم در شیوۂ معنیٰ آفرینی عرفی را بر خود برشک آوردن و در عالم نام آوری و جائزہ یابی خود بر طالع عرفی حسد بردن'':

''درین زمانہ کہ کلک رصد نگار حکیم''

(9) قصیدۂ 14 ''بلند آوازگی ساز تمناے دلنوازی بجنبش مضراب مدح حضرت ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ غازی'':

''زان گنجنامہ کز خط ساغر گرفتہ ایم''

(10) قصیدۂ 32 ''زانو زدن شخص اندیشہ بنظر گاہ التفات گورنری باداے سپاس بندہ نوازی و دردمند پروری'':

''باز باطراف باغ آتش گل در گرفت''

(11) قصیدۂ 35 ''بانداز تہنیت احراز پایۂ وپس پریسڈنٹی شور مدح سر چارلس مٹکاف بہادر انگیختن'': ''یافت آیینۂ بخت توز دولت پرداز''

(12) قصیدۂ 39 ''سخن در ثناے داور خوشخوے بہشتی روے بجاہ کخیسر و وبداد سنجر مستر اندر و استرلنگ بہادر'':

''فغاں کہ نیست سر و برگ دامن افشانی''

(13) قصیدۂ 40 ''ثنائے داور حق پرست حق گرا بجرم حق پسندی کشتۂ زخم اہل جفا امیر بارائے و فرہنگ و حاکم باہوش و ننگ مدبرا لدولہ انتظام الملک صفوتیار خاں ولیم فریزر بہادر صلابت جنگ'':

''ز جیب افق مہر چوں سر برآرد''

(14) قصیدہ ''گرائش خیال لکھنؤ بسر و برگ ذریعۂ این قصیدہ و نگارش پذیرفتن مدح شاہ اودھ در جریدہ و بورق یادگار ماندن مدح بممدوح نارسیدہ از عالم مستی ببوئے بادۂ ناکشیدہ'':

''گر بسنبل کدۂ روضۂ رضوان رفتم''

کظ کا قصیدۂ 61 ''زان نمی ترسم کہ گردد قعر دوزخ جائے من'' عنوان ذیل کے ساتھ حاشیۂ خ میں ہے: ''قصیدہ درستایش مولوی محمد صدرالدین خان بہادر صدر الصدور شاہجہان آباد۔''

☆

کخ میں غزلوں کا عنوان یہ ہے: ''از گرد خرام خامہ نمک بر زخم دل ریختن و بخستن جستن غزالان غزل شور رستخیز از نہاد ورق برانگیختن۔'' کظ کی طرح کخ کی پہلی غزل یہ ہے: ''اے بخلا وملا خوئے تو ہنگامہ زا'' کخ میں کوئی ایسی غزل نہیں، جو کظ میں نہ ہو، لیکن، دو غزلوں کا ایک ایک شعر جو کخ میں ہے، کظ سے غیر حاضر ہے:

جان در ہجوم جلوۂ قاتل صفا گرفت
گوئی کتان خویش بمہتاب شستہ ایم
عبادت خانۂ خواہم چو قصر منعمان رنگین
غم دینے کہ من دارم غم دنیا ست پنداری

کظ کی غزلہائے ذیل کخ یا حواشی کخ میں نہیں ہیں؛ کظ کی طرف رجوع کرنے سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ کخ میں کون کون سی غزلیں ہیں:

(1) چون بقاصد بسپرم پیغام را
(2) حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است
(3) لب شیرین تو جان نمک است

(4) ہر چہ فلک نخواستست ہیچ کس از فلک نخواست

(5) از فرنگ آمدہ در شہر فراوان شدہ است

(6) چون صبح من بسیاہی زشام مانند است

(7) دل بردوحق آنست کہ دلبر نتوان گفت

(8) بوادیکہ دران خضر را عصا خفتست

(9) بامن کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست

(10) تابسویم نظر لطف جمس تا مسن است

(11) نشاط معنویان از شراب خانۂ تست

(12) ہند پرسش حالم نمی توان افتاد

(13) خوبان نہ آن کنند کہ کس را زیان رسد

(14) چہ عیش از وعدہ چون باور زعنوانم نمی آید

(15) گر چنین ناز تو آمادۂ یغما ماند

(16) نیست وقتیکہ بما کاہشے از غم نہ رسد

(17) باید زمے ہر آیینہ پرہیز گفتہ اند

(18) چاک چاک از جیبم بداماں میرسد

(19) بتان شہر ستم پیشہ شہریارانند

(20) دلستان نخلند ارچہ جفا نیز کنند

(21) نقابدار کہ آئین رہزنی دارد

(22) ترا گویند عاشق دشمنی آرے چنین باشد

(23) از رشک کرد آنچہ بمن روزگار کرد

(24) کسے بامن چہ در صورت پرستی حرف دین گوید

(25) بیدل نشد ار دل بہ بت غالیہ موداد

(26) چوزہ بقصد نشان بر کمان بجنباند

(27) پروا اگر از عربدۂ دوش نکردند

(28) بمرگ من کہ پس از من بمرگ من یاد آر

(29) اے ذوق نوا سنجی بازم بخروش آور

(30) دوشم آہنگ عشا بود کہ آمد در گوش

(31) بیا بباغ و نقاب از رخ چمن در کش

(32) گفتم ز شادی نبودم گنجیدن آسان در بغل

(33) بسکہ بہ پیچد بخویش جادہ زگمراہیم

(24) دیدم آن ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم

(35) صبح شد خیز کہ روداد اثر بنمایم

(36) زمن حذر نکنی گر لباس دین دارم

(37) رفت بر ما آنچہ خود ما خواستیم

(38) ہا پری چہرہ غزالان و زمردم رم شان

(39) چون شمع رود شب ہمہ شب دور ز سرمان

(40) سرشک افشانی چشم ترش بین

(41) بتے دارم از اہل دل رم گرفتہ

(42) شاہا بزم جشن چو شاہان شراب خواہ

(43) در زمہریر سینۂ آسودگان شد

(44) بر دست و پاے بند گرانے نہادۂ

(45) گر نہ نوا ہا سرودے چہ غمستے

(46) اے کہ گفتی ندہی داد دل آرے ندہی

کخ و کظ کی مشترک غزلوں کا ایک ایک شعر مقدم الذکر سے غیر حاضر ہے:

سر رشتۂ ہرکار نگہ دار ز مستی
آشفتگی طرہ بدستار میاموز

ہرچہ از جان کاست در مستی بسود افزودمش
ہرچہ با من ماند از ہستی زیان نامیدمش

کظ کی غزلہاے ذیل حواشی خ میں ہیں:

(1) آشنایانہ کشد خار رہت دامن ما

(2) من آن نیم کہ دگر میتوان فریفت مرا

(3) آن کہ در پردہ بصد داغ نمایانم سوخت

بعنوان 'یا اسداللہ الغالب'

(4) نادان صنم من روش کارندانند

(5) درگریہ از بس نازکی رخ ماندہ برخاکش نگر

(6) تیغ از نیام بیہدہ بیرون نکردہ کس

(7) در وصل دل آزاری اغیار ندانم

کظ کی ایک غزل: ''ساخت زراستی بغیر ترک فسونگری گرفت'' کا صرف مطلع حاشیہ کخ میں ہے۔

کخ و کظ کی مشترک غزلوں کے اشعار ذیل حواشی کخ میں ہیں:

(1) مشت..... غبار خودیم ما

(2) دہ.......... پیشانی مرا

(3) ہمطرحی..... برانداختۂ ما

(4) فرصت..... ماہے دریاب

(5) بودش..... بباید چہ عجب

(6) دہ..... ہر افتادہ است

(7) شباہتیست..... میاں تو نسیت

(8) از.......... پراز ندانست

(9) چو وارسید..... دکانم سوخت

(10) نفس.......... بیانم سوخت

(11) مشاطہ..... ہنگامہ فروریخت

(12) افسانہ..... گفتن درین چہ بحث

(13) بیچارہ..... بشیون درین چہ بحث

(14) گر..... رضاے ما مسنج

(15) اے.......... دہان ہیچ

(16) نور.......... ساغر کلیم طرح

(17) برہم.......... شمشاد بجنبد

(18) امشب.......... مسعود میرود

(19) گوئی.......... ماچہ میرود

(20) گر.......... جاچہ میرود

(21) ازین..... گریبان برنمی آید

(22) من و ناسازی..... نگریز داز کاغذ

(23) ز.......... میخیز داز کاغذ

(24) تا.......... دراز آوردنش

(25) رحمت..... نماز آوردنش
(26) سرمایہ.......... میدہد عوض
(27) این مسلم..... بود غلط
(28) من..... گذرد روغ دروغ
(29) باغمت..... قضا گشت تلف
(30) منماے.......... شود ہلاک
(31) تنم..... کارمن اندک
(32) پیمانہ..... بسیلاب شستہ ایم
(33) در.......... خبردارش کنم
(34) آورگی.......... گرفتہ ایم
(35) یک جہان..... نزار افتادہ ایم
(36) تا.......... دعا خیزدازو
(37) بلب..... جفائیکہ داشتی داری
(38) تو کے..... راست نمائیکہ داشتی داری
(39) ہنوز..... پردہ کشائیکہ داشتی داری

جنون مستم بفضل نوبہاران می توان کشتن
صراحی برکف وگل در کنارم می توان کشتن
گرفتم کے بشرع ناز زارم می توان کشتن
بفتوائے دل امید وارم می توان کشتن

کخ میں مصرع 1 و 4 یکی بعد دیگرے ہیں اور مصرع 2 و 3 حاشیے میں الگ الگ۔
ک کی 60 رباعیات کخ یا اس کے حواشی میں نہیں ہیں:
''چرگر کہ ز زخمہ زخم برچنگ زند''
''گیرم کہ ز دہر رسم غم برخیزد''
''بردل از دیدہ فتح باب است این خواب''۔(یہ اور اس کے بعد کی 5 رباعیاں)۔
''خواہم کہ دگر سخن بہ پیغارہ کنم''
''درخورد تبر بود درختے کہ مراست''۔(یہ اور اس کے بعد کی 5 رباعیاں)۔
''درباغ مراد ناز بیداد رتگرگ''۔(یہ اور اس کے بعد کی 2 رباعیاں)۔
''دبسمل کہ سخن طراز مہر آئین است''۔(یہ اور اس کے بعد کی 2 رباعیاں)۔
''اے آں کہ گرفتہ ام بکوئے تو پناہ''۔(یہ اور اس کے بعد کی 2 رباعیاں)۔
''نے کشتۂ زخم ناوک وشمشیرم''
''تا موکب شہریار زین راہ گذشت''

چوں درد تہہ پیالہ باقیست ہنوز۔ (یہ اور اس کے بعد کی 5 رباعیاں)۔

''دستم بکلید مخزنے میبایست''۔ (یہ اور اس کے بعد کی 27 رباعیاں)۔

کظ کی رباعی ''تا میکش و جوہر دو سخنور داریم'' حاشیۂ کخ میں ہے۔

کخ کی رباعی ''اے دادہ بباد عمر در لہو و فسوس'' اور حاشیۂ کخ کی رباعی ''اے بدھر نام تو شاہرخ است'' کظ میں نہیں۔

کخ کے کچھ، اور حاشیۂ کخ کے ایک شعر پر صاد بنا ہوا ہے، عجب نہیں کہ اگر یہ فعل خود غالب کا ہو:**

تعالی اللہ برحمت شاد کردن بیگناہان را	خجل پسندد از رم کرم بیدستگاہان را
بنازم خوبی خوردن گرم محبوبے کہ در مستی	کند ریش از مکیدنہا زبان عذر خواہان را
ز جورش داوری بردم بدیوان لیک زین غافل	کہ سعی رشکم از خاطر برد نامش گواہان را
ازین بیگانگیہا می تراود آشنایہا	حیا میوزرد و در پردہ رسوا میکند مارا
فدایت دیدہ و دل رسم آرایش مپرس از من	خراب ذوق گل چینی چہ داند باغبانی را
عرصہ بر الفت اغیار چہ تنگ آمدہ است	خوش فرو رفتہ بطبع تو خوشا کینۂ ما+

** اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ ان اشعار پر خود غالب نے 'صاد' بنایا ہو'پنج آہنگ' کے آہنگ چہارم میں غالب نے اپنے انتخاب کیے ہوئے کچھ اشعار درج کیے ہیں، ان کے کچھ شعر پیش نظر انتخاب میں بھی موجود ہیں۔ اسی طرح کچھ شعر غالب کے اپنے انتخاب کردہ مجموعے میں ملتے ہیں جو انھوں نے رامپور بھیجا تھا جہاں جہاں وہ شعر آئے ہیں وہاں یہ نشان (+) لگا دیا گیا ہے۔

اصل مضمون میں پورے شعر درج نہ تھے بلکہ طوالت سے بچنے کے لیے ہر شعر کے ابتدائی اور آخری لفظ نقل کر دیے گئے تھے اور درمیان میں نقطے ڈال دیے گئے تھے۔ اس خیال سے کہ ان اشعار کے پسندیدۂ غالب ہونے کے خاص امکانات ہیں، یہاں یہ اشعار 'کلیاتِ غالب' طبع اوّل (لکھنؤ، 1863) سے لے کر درج کر دیے گئے ہیں۔ متن کی صحت کی ذمے داری مضمون نگار پر نہیں ہے اور نہ پیش کیا ہوا متن نسخۂ خدا بخش کے اس دیوان فارسی کے مطابق ہے جس پر یہ مضمون لکھا گیا ہے۔

(ایڈیٹر: مجلہ علوم اسلامیہ)

جوئے از بادہ و جویے ز عسل دارد خلد
لب لعل تو ہم این است و ہم آنست مرا

بت مشکل پسند از ابتذال شیوہ میرنجد
بگوییدش کہ از عمرست آخر بے وفا یہا

زاہد مناز چندین ز نارم ارگستی
از جبہہ ام ندزدد کس سجدۂ صنم را

زمن گرت نبود باور انتظار بیا
بہانہ جوے مباش و ستیزہ کار بیا

در ہجر طرب بیش کند تاب و تبم را
مہتاب کف مار سیاہست شبم را

آوخ کہ چمن جستم و گردون عوض گل
در دامن من ریختہ پاے طلبم را

از لذت بیداد تو فارغ نتواں زیست
دریاب عیارِ گلۂ بے سیم را

ترسم کہ دہد نالہ جگر را بدریدن
قطع نظر از جیب بدوزید لبم را+

باہمہ خرسندی از وے شکوہ ہا دارم ہمی
تا نداند صید پرسشہاے پنہانی مرا+

تا براہت مردم و یکرہ بخاکم نامدی
دوزخے گرویدہ اندوہ پشیمانی مرا

مردم بکینہ تشنۂ خون ہمند و بس
خون میخوریم چون ہم ازین مردمیم ما+

پنہان بہ عالمیم ز بس عین عالمیم
چون قطرہ یہ در روانی دریا گمیم ما

خوشا جانے کہ اندوہے فرو گیرد سراپایش
ز نومیدی توان پرسید لطف انتظار ما

حریفان شورش عشق ترا بے پردہ دیدندے
بداما گر نگشتی موسم گل پردہ دار ما

ہنوز از مستی چشم تو می بیبالد تماشائی
بموج بادہ ماند پر تو شمع مزار ما

در عربدہ چشمک زند و لب گزد از ناز
تا بوسہ لبم را ز طلب باز ندارد

لبم از زمزمۂ یاد تو خاموش مباد
غیر تمثال تو نقش ورق ہوش مباد+

وعدۂ گردیدہ وفا طرہ پیشانی را
یارب امشب بدرازی تجل از دوش مباد

هر کرا رخت نمازی نبودا ز نم مئے | جاے در حلقهٔ رندان قدح نوش مباد

در نامه تا بنوشتمش کز شهر پنهان میروم | دل بست در مضمون ولے نامم بعنوان خوش نکرد
پروردهٔ نازیم برحمتکدهٔ عجز | برپای تو باشد سر افراختهٔ ما
بودیم نظر باز و تو بر دل زدهٔ باز | ای دیده نوازش ز تو ننواختهٔ ما

آوازهٔ شرع از سر منصور بلندست | از شب روی ماست شکوهِ عس ما+

تا چها مجموعهٔ لطف بهاران بودهٔ | تا بزانو سوده پای ما و می پوئیم ما

شوخی که خود ز نام وفاننگ داشتی | برباد میدہد بوفا نام و ننگ را

شبنم تاریک و منزل دور ونقش جاده ناپیدا | هلاکم جلوهٔ برق شراب گاه گاہی را

نازم سخنش را و نیابم دهنش را | خوش تفرقه در باطل و حق میکنم امشب

حسن تو در حجاب ز شرم گناه کیست | جا بر کرشمه تنگ ز جوش نگاه کیست
ما با تو آشنا و تو بیگانهٔ ز ما | آخر تو و خدا که جهانی گواه کیست
مو برنتابد این همه پیچ و خم شکن | زلف تو روزنامهٔ بخت سیاه کیست
بیخود بوقت ذبح تپیدن گناه من | دانسته دشنه تیز نکردن گناه کیست+

از ناله خیزی دل سختش در آتشم | کاین سنگ پرشرر ز هجوم نگاه کیست
گوید ز عجز چون تو خدا ناشناس حیف | یا چون خودی که داور گیتی گواه کیست
با تو به پند حرف به تلخی گناهِ من | با من بعشق غلبه بدعوی گناه کیست

دلم بعهد وفای فریفت نامه سیار | خوش ست وعدهٔ تو گرچه از زبان تو نیست
گمان زیست بود برمنت ز بیدردی | بداست مرگ ولے بدتر از گمان تو نیست+

تغافل تو دلیل تجاہل افتاد ست　　تو و خدای تو 'غالب' ز بندگان تو نیست

نگاہ خیرہ شد از پر تو رخش 'غالب'　　تو گوئی آیینۂ ما سراب دیدار ست

عہد وفا ز سوی تو نا استوار بود　　بشکستی و ترا بہ شکستن گزند نیست
آن لابہ ہای مہر فزا را محل نماند　　برخوان خود 'ان یکادُ' کہ مارا سپند نیست ‡
مے نوش و تکیہ بر کرم کردگار کن　　خط پیالہ را رقم چون و چند نیست
'غالب' من و خدا کہ سر انجام برشکال　　غیر از شراب وانبہ و برف آب و قند نیست

ہم وعدہ وہم منع ز بخشش چہ حساب ست　　جان نیست مکرر نتوان داد شرابست ‡
لہر اسپ کجا رفتی و پرویز کجائی　　آتشکدہ ویرانہ و میخانہ خرابست
دوشینہ بہ مستی کہ مکیدست لبش را　　کامروز بہ پیمانۂ مے در شکرابست

نگہ بچشم نہان و زجبہ چین پیداست　　شگرفی تو ز انداز مہر وکین پیداست
فتیلۂ رگ جان سر بسر گداختہ شد　　ز پیچ و تاب نفسہاے آتشین پیداست
زہے شکوہ تو کاندر طراز صورت تو　　زخود برآمدن صورت آفرین پیداست ‡

ظالم ہم از نہاد خود آزار میکشد　　بر فرق ارّہ ارّۂ تشدید بودہ است
تلخست تلخ رشک تمنای خویشتن　　شادم کہ دل ز وصل تو نومید بودہ است
ہر گونہ حسرتے کہ ز ایام می کشیم　　دُردِ تہِ پیالۂ امید بودہ است
حق را ز حلق جو کہ نو آموز دید را　　آیینہ خانہ مکتب توحید بودہ است

شنیدۂ کہ بآتش نسوخت ابراہیم　　ببین کہ بے شرر و شعلہ می توانم سوخت ‡
چہ مایہ گرم برون آمدی ز خلوت غیر　　کہ شکو در دل و پیغارہ برزبانم سوخت
مگر پیام عتابے رسیدہ است از دوست　　شکستہ رنگی یاران راز دانم سوخت

در عرض غمت پیکر اندیشۂ لالم　　پا تا سرم اندار بیانت و بیان نیست

پہلو بشگافید و بہ بینید دلم را　　تا چند بگویم کہ چسانست و چسان نیست+

گر منافق وصل ناخوش ور موافق ہجر تلخ　　دیدہ داغم کرد روی دوستان دیدن نداشت+

مستی انداز لغزشے دارد　　حیف پائی کہ آفتش ز سرست+
دوستان دشمنند ورنہ مدام　　تیغ او تیز و خون ما ہدرست
عقل و دین بردہ دل و جان نیز　　انچہ از مانبردۂ خبرست
شہ حریر و گدا پلاس برید　　انچہ من قطع کردم ام نظرست+
منت از دل نمیتوان براداشت　　شکر ایزد کہ نالہ بے اثر ست
ریزد آن برگ و این گل افشاند　　ہم خزان ہم بہار در گزرست

نشاط جم طلب از آسمان نہ شوکت جم　　قدح مباش زیاقوت بادہ گر غیبست+

آخر از مینا بجاہ و پایہ افزون نیستی　　بندۂ ساقی شود گردن ز ایمانش مپیچ

شتاب و زہد چہ ناقدر دانی ہستیست　　بلا بجان جوانان پارسا ریزد

گر جلوۂ رخ تو بساغر ندیدہ ایم　　چندین بذوق بادہ دلاز جا چہ میرود

شب ز خود رفتم و برشعلہ کشودم آغوش　　کو بدآموز کہ پیغارہ بدلدار برد
گفتہ باشی کہ بہر حیلہ در آتش فکنش　　غیر میخواست مرابے تو بہ گلزار برد+
باز حسپیدہ لب از جوش حلاوت باہم　　مرگ مشکل کہ زمالذت گفتار برد
مژہ ات سفت دل و رفت نگاہ توفرد　　کز ضمیرم گلۂ سرزنش خار برد
می زند دم زفنا 'غالب' وتسکینش نیست　　بو کہ توفیق ز گفتار بہ کردار برد

بوسم لب دلدار و گزیدن نتوانم　　زمست دلم حوصلۂ کام ندارد
آیا بدلت ولولۂ کسب ہوانیست　　یا آنکہ سرای تو لب بام ندارد

حکیم ساقی و مے تند و من ز بد خوئی
ز رطل بادہ بخشم آیم ار گران نبود

نگفتہ ام ستم از جانب خداست ولے
خدا بہ عہد تو بر خلق مہربان نبود+

چو عشرتے کہ کند فاسق تنک مایہ
ز زخم خون بزبان لیسم ارروان نبود

زمام ناقہ بدست تصرف شوقست
بسوے قیس گرایش ز ساربان نبود+

مرا کہ لب بطلب آشنا نخواستۂ
روا مدار کہ شاہد ضمیر دان نبود

بالتفات نگارم چہ جای تہنیت ست
دعا کنید کہ نوعے ز امتحان نبود+

عجب بود سر ہمخوابی کسے 'غالب'
مرا کہ بالش و بستر ز پرنیان نبود

زمن مترس کہ ناگہ بہ پیش قاضی حشر
ہجوم نالہ لبم را ز نالہ وا دارد

پئے عتاب ہمانا بہانہ می طلبد
شکایتے کہ زمانیست ہم بما دارد

ز جور دست تہی نالہ از نہادم جست
نئے کہ برگ ندار و ہمان نوا دارد

بخون تپیدن گلہا نشان یکرنگیست
چمن عزای شہیدان کربلا دارد

فغان کہ رحم آموز یا رشد 'غالب'
روا نداشت کہ برما ستم روا دارد+

تا خود بپردہ رہ ندہد کامجوی را
در پردہ رخ نمود و دل از پردہ دار برد

گفتند حور و کوثر و دادند ذوق کار
منع ست نام شاہد و مے آشکار برد+

تافتنہ را ز گردش چشم سیاہ گفت
کینے کہ داشتم بدل از روزگار برد

چشم ازان بپرس کہ پرسی و اہل کوی
گویند خستہ زحمت خود زین دیار برد+

نازم فریب صلح کہ 'غالب' ز کوی تو
ناکام رفت و خاطر امیدوار برد

شکست دلم حوصلۂ راز ندارد
آہ از نئے تیر تو کہ آواز ندارد+

ہرچند عدو درغم عشق تو بسازست
دانی کہ چو ما طالع ناساز ندارد

تمکین برہمن دلم از کفر بگرداند
بتخانہ بتے خانہ برانداز ندارد

بے حیلہ ز خوبان نتوان چشم ستم داشت
رحمست بران خستہ کہ غماز ندارد

به مستی چتر بستن های طاوست پنداری — نشست ساقی و انگیز مینای مئے تابش

مقتول خویشان خودم جوئید خون ریز مرا — زینان که بر نعش منند از بهر شیون گشته جمع

رقصم بذوق روی او چون بینم اندر کوی او — هم رفته نفت و بوریا هم سنگ و آهن گشته جمع

ای عاشق بیچاره را در کوه و صحرا داده سر — فوجے زخویشانش نگر در کوی و برزن گشته جمع

رنگ و بو بود ترا برگ و نوا بود مرا — رنگ و بو گشت کهن برگ و نوا گشت تلف

بزم باده گریبان کشودنش نگرید — خوشا بهانهٔ مستی خوشا رعایت شوق+

دخان ز آتش یاقوت گر دمد عجبست — عجب ترست ازین بر لبش حکایت شوق

غلط کند ره و آید به کلبه ام ناگاه — صنم فریب بود شیوهٔ هدایت شوق

متاع کاسد اهل هوس بهم بر زن — کنون که خود شدهٔ شحنهٔ ولایت شوق

مرد آنکه در هجوم تمنا شود هلاک — از رشک تشنهٔ که بدریا شود هلاک+

گردم هلاک مژدهٔ فرجام رهروی — کاندر تلاش منزل عنقا شود هلاک

غم لذتیست خاص که طالب بذوق آن — پنهان نشاط ورزد و پیدا شود هلاک

فیض سرگرمی دور قدح مے دریاب — برگ ریز ست به دی ماه اگر تاک چه باک

ناخن غصه تیز شد دل بستیزه خو گرفت — تا بخود اوفتاده ایم از تو کرانه کرده ایم

'غالب' از انکه خیر و شر جز بقضا نبوده است — کار جهان ز پر دلی بے خبرانه کرده ایم

بو گرفتار تو و دیرینه آزاد خودم — وه چه خوش بودی که بودی ذوق بیداد خودم

چون سر آمد پارهٔ از عمر قامت خم گرفت — این منم کز خویشتن بر خویش باری داشتم

قلزم فشانی مژه از پهلوی دلست — این ابر را برات بدریا نوشته ایم

در هیچ نسخه معنی لفظ امید نیست — فرهنگ نامهای تمنا نوشته ایم+

آیندہ و گزشتہ تمنا و حسرت ست | یک 'کاشکے' بود کہ بصدجا نوشتہ ایم‡

دوزند گر بہ فرض زمین را بآسمان | حاشا کزین فشار در امرو خم افکنم‡

نقش بہ ضمیر آمدہٴ نقش طرازم | حاشا کہ بود دعوی پیدائی خویشم‡

جلوہٴ معنی بجیب وہم پنہان کردہ ایم | یوسفے در چار سوی دہر نقصان کردہ ایم

ہم بعالم ز اہل عالم بر کنار افتادہ ام | چون امام سبحہ بیرون از شمار افتادہ ام‡

چہ پرسی کزلبت وقت قدح نوشی چہ میخواہم | ہمین بوسیدنی چون مست ترگردی مکیدن ہم‡

مستم بکنارم خزوتن زن کہ درین وقت | ہرگز نشناسم کہ چہ بود و چہ کسست این

وای ز دل مردگی خوی بد انگیختن | آہ ز افسردگی روی دژم داشتن‡
راز برانداختن از روش ساختن | دیدہ و دل باختن پشت و شکم داشتن
باہم اشکستگی دم ز درستے زدن | باہم دل خستگی تاب ستم داشتن
گریہ ام ازبیکسیست بوکہ درین پیچ وتاب | تن بروانی دہد نامہ زنم داشتن‡

سر از حجاب تعین اگر برون آید | چہ جلوہ ہا کہ بہر کیش میتوان کردن
لب دوختم ز شکوہ ز خود فارغم شمرد | نشناخت قدر پرسش پنہان شناختن
نازم دماغ ناز ندانی ز سادگیست | کشتن بہ ظلم و کشتہٴ احسان شناختن

خواہم شود بہ شکوہ و پیغارہ رام من | در گونہ گون ادا بزبانہا ستودہٴ
بادوستان مباحثہ دارم ز سادگی | در باب آشنائی نا آزمودہٴ

نگاہش شرگمین باشد چومژگان سرکشست آری | فروماند سپہ داری کہ برگردد سپاہ ازوی‡

رباعی

ای آنکھ براہ کعبہ روئے داری — نازم کہ گزیدہ آرزوئے داری

زین گونہ کہ تند می خرامی دانم — در خانہ زن ستیزہ خوئے داری

غالب نے حواشی میں دو شعروں کا مطلب خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے بعض اور چیزیں بھی غالبًا ان کے قلم سے ہیں مثلاً قطعہ 14:

شباہتیست مرانرا کہ برنیامدہ است — وگرنہ موی بباریکی میان تونیست

سب کمر کو بال باندھتے ہیں، شاعر کہتا ہے کہ استغفراللہ، بال کو کیا نسبت ہے کمر سے کہ نظر آتے ہی نہیں اور بال نظر آتا ہے ہاں وہ بال جو ابھی نہیں اُگا اور نہیں نکلا اس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ۔ غالب:

در صفحہ نبودم ہمہٗ آن چہ در دل است — در بزم کمتر است گل و در چمن بسیست

"پھول باغ سے آیا کرتے ہیں، باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں اور میرا دل چمن ہے اور صفحہ انجمن۔ مضامیں اتنے ہی نہ تھے جو دیوان میں آگئے، چمن میں پھول اور دل میں معنی بہت ہیں۔ غالب:

حواشی یا بین السطور میں بعض الفاظ یا بعض اشعار سے متعلق اشارات ہیں؛ ان کے ذمے دار غالب معلوم ہوتے ہیں:

1: (1) قطاس— گجگاہ

(2) ناخویشتن دراُفت— صیغہٗ امر

(3) ایاس— ایاز

نثر:3 فریور— نادر وخوب

نثر:5 اگر مردم— اگر مرد ہستم

نثر:6 تاز دیوانم کہ سرمست سخن خواہد شدن— کدامیہ

قطعہ:1 ایبکم از جماعہٗ اتراک— جمع ترک، نام قوم

قطعہ:47 لآل— گہرہا

مثنوی درد وداغ: دید جوان کاین چہ بلاشد چہ شد— شاہزادہ

مثنوی بادمخالف: زی یاران — ای جانب یاران ۔ فتنہ — مفتون

قصیدہ: 7 خمیۂ کبود — آسمان ۔ نیلگون پرند — آسمان

قصیدہ: 9 لبوب — جمع لب ۔ سبط — اولاد

مگر مرا دل کافر بود شب میلاد — سیاہ

کہ رفتہ بود بدروازۂ ارم شداد — مراد حسرت

رماد — خاکستر ۔ استواری پاساد — ای حفظ وضع

قصیدہ: 32 دسمبر — ماہ انگریزی درآخر سال

قصیدہ: 40 رہی — بندہ

غزل (الف) گریۂ ابر بہاری کردہ آبی کارما ۔ خراب کرد کارما

غزل (ب) یکے بزعم دل ناامیدوار بیا — یک بار

غزل (ج) جہان رادیدم وگردیدم آباد وخرابش را — ضمیر بسوی جہان زشادی جان

بہاگفتم متاع کم میانش را — ارزاں

غزل (د) ہلاکستم فراخیہای عیش سخت جانان را — ہلاکم ست (کذا) پائیز — خزاں

غزل (ہ) ازشاخ گل افشاندوز خارا گہرانگیخت

آیینہ ما درخور پرداز ندانست

قسمت متعلق مصرع 1، قضاوقدر متعلق مصرع 2

غزل (و) کہ بے وفائی گل درشمار بُلبجیست — بلبجی مثلہ بُلغار

غزل (ز) دردست دیگریست سفید وسیاہ من

باروز وشب بعربدہ بودن چہ احتیاج — لاتسبو الدھر فانہ ہو

غزل (ح) خوشا سوہن کہ ہرکس غوطہ زدروی تنش جان شد — نام دریای ہند

غزل (ط) پیوستہ روان ازمژہ خون جگرستم

رنگسیت زخم را کہ پریدن نشناسد — است مرا

غزل (ی) یاقوت بادہ برفوۂ آفتاب زد ۔ ڈانک، دہن افواہ جمع او ۔ 12

فوہ بالفتح وفاہ دھان، افواہ جمع وبفتحتین فراخدہان شدن بالضم وتشدید واو

مفتوح رودنگ کہ آنزاروناس گویند 12 منتخب

غزل (ک) جلوہ ات گل بکف آیینہ پرداز دہد — ہرگاہ آیینہ بینی

غزل (ل) نالہ درایوار شوق توشۂ راہے نداشت... شبگیر برد — کوچ روز

غزل (م) خون دشمن سرخ تر از خون فرزندش بود — ای دشمن را زیادہ از فرزند خواہد

غزل (ن) شکستہ مشربۂ آب و پارۂ زسویق — سکورۂ شکستہ، ہندی: ستو

غزل (س) لن ترانی بجواب ارنی چند و چرا

من نہ اینم بشناس وتو نہ آئی بشنو — موسی

غزلے چند بہنجار فغانی بشنو — از من

بارۂ گوش یمن دار و معانی بشنو — ہمیں

اس مقالے کی تحریر کے وقت میں نے کخ کے لفظ لفظ کا کظ سے مقابلہ نہیں کیا، مگر چند سال قبل اس کا اتفاق ہوا تھا۔ اس زمانے میں کخ کے متعلق جو یادداشت میں نے لکھی تھی، وہ غائب ہوگئی ہے، لیکن مجھے جہاں تک یاد ہے، اس سے قطع نظر کہ کونسی نظمیں دونوں میں مشترک یا غیر مشترک ہیں، اختلاف بہت کم ہیں:

(1) عنوانات جو کخ سے نقل ہوئے ہیں، کظ میں نہیں، اور بعض ہیں تو مختلف طور پر۔

(2) علی اکبر خاں کے نام کے خط میں چند غیر اہم لفظی اختلافات ہیں۔

(3) کظ کا ایک قطعہ ہے:

یا سراج الدین احمد چارہ جز تسلیم نیست

ورنہ غالب نیست آہنگ غزل خوانی مرا

کخ میں یہ دو جگہ ہے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ اس میں 'نیست آہنگ' کے بدلے 'میگزد ذوق' ہے۔

(4) کظ کا ایک شعر ہے:

می پرد مور مگر جان بسلامت ببرد

تا چہ برق است کہ شد نامزد خرمن ما

یہ شعر جس غزل کا ہے وہ حاشیۂ کخ میں ہے، اور اس میں 'خرمن' کے عوض 'دشمن' ہے جو

بے محل معلوم ہوتا ہے۔

(5) کظ کا ایک مصرع ہے: ''خون از جبین و دست ز قصاب شستہ ایم'' یہ حوض کج میں اس طرح ہے: ''تا خون خود ز دامن'' الخ، لیکن حاشیۂ کج میں مثل کظ ہے۔

○

(مجلّہ علوم اسلامیہ: دسمبر 1960)

حواشی مرتب

1 مقالے سے پہلے قاضی صاحب کے ہاتھ سے لکھی ہوئی اس عبارت میں یہ جگہ خالی چھوٹی ہوئی ہے، غالباً کسی ادبی جلسے کا عنوان و مقام رقم کرنا چاہتے ہوں گے۔

2 'اردو' کراچی جنوری 1968، بعدہٗ 'غالب نام آور'، انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان

غالب کا ایک فارسی قصیدہ

شیفتہ نے غالب کا کلیات نظم فارسی ایک مجہول الاسم کاتب سے لکھوایا تھا، اور اس کی کتابت اواخر 1257 ہجری میں تمام ہوئی تھی۔ اس کے حواشی میں جو اشعار ہیں، ان سے قطع نظر، سنہ مذکور کے بعد کا کوئی شعر اس میں نہیں۔ میں نے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب کی فرمائش سے اس کے متعلق ایک مقالہ لکھا ہے، جسے وہ عنقریب شائع کریں گے۔

کتب خانۂ دانش گاہ علی گڑھ کی ان کتابوں میں جو نواب محمد اسمٰعیل خاں نبیرۂ شیفتہ کا عطیہ ہیں، غالب کے اشعار فارسی کا ایک مجموعہ = م ہے، جس کے کاتب اور زمانۂ کتابت کے بارے میں کوئی اطلاع اس میں نہیں ملتی، لیکن، عجب نہیں کہ اس کا کاتب وہی ہو جو کلیات مذکور کا ہے، اور اس کی طرح یہ بھی انھیں کی فرمائش سے لکھا گیا ہو۔ مستثنیات سے قطع نظر اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کلیات میں ہو، اور یہ متیقین ہے کہ اس میں 72ھ کے بعد کا کلام نہیں۔

م میں ایک قصیدہ اس عنوان سے ہے: ''در تہنیت غسل صحت حضور[1] اقدس'' اور اس کا مصرع اوّل یہ ہے: ''در روزگار ہا نتواند شمار یافت'' غالب نے ہنگامہ 1857 کے بعد دستنبو لکھی اور چھپوائی تو اس میں یہ قصیدہ ترمیم شدہ شکل میں شامل تھا، اور ترمیم اس نوع کی تھی کہ اب یہ ملکۂ وکٹوریا کی مدح ہو گیا تھا۔ بعد کو یہ قصیدہ کلیات نظم فارسی طبع لکھنؤ میں درج ہوا تو اس کا عنوان یہ تھا: ''سی ام قصیدہ نیز در مدح شہنشاہ انگلستان''

م میں قصیدۂ ہذا کے اشعار کی تعداد 66 ہے اور ان اشعار میں سے 56 دستنبو[2] و کلیات

---

1. مراد از بہادر شاہ۔ غالباً اس قصیدے کا اسی بیماری سے تعلق ہے جس کا ذکر غالب کے خطوط میں ہے۔ ان خطوط سے اس کے زمانۂ تصنیف کی تعیین ہو سکتی ہے۔
2. دستنبو اس وقت پیش نظر نہیں، مگر جہاں تک مجھے یاد ہے، دستنبو میں قصیدہ اسی طرح ہے جس طرح کہ کلیات مطبوعہ میں ہے۔

(=کد) میں موجود ہیں کد میں اس قصیدے کے جو 60 اشعار ہیں، ان میں سے 4 م میں نہیں ہیں۔

پچیسویں شعر تک م و کد میں کچھ فرق نہیں؛ اس کے بعد م میں ذیل کے 4 اشعار ہیں جو کد سے غیر حاضر ہیں:

رنج از نہاد خسرو دیندار رخت بست
مقبول شد دعا و ہوا اعتبار یافت
طرف کلہ قسم بسر تاجدار خورد
روے نگیں نشاں زشہ نامداریافت
گردد دوتاچو رشتہ شود استوار تر
عمر دوبارہ خسرو فرخ تباریافت
آرے ز عمر خضر و مسیحا برد گرو
ایں نقد زندگی کہ شہنشہ دوبار یافت

ان اشعار کے بعد م میں کد کے اشعار 30 و 31 ہیں مگر موخر الذکر کا مصرع آخر م میں یوں ہے: ''امروز (از بسکہ کد) تاج کام دل اندر کنار یافت'' ان کے بعد کد کا شعر 26 م میں اس طرح ہے:

دولت سپند سوخت کہ دیں[۳] تازہ روئے شد
دیں[۴] آفریں سرود کہ دولت مداریافت

کد کے اشعار 27 و 28 م میں نہیں ہیں:

از انتظام شاہی و آئین خسروی
سور و سرور و دانش و داد انتشار یافت
برخستگان ہند بخشود از کرم
وکٹوریا کہ رونق از و روزگار یافت

---

۳ 'شد ملک تازہ دے' کد ۴ 'ملک' کد

م میں کد کے شعر 26 کے بعد ذیل کے 2 شعر ہیں جو کد میں نہیں ہیں:

جشنے است چشم روشنیِ شہریار را
خود چشم شہر روشنی از شہریار یافت
صاحبقران صورت و معنی ابو ظفر
کز نام وے قلم نفس مشکبار یافت

ان اشعار کے بعد م میں کد کا شعر 29 اس اختلاف کے ساتھ ہے کہ اس کا آغاز 'جشنے' کی جگہ 'بزمے' سے ہوتا ہے۔ اب م میں کد کے اشعار 32 تا 38 آتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ شعر 38 کی ابتدا 'تقویٰ' کی جگہ 'ہمت' سے ہوتی ہے۔ ان کے بعد م میں جو دو شعر ہیں، وہ کد سے غائب ہیں:

رضواں ز پیش گاہ خداوند نور و نار
فرمان نخل بندی دہلی دیار یافت
حوران خلد تاچہ بہم گفتگو کنند
زاں پیچ و تا بہا کہ دریں شاخسار یافت

اب م میں کد کے اشعار 39 تا 41، اختلاف صرف اتنا ہے کہ شعر 41 میں 'کجاست' کے عوض 'نبوذ' ہے۔ ان کے بعد م میں یہ دو شعر ہیں جو کد سے غیر حاضر ہیں:

در بزم بس کہ رنگ ہوا بارد از ہوا
ہر سادہ رو کہ بے خبر آنجا گذار یافت
تا دست در شکستن طرف کلاہ زد
در رخ نشان غازہ و برکف نگار یافت

اب م میں کد کے اشعار 42 تا 47 ہیں اور پھر اشعار 50 تا 58 آتے ہیں۔ کد کے اشعار 48 و 49 م میں نہیں ہیں:

تاج و نگیں علامت شاہست در جہاں
ایں ہردو ہر کہ شد بجہاں شہریار یافت

فرمانروائے ماست کہ از فرِّ شوکتش
شد تاج سرفراز و نگیں اعتبار یافت

کد کے اشعار 59 و 60م میں اس طرح ہیں:

ایں عمر را شمار نداند مگر خدا
در خود زروے ہندسہ گاہے شمار یافت
تقدیر کاروبار مسمیٰ باسم داد
ہر جا الف بنشت محاسب ہزار یافت

ہنگامۂ 1857 کی ناکامیابی کے بعد بہادر شاہ اور ان کے متعلقین پر جو کچھ گزری سب کو معلوم ہے، لیکن، اس کے کچھ ہی بعد، غالب نے اسی قصیدے کو ملکۂ وکٹوریا کی مدح کا قصیدہ بنا دیا اور اس میں انھیں کچھ قباحت نظر نہ آئی۔

○

(ہماری زبان، علی گڑھ، 22 جنوری 1960)

غالب کے ایک قصیدے کا اوّلین ممدوح

(1) غالب خاتمۂ گل رعنا میں جو کلکتہ کا لکھا ہوا ہے اور پنج آہنگ میں شامل ہے، سفر کلکتہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نخست[1] اتفاقِ ورود بہ لکھنؤ افتادِ نظم:

اندر آن بقعۂ معمور ز دلتنگی خویش — حسرت آگین چو گنہگار بزندان رفتم
جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبون — شد غلط جادۂ گلخن بگلستان رفتم
تشنۂ بحر تماشا شد نم صرفہ نکرد — کہ ز جوش عرقِ شرم بطوفان رفتم
سبزۂ رنگ طراوت بخزان باختہ ام — خس شدم تا بچراگاہ غزالان رفتم
کاش میسوختم و داد فنا میدادم — شرم بادا کہ بدان تازہ خیابان رفتم

رفتہ رفتہ ذکر خاکساری ہای مرا بزم آغا میر... کہ در آن روزہا باآہنگ معتمدالدولگی بلند آوازہ بود وتبرخانی فرمانروای آن کشور ومدارالمہامی آن سلطنت اشتہار داشت رسانیدند، تا از آن جانب کشتی رفت، ازین سو نیز آشوب ہوسی گل کرد، چون ملازمت قرار یافت خاستم وست مایۂ عقیدتی سرانجام دادن، ورہ آورد عالم عبودیتی عرضہ داشتن طبع از فکر قصیدہ شنگی گرد، وسینہ بریں آرزو تنگی، جنون شوقم۔ بیدای کنار ناپیدای نثر انداخت، وسواد عبارتی ہم در صنعت تعطیل روشن ساخت اگرچہ وقت اقتضای دیدن آن جاہمند نکرد، وآن ہوس از سینہ بدر رفت اما آن مسودہ در سفینہ ماند۔"

'فرمانروای آن کشور' سے مراد غازی الدین حیدر متوفی 27 ربیع الاوّل 1243ھ ہیں۔ آغا میر اس کے وزیر تھے۔ غالب نے صراحۃً کہا ہے کہ میں اس کی مدح میں قصیدہ نہ کہہ سکا۔

1۔ کلیات نثر فارسی مطبوعہ 1884، ص 65

اشعار منقولہ بالا ایک قصیدے کے ہیں جو کلیات نظم فارسی میں موجود ہے لیکن کلیات میں ترتیب اشعار وہ نہیں جو خاتمے میں ہے، اور اس میں ایک شعر سبزۂ الخ کے بعد ہے جو خاتمے سے غیر حاضر ہے۔ خاتمے میں جو اشعار ہیں وہ یا تو پہلے سے موجود تھے یا اس کی تحریر کے وقت موزوں ہوئے۔ گل رعنا کا ایک نسخہ مالک رام صاحب نے براہِ کرم مجھے دکھایا تھا۔ میں اس وقت یہ کہنے سے قاصر ہوں کہ اقتباس بالا اس میں بجنسہٖ اسی طور پر ہے یا اختلاف کے ساتھ ہے۔

(2) غالب نے سبحان علی خاں کے نام ایک خط لکھا تھا جو پنج آہنگ میں موجود ہے اس کا اقتباسِ ذیل ملاحظہ ہو:[۲]

''فرخی طالع خویشتن را ستایم کہ درین جستجو خاطر جز بالتفات خاں رفیع الشان (مکتوب الیہ) پیوند منت پذیری نگرفت۔ خار این آرزو بدامن دل آویختہ وشور این تمنا غوغای رستخیر از نہاد برانگیختہ کہ این عرضداشت بفروغ نگاہ آصف ثانی (وزیر) مشرقستان گردد، و این قصیدہ بزم مینو مثال سلیمانی (مراد از دربار شاہی) خواندہ شود تا مرا... بجائزہ خسروی رخ امتیاز افروزش پذیرد، وانگاہ صلہ بدان گرانمایگی کہ ہم بدہرم بلند نامی دہد، وہم درنظر خویشم گرامی کند۔ خرد میگالد کہ این آرزو ہای دشوار، چہ مایہ دور باش یاس در برابر است، اما ہم درین سگالش دل بدین اندیشہ نیرد میپذیرد کہ خان ارسطو تدبیر (مکتوب الیہ) رابرگ چارہ فروانست، وشاہ ووزیر رادست بخشش دراز۔''

قصیدے سے یقین ہے کہ وہی قصیدہ مراد ہے جس کے کچھ اشعار اوپر نقل ہوئے ہیں اس کے بعض دوسرے اشعار ملاحظہ ہوں:

صفت[۳] ذات تو دانستم و نازان رفتم ہم زا سمت کہ دہد نصرت دین حیدر
چون بدیدم ہم از آن گفتہ پشیمان رفتم بزم دستور ترا قطعۂ گلشن گفتم
حاتمش گفتم و شرمندۂ نقصان رفتم روشن الدولہ بہادر کہ بایثار و عطا
تابدانم کہ بآصف ز سلیمان رفتم بویم بسپر و نبویس براتم بردی

۲؎ کلیات نثر فارسی مطبوعہ 1884، ص 105

۳؎ کلیاتِ نظم فارسی طبع 1872، ص 311

قصیدے کا اصلی ممدوح نصیر الدین حیدر ہے، اور ضمناً روشن الدولہ کی بھی تعریف ہے۔
واضح رہے کہ سبحان علی خاں بقول صاحب تاریخ اودھ 'میر کونسل معتمد الدولہ' تھے، معتمد الدولہ کی معزولی کے بعد یہ میر فصل علی خاں کے معتمد علیہ بھی رہے، اور جب روشن الدولہ وزیر ہوئے تو حضرات کنبوہ (مراد از سبحان علی خاں وغیرہ) کا گھر مرورِ صحبت خاص و عام ہوا۔ روشن الدولہ 1248ھ میں اس عہدے پر فائز ہوئے تھے۔ اسی سنہ میں یا اس کے کچھ بعد غالب نے قصیدۂ زیر بحث سبحان علی خاں کے پاس بھیجا ہوگا۔

(3) غالب نے کرم حسین خاں سفیر شاہ اودھ کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ عبارتیں ملتی ہیں:
آنچہ من ؎۴ در صلۂ نگارش این قطعہ دستمزد خویش می شناسم روشناسی خسروست، وتشریف قبول و نوید التفات وعطیۂ فتوح۔ اما کشایش طلسم این مدعا در گرد آنست کہ پایہ ومقام ستایشگر بحضرت ممدوح پرشمردہ شود، تا باندازۂ ارزش وی عطا تواند کرد، ورنہ پیداست کہ جائزہ بادخوانان تا چہ قدر است، وآبروی مدح گستران تا کجا۔ اندیشہ فتویٰ می دہد کہ پیدائی این مراتب باندازۂ گفتار سبحان علی خاں صاحب نباشد۔ ایشان آبروی خاکساریہای سائل در نظر ندارند و جز شاعر صلہ جو نشمارند، اگر مخدوم مرا سربیکس نوازیست، قطعہ در نوردِ عرضداشت شاہی فرو پیچند، وآنچہ بحال نامہ نگار در خورد انند، کما بیش رقم فرمایند تا ہم بنظر سلطان گرامی گردیدہ باشم وہم ببرگ ونوا رسیدہ...
اگر چہ پایۂ فرماندہ اودھ بالاتر از آنست کہ چون منی لب ثنایش تواند گشود، لیکن من ہم درین شیوہ کہ عبارت از ثنا خوانی وسخن فروشیست، ننگ دودمان خویشتم۔ بالجملہ سپاس از بخت دارم کہ مرجع من... مولوی سید کرم حسین خان بہادر با اسد اللہ جز کرم نکند۔"

کلیات ؎۵ نظم فارسی میں صرف ایک قطعہ ایسا ہے، جس کا شاہ اودھ سے تعلق ہے، اس کا عنوان 'در تاریخ کتخدائی پادشاہ اودھ'' ہے۔ 'پادشاہ اودھ' سے مراد نصیر الدین حیدر ہے۔ قطعہ کے دو شعر درج ذیل ہیں:

بہر ترتیب این ہمایوں جشن کہ بخسرو خجستہ باد بفعال
زد رقم بزم عشرت پرویز وینکہ گفتم بود ز روی وصال

؎۴ کلیات نثر فارسی، ص 104
؎۵ ایضاً، ص 40

'بزم عشرت پرویز' = 1246، زروی وصال = 6 شادی 1250ھ میں ہوئی تھی، اور قطعہ اس پر مشعر ہے۔ خط میں سبحان علی خاں کا ذکر جس طور پر ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ غالب ان کے رویے سے ناخوش ہیں۔

(4) تفتہ نے ایک قصیدۂ زیر بحث کی زمین میں لکھا تھا، غالب اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:

''پرانا قصہ[۱] تم نے یاد دلایا، داغ کہنۂ حسرت کو چمکایا۔ یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ کے پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیرالدین حیدر کے پاس گزرا اور جس دن گزرا اسی دن 5 ہزار روپے... بھیجنے کا حکم ہوا۔ منشی محمد حسن نے مجھ کو اطلاع نہ دی، مظفرالدولہ لکھنؤ سے آئے انھوں نے یہ راز مجھ پر ظاہر کیا اور کہا خدا کے واسطے میرا نام نہ لکھنا۔ ناچار میں نے شیخ ناسخ کو لکھا۔ انھوں نے جواب لکھا کہ 5 ہزار ملے۔ تین ہزار روشن الدولہ نے کھائے، دو ہزار منشی محمد حسن کو دیے کہ اس میں سے... جانو غالب کو بھیج دو۔ کیا اس نے ہنوز تم کو کچھ نہ بھیجا؟... میں نے لکھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں ملے۔ انھوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خط لکھو اس کا مضمون یہ ہو کہ میں نے بادشاہ کی تعریف میں قصیدہ بھیجا ہے۔ اس کا صلہ کیا مرحمت ہوا میں کہ ناسخ ہوں اپنے نام کا خط بادشاہ کو پڑھوا کر ان کا کھایا ہوا روپیہ ان کے حلق سے نکال کر تم کو بھیجوں گا۔ یہ خط... میں نے.... روانہ کیا، آج.... روانہ ہوا۔ تیسرے دن... خبر اڑی کہ نصیرالدین حیدر مر گیا۔ اب کہو میں کیا کروں اور ناسخ کیا کرے۔''

ظاہر ہے کہ اگر قصیدہ لکھنؤ گیا تھا، تو اس کا زمانہ وفات نصیرالدین حیدر سے بہت قبل نہ ہوگا۔ روشن الدولہ سبحان علی خاں وغیرہ کی پاسداری کی وجہ سے معزول ہو چکے تھے اور وفات نصیرالدین حیدر کے وقت دوسرا شخص وزیر تھا۔ ناسخ کا رسوخ عہد معتمدالدولہ میں تھا، جو آغاز دور نصیرالدین حیدر میں ختم ہو گیا تھا۔ معتمدالدولہ کانپور چلے گئے اور ناسخ مدتوں جلاوطن رہے۔

[۱] اردوئے معلیٰ مطبع کریمی لاہور ص 45

نصیرالدین حیدر کے زمانۂ آخر میں، وہ اس قابل نہ تھے کہ بادشاہ کو اپنے نام کا خط پڑھوا کر معزول شدہ وزیر کا کھایا ہوا روپیہ وصول کر کے غالب کو بھیجواتے۔

(5) اقتباسات مکاتیب غالب بنام 'منشی محمد حسن خاں' (الف) 'پیش ازیں نامہ بنام سبحان علی خاں و عرضداشتی بحضور... وزارت پناہی با یک قصیدۂ مدحیۂ شاہ رقم کردۂ مجموع اوراق پیش وکیل راجہ... صاحب رام... فرستادہ ام و خواستہ ام کہ... بنظر خان صاحب گذشتہ، بحضرت دستور اعظم رسد۔ بو کہ این قصیدہ بہ بزم خسروی خواندہ شود و نامہ نگار از مائدہ جود خسرو واد (کذا) وزلہ بر بندد۔ تا امروز کہ اربعین کامل گذشت، ہیچ گونہ... اثری پدیدار نگشت... امروز کہ چارشنبہ ہژدہم ماہ ترسایانست... خیال در دل این آشوب انگیخت کہ براچہ صاحب رام... عرض کردہ شود کہ بہ لکھنؤ وکیل خود را نویسند تا آن نامہ وآن عرضدات کہ نوردآن بقصیدہ آبستن است، بوالا خدمت شمار ساند ذوق آرزو طلبی آنچناں بیتابم کرد کہ... بشب نامہ نگاشتم دہم بشب بخدمت راجہ صاحب فرستادم۔ امید کہ چون وکیل راجہ صاحب این صراعت نامہ بالگاشتہ ہای کہ برشمردہ آمد بملا زمان دہد بحر کرم بجوش آید وتفقد صرف غالب نوازی گردد۔ این قدر میگویم کہ مرا پاسخ این نامہ باید نواخت۔'' (کلیاتِ ص 175)

(ب) مکتوب الیہ کو کوئی عہدہ ملا ہے۔ اس خط میں اس کی مبارک باد بھی ہے۔ غالب کہ نوآموز شیوۂ گدائیست یکچند بحکم حیا بخموشی ساخت، اکنون کہ جوش گلبانگ تہنیت مہر سکوت از دہن برداشت... آنچہ در دست از لب فرو میریزد... فرستادن قصیدۂ مدحیہ جامعہ (کذا) مدح شاہ و وزیر بسا گراما یہ عزیمتہا را شامل است... بو کہ مرا بجائزۂ بادخوانی... این مایہ سامان فراز آید کہ خود را گرد آوردہ، بہ کلکتہ توانم بردو کاری توانم کرد... اگر درین نزدیکی تقریبے اندیشیدہ قصیدہ گزارندہ (کذا) وحال سائل گزاردہ شود، موہتی است سترگ وبخشایشی است عظیم۔'' (ص 176)

ان اقتباسات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے قصیدہ وغیرہ محمد حسن کے حوالے کرنے کی ہدایت کی تھی، مگر یہ پتا نہیں ملتا کہ یہ چیزیں وکیل راجہ صاحب رام نے انھیں دیں یا نہیں۔ محمد حسن کی طرف سے ظاہراً ان کی رسید غالب کو نہیں بھیجی گئی۔ اس کا امکان بھی ہے کہ غالب کی ہدایت موصول ہونے سے پیشتر ہی قصیدہ وغیرہ سبحان علی خاں کو دے دیا گیا ہو۔

(6) اقتباس مکتوب غالب بنام ناسخ۔ یہ اوائل 1251ھ کا خط ہے، اس میں شمس الدین احمد

خاں کے مقدمے کا ذکر ہے ''آنچہ درباب پانخ مکتوب من بزبان گوہرفشان سبحان علی خاں رقم پذیرفتہ است، نہ چنانست بلکہ احق آنست کہ خان والا شان بہ گمنامان نپرداخت، والتفات بخاکسران ننگ پایۂ خود شناخت، ورنہ بشرط تامل پنہان نمیتواند ماند کہ مقصود من ہمہ آن بود کہ قطعہ بنظر بندگان خسرو سپہر آستان گذرد وتخنی از خاکساری و بےاعتباری من گفتہ شود والہ تنہا خود ایں قدر دشوار نبود۔'' (کلیات ص 162)

اس خط کا تعلق قصیدہ وعرضداشت سے نہیں، اس قطعے سے ہے جس کا ذکر آچکا ہے۔ کرم حسین خاں کو سبحان علی خاں کے متعلق جو کچھ لکھ چکے تھے اس کے بعد ان سے کار برآری کی کیوں امید تھی یہ سمجھ میں نہ آیا۔

(7) کتب خانۂ خدابخش میں غالب کے کلیات نظم فارسی کے دو قلمی نسخے ہیں، اور یہ دونوں غالبؔ کی نظر سے گزر چکے ہیں اور دونوں کی کتابت تیرہویں صدی کے چھٹے عشرہ میں ہوئی ہے (ان سے متعلق میرے مقالے شائع ہو چکے ہیں) (قصیدہ زیر بحث ان دونوں نسخوں میں ہے، اوراس کا عنوان دونوں میں یہ ہے:

''گرائش خیال بہ لکھنو بسر و برگ ذریعۂ این قصیدہ ونگارش پذیرفتن مدح شاہ اود، درجریدہ، و بورق یادگار ماندن مدح بمدوح نارسیدہ از عالم مستی بوی بادۂ ناکشیدہ۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قصیدہ ممدوح یعنی شاہ اودھ تک پہنچا ہی نہیں، صلے کا کیا سوال ہے۔ یہ معاملہ کہ بادشاہ نے 5 ہزار غالب کو دیے جانے کا حکم دیا تھا، عالم خیال میں پیش آیا۔

(8) امور بالا محض بطور تمہید ہیں۔ اس مقالے کی علت غائی یہ بتانا ہے کہ دراصل یہ قصیدہ معتمد الدولہ کی مدح میں تھا۔ غالب نے یہ بات کہ قصیدہ نہ کہہ سکا، مصلحۃً لکھی تھی۔ فی الحال اس قصیدے کے 104 اشعار ہیں ابتدا میں 110 تھے۔ معتمد الدولہ سے ملاقات نہ ہوئی اور یہ قصیدہ پیش نہ ہوا تو وہ اسے نواب مرشدآباد کے نام سے شہرت دینا چاہتے تھے لیکن، یہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آسکا۔ غالب ایک غیر مطبوعہ خط میں محمد علی خاں (باندہ) کو لکھتے ہیں کہ میں نے معتمد الدولہ کی مدح میں جو قصیدہ کہا تھا وہ، جب تک کہ ترمیم نہ ہو، کسی کو دکھایا نہ جائے خط کا اقتباس ذیل ملاحظہ ہو:

قصیدہ کہ در مدح آغا میر گفتہ ام خدا می داند کہ برائے خاندان من طرفہ داغ بدنامی است ے، ولطف اینکہ یک صد ودہ شعر را از صفحہ حک ساختن نمی توانم...
۸ نواب مرشد آباد نیز سیدناہ است، این قصیدہ را بنام وی شہرت دہم، گو بملازمتش نارسیدہ... ۹ لیکن مداح بودن من ہمایون جاہ (نواب مرشدآباد) رابر من ناگوار نیست توقع تازمانیکہ اشعار موضح اسم ممدوح... ۱۰ قصیدہ رابکس نمایند وعیب خسروان راچون بزرگان پوشند۔"

میرے پیش نظر اصلی خط نہیں، اس کی نقل ہے۔ اس کے مکتوب الیہ کا نام مرقوم نہیں لیکن اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ محمد علی خاں کے نام سے ہے۔ خط زیرِ بحث جس مجموعے میں ہے اس کا مفصل ذکر کسی دوسرے مقالے میں کیا جائے گا۔

(صبح، پہلا حصہ:1962)

ے قصیدہ 'داغ بدنامی' تھا، تو نثر کیوں محفوظ رکھی؟
۸، ۹، ۱۰ عبارات ضائع شدہ۔

(1) فغانِ بے خبر (2) تذکرہ غوثیہ (3) مکتوب ڈاکٹر صدیقی (4) غالب اور مہر

سبد چیں[1]

سبد چیں غالب کے فارسی اشعار کا ایک مختصر مجموعہ ہے جو ہ کے انطباع کے کئی سال بعد چھپا تھا، اور جس کی[2] دوسری اشاعت اُن کی زندگی ہی میں غالباً کسی دوسرے نام سے طبع ہوئی تھی۔ تیسری[3] اشاعت 1928 میں منطبع ہوئی ہے اور اس کے مرتب مالک رام صاحب ہیں۔

الف کا جو نسخہ میں نے دیکھا ہے وہ بنگال رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے میں ہے۔ تعداد صفحات 42 اور مسطر 21 سطروں کا ہے۔ پہلے صفحے پر کتاب کا نام وغیرہ ہے اور دوسرے پر دیباچہ جو ج کے خلاف کسی عنوان کے بغیر درج ہوا ہے۔ اشعار تیسرے صفحے سے شروع ہو کر چالیسویں پر ختم ہو جاتے ہیں، اور اسی صفحے پر چند سطروں کا 'خاتمۃ الطبع' ہے۔ آخر کے دو صفحے غلط نامے نے لیے ہیں۔ صفحۂ اوّل اور 'خاتمۃ الطبع' کی عبارتیں ج میں نقل نہیں

---

1. الف، ب، ج= سبد چیں کی اشاعت اول و ثانی و ثالث علیٰ الترتیب۔ د= کلیات نظم فارسی اشاعت اوّل۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کا مملوکہ نسخہ جو میری نظر سے گزرا ہے ناقص الآخر ہے۔ اس سے سالِ طبع کا پتا نہیں چلتا۔ عرشی صاحب جن کے پیش نظر لم کی ایک 'پرانی نقل' تھی حواشی انتخاب غالب (صفحہ 336) میں لکھتے ہیں کہ 1261ھ مطابق 1845 میں چھپا تھا۔ ہ= کلیات نظم فارسی اشاعت دوم۔ یہ پہلی بار 1279ھ میں طبع ہوئی اور اس کے بعد کئی بار چھپی ہے۔ اس وقت جو نسخہ سامنے ہے 1924 کا مطبوعہ ہے۔ خ= انتخاب غالب۔ کلب علی خاں کی فرمائش سے خود غالب نے 1866 میں اپنے اشعار فارسی و اردو کا انتخاب کیا تھا۔ م= مکاتیب غالب مرتبۂ عرشی صاحب اشاعت ثانی۔ ن= کلیات نثر فارسی طبع اوّل مشتمل بر پنج آہنگ و مہر نیم روز و دستنبو۔ اردو= اردوئے معلی مطبوعہ کریمی لاہور یادگار= یادگار غالب حالی، نور احمدی الہ آباد۔
2. ب بہت کم یاب ہے اب تک اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جن کرم فرما کے پاس اس کا ایک نسخہ ہے فی الحال ایران میں ہیں۔
3. مطابق 1867ء

ہوئیں درج ذیل ہیں:

صفحۂ اوّل: ''ومن یتو کل علی اللہ فھو حسبہ، بفضل الٰہی ایں نگارش رنگین نو آئین مسمیٰ بہ سبد چیں بقیۂ دیوان حضرت غالب مدظلہ العالی در مطبع محمدی باہتمام محمد مرزا خاں طبع شد۔''

خاتمۃ الطبع: ''الحمدللہ کہ ایں نگارش نو آئین مصنفۂ نجم الدولہ، دبیر الملک، اسداللہ خاں بہادر، نظام جنگ، غالب بتاریخ یزدہم ماہِ ربیع الثانی سال یک ہزار و دوصد دہشتاد و چہار[1] ہجری النبوی در مطبع محمدی باہتمام محمد مرزا خاں واقع دہلی کوچۂ چیلہ گذر فیض آباد باتمام رسید و بحسنِ اختتام انجامید۔''

غالب دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> ''آنچہ پس از انطباع کلیات فارسی گفتہ شد و آنچہ یاراں از دیریں مسودات داشتند و من از آں خبر نہ داشتم، واینک بمن رسانند، در اوراق جداگانہ ضبط شد و آں را سبد چیں نام نہادہ آمد۔''

غالب نے غالباً بے ارادہ حقیقت سے کسی قدر انحراف کیا ہے۔ ان کے فحوائے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ تمام اشعار جو انطباع ک (ترتیب چاہیے) کے بعد منظوم ہوئے ہیں، الف میں شامل ہیں، مگر ایسے کچھ اشعار الف سے باہر بھی ہیں۔ مثلاً یہ تین رباعیاں۔

''سرتاسر دہر عشرتستاں تو باد الخ'' (م ص 39)۔ ''نواب کہ شد ز شوکتِ اقبالش الخ'' (م ص 37) ''نوروز و دو عید از دو جانب امسال الخ'' (م ص 68)، جو علی الترتیب 1281ھ، 1282ھ، اور مارچ 1867 کی ہیں۔ اور دو شعروں کا وہ قطعہ جس کا ذکر ن ص 116 پر ہے اور جس کا مصرع آخر یہ ہے ''آمدہ سال رحلتش داغِ جگر گداز ہائے'' یہ قطعہ 1276ھ کا لکھا ہوا ہے۔ غالب کا یہ کہنا بھی صحت سے دور ہے کہ پرانے اشعار میں سے صرف وہی الف میں درج ہوئے ہیں جن کی انھیں 'خبر' نہ تھی، اور جو دوستوں سے انھیں ملے تھے ترکیب بند حبسیہ جو الف میں شامل ہے اور جس کی نسبت حالی کا بیان ہے کہ:

''مرزا صاحب کے عزیزوں اور دوستوں نے کلیات فارسی میں..... چھپنے نہیں دیا''

---

[1] ناشر اور بہ ظاہر مرتب کے نزدیک بھی ج دوسری اشاعت ہے۔ اندرونی سرورق پر 'بار دوم' مرقوم ہے۔

(یادگار......ص 32) کبھی ایسی نظموں میں نہیں ہوسکتا جسے غالب نے فراموش کردیا ہو۔ نظم کی بلند پایگی سے قطع نظر، اس کا تعلق ان کی زندگی کے ایک ایسے واقعے سے ہے جس نے انھیں بے انتہا متاثر کیا تھا۔ ایک رباعی جس کا مصرع اوّل یہ ہے:

اے دادہ بباد عمر در لہو و خسوس

دا۔ کلیات کے ۵دو قدیم نسخوں میں جنھیں غالب کی نظر سے گزرنے کا شرف حاصل ہے، موجود ہے۔ لا میں اس کا نہ ہونا یقین ہے کہ محض سہو کاتب پر مبنی ہو۔ اگر غالب کی ہدایت کو اس میں دخل ہوتا تو وہ اسے اس انتخاب میں شامل نہ کرتے جو انھوں نے کلب علی خاں کے لیے کیا تھا (انتخاب ص 177)، الف میں اس کے اندراج کے لیے غالب احباب کے ممنون نہ ہوں گے۔ گلشنِ بے خار مصنفہ شیفتہ کا قطعۂ تاریخ کلیات کے ایک قلمی نسخے میں ہے، لیکن الف میں خود گلشن بے خار سے لیا گیا ہوگا جو لا سے بہت پہلے چھپ چکا تھا۔ چار رباعیاں:

''جائے کہ ستارہ شوخ چشمی درزد الخ' (ن ص 195)'، 'در کالبد شہر رواں باز آمد الخ' (ن ص 203)، ''از دہر دلم وایہ زہر درمے جست الخ'' (ن ص 205)، ''زینسان کہ ہمیشہ درروانی مانیم الخ'' (ن ص 207)، بے شبہہ دستنبو سے لی گئی ہے، اور یہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں کہ ترتیب الف کے وقت غالب ان کے وجود سے بے خبر تھے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ الف میں وہ تمام پرانے اشعار جو کسی نہ کسی وجہ سے لا میں شامل نہ ہوسکے تھے موجود ہیں۔ (1) جس طرح لا میں کچھ کلام مصلحت کی بنا پر جگہ نہ پاسکا تھا، غالب کی مصلحت اندیشی الف میں بھی کچھ کلام کے عدمِ شمول کا باعث ہوئی۔ مثلاً وہ مثنوی ٦جو غالب نے ظفر کی زبان سے ان کے مذہبی عقائد کی بابت لکھی

---

۵ کتب خانہ مشرقیہ بانکی پور میں ایک نسخہ 1354ھ اور ایک 1257ھ کا ہے۔ یہ سنین اختتام کتابت ہیں۔ 1254ھ کے نسخے کا نام مصنف غالب نامہ نے میخانۂ آرزو بتایا ہے۔ اس نسخے پر یہ نام ثبت نہیں۔ اور نہ کسی دوسرے نسخے پر اس وقت تک یہ یا کوئی دوسرا خاص نام مرقوم ملا ہے۔ علی بخش خاں مرتب پنج آہنگ نے کلیات نظم فارسی کے پہلے نسخے کی نسبت پنج آہنگ کی تمہید میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا نام میخانۂ آرزو ہے۔ مجھے عرشی صاحب کی اس رائے سے جو انھوں نے ایک خط میں ظاہر کی ہے اتفاق ہے کہ علی بخش خاں نے میخانۂ آرزو سرانجام نام بتایا ہے۔

٦ یہ مثنوی متفرقات غالب میں شامل ہے۔ (ص 145) اس کے متعلق معلومات کے حصول کے لیے متفرقات کا ضمیمہ اب اس کے مقدمے کے صفحات 17 تا 30، یادگار ص 83 اور اس ص 49 ملاحظہ ہوں۔

تھی، اور جو 1270 میں لکھنؤ سے ایک دوسری مثنوی کے ساتھ طبع بھی ہوئی تھی۔ یہ مثنوی غالب کے شیعی احباب کی رنجش خاطر کا سبب ہوئی تھی، الف میں اندراج ان کی مزید برہمی کا باعث ہوتا۔

(2) غالب کا کچھ پرانا کلام ایسا بھی ہے جو ادبی نقطۂ نظر سے چنداں اہمیت نہیں رکھتا، یہ خوبی ممکن ہے کہ غالب نے اسے فراموش کر دیا ہو، اور دوستوں نے یاد دلایا بھی ہو تو وہ اسے محفوظ رکھنے کے قابل نہ سمجھے ہوں۔ کلیات کے قلمی نسخے مکتوبۂ 1254 میں ایسا کچھ کلام موجود ہے۔

(3) یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ چیزیں غالب کے نزدیک الف میں شامل کرنے کے لائق ہوں، لیکن اس کی ترتیب کے وقت مل نہ سکی ہوں۔

(4) غالب نے ن کے ایسے اشعار جو ک میں نہ تھے، الف میں لیے تھے، لیکن ن میں ابھی ایسے بہت سے اشعار ہیں جو نہ ک میں ہیں نہ الف میں۔

(5) غالب کی ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے:

شب ہائے غم کہ چہرہ بہ خوناب شستہ ایم   از دیدہ نقشِ وسوسۂ خواب شستہ ایم

(ک ص 557)

ک کے علاوہ تھ اور نسخۂ 1254ھ میں بھی ہے۔ اس زمین کی بیت ذیل

تر دامنی نصیب کس از اہل دیں میاد   مائیم ولوث بادہ کہ از آب شستہ ایم

(خ ص 130)

نہ کسی قلمی کلیات میں اب تک ملی ہے اور نہ کلیات کے کسی مطبوعہ نسخے میں ہے یہ بیت جو 1866 میں اس قابل سمجھی گئی تھی کہ غالب کے انتخاب میں آئے۔ الف میں کیوں نہ شامل ہوئی اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

(ترتیب الف کے وقت پرانے اور نئے اشعار جو چھوٹ گئے تھے ان میں سے کس حد تک داخل ہو سکے۔ اس کا مجھے علم نہیں) غالب نے دیباچے میں لکھا ہے کہ ابیات الف ''در شمار بہ ہزار بیت نتواند رسید لیکن، مکررات سے قطع نظر، ان کی تعداد 727 ہے۔ ان میں سے ایک رباعی کے دو شعر۔

نام اب وجد و عم نہ گیرند ایں قوم   فیض از دم ماوراں پذیرند ایں قوم

(الف ص 36)

ج میں موجود نہیں، باقی 725 ہیں۔ اس رباعی کا حذف جائز بلکہ بعض اصحاب کی رائے میں مستحسن قرار دیا جا سکتا ہے، لیکن اس کے متعلق مرتب کی کامل خاموشی کسی طرح قابل تعریف نہیں۔ 9۔ اشعار ج میں ایسے ہیں جو الف میں نہیں، یہ مرتب نے بڑھائے ہیں۔ مکررات کو چھوڑ کر ج کے کل اشعار 82 ہیں۔ یہ زائد اشعار کہاں سے لیے گئے ہیں اس کے بارے میں مرتب کا بیان ہے:

> ''میرزا صاحب کا بہت سا کلام تھا، جو مختلف کتابوں میں منتشر پڑا تھا، اور ان کے کسی مجموعے میں آج تک شامل نہیں ہوا تھا، ہم نے اسے بھی اکٹھا کر کے اس مجموعے میں شامل کر دیا ہے۔ امید ہے کہ کلیات نظم و نثر کے باہر ان کا جتنا کلام ہے آپ اس ایڈیشن میں پائیں گے۔''

حقیقت یہ ہے کہ مرتب نہ تو غالب کے کل کلام کو ''جو مختلف کتابوں میں منتشر پڑا تھا۔'' ج میں جمع کر سکے، اور نہ انھوں نے ایسے اشعار کو جو 'کلیاتِ نظم و نثر' میں موجود ہیں، اس میں شامل کرنے سے کامل احتراز کیا ہے۔ مثال کے لیے اسی مثنوی کو لیجیے جو ظفر کی طرف سے ہے اور جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ نہ یہ ج میں ہے اور نہ وہ مثنوی ۷ جو غالب نے اپنے بھانجے کی فرمائش سے لکھی تھی اور جو 1284ھ میں نول کشور نے چھاپی بھی تھی۔ ان دونوں کے سوا اور بھی کلام ہے جو ج میں نہیں۔ ان کے ماخذ حسب ذیل ہیں:

(1) کلیات ۸ نثر غالب جس سے یہ بیت منقول ہے:

شاہی و درویشی ایں جا باہم ست　　پادشاہِ عہد قطب عالم ست

(ج ص 75 ن ص 139)

یہ بیت اس مثنوی کی ہے جو ظفر کی مدح میں ہے، نہ معلوم اس کے اور ابیات کیوں ج میں نہ جگہ نہ پا سکے۔

(2) ک جس سے ذیل کی رباعی لی گئی ہے:

ایں کردہ بہ مہر زر فشانی تعلیم الخ (ج ص 79 ہ ص 514)

---

۷ مقدمہ م، ص 45 ملاحظہ ہو۔

۸ یہ ممکن ہے کہ مرتب نے یہ بیت ن سے نہیں کہیں اور سے لی ہو، لیکن اس کا اصل ماخذ ن ہی ہے۔

(3) م جس سے بیتِ آخر قطعۂ 67 (ج ص 52 م ص 70) قطعات 44 تا 46 (ج ص 61 و 62 م ص 13 و 47 و 68 قطعہ 48/ ج ص 62 م ص 79) اور ج ص 75 کا چوتھا اور پانچواں شعر ماخوذ ہے۔ (م ص 51 و 78)۔

(4) اردو جس میں قطعات 35 و 36 (ج ص 57 اردو ص 32 و 69) قطعات 38 تا 42 (ج ص 59 و 60 اردو ص 22 و 321 و 177 و 83 و 292) رباعی 18 (ج ص 79 اردو ص 177) اور ج ص 75 کا پہلا اور دوسرا شعر (اردو ص 41 و 295) موجود ہے ص 75 کا دوسرا شعر:

فرخ آں رروز کہ از خانۂ زنداں بردم سوئے شہر خود ازیں وادی ویراں بردم

بہ خوبی ممکن ہے کہ غالب کا نہ ہو۔ غالب کے کسی خط میں اس کا پایا جانا اس کا ثبوت نہیں کہ غالب کا زادۂ طبع ہے۔

(5) یادگار جس سے قطعہ 43 (ج ص 61 یادگار ص 60) اور غزل 10 (ج ص 72) لی گئی ہے۔

(6) دیوان اردو جو شجاع الدین احمد خاں، تاباں مرحوم کے خاندان میں محفوظ ہے۔ قطعہ 49 (ج ص 63) اس کے آخر میں ہے۔

(7) تذکرہ غوثیہ[9] جس سے قطعہ 54 (ج ص 64) ماخوذ ہے۔

(8) تیغ تیز جس سے ایک مثنوی نقل ہوئی ہے (ج ص 65 تیغ تیز ص 4+)۔

(9) واقعات دارالحکومت دہلی حصۂ دوم جس سے قطعہ 37 (ج ص 58 لیا گیا ہے)

(10) نامعلوم ماخذ جس سے قطعہ 47 (ج ص 62) منقول ہے۔

ان کے علاوہ اور ماخذوں کی طرف مرتب نے توجہ نہیں کی۔

مرتب نے اپنے ماخذوں کی نشان دہی کا کوئی معقول طریقہ اختیار نہیں کیا۔ نظموں کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جس کے ماخذ کی نسبت ج میں کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ ان میں سے بہت زیادہ وہ نظمیں ہیں جو الف میں ہیں، لیکن بعض ایسی بھی جو الف میں نہیں۔ ج ص 5 کے متفرق اشعار، رباعیات 17 و 18 اور قطعہ 47 ماخذوں کے ذکر سے خالی ہیں، اور ان میں سے کوئی الف میں نہیں۔ قطعہ 27 کے 5 ابیات میں سے 4 الف میں موجود ہیں۔ صرف پانچواں

9۔ یہ کتاب میرے پاس نہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کوئی قطعی ثبوت اس امر کا کہ قطعہ 54 غالب کا ہے، موجود ہے یا نہیں۔

اس میں نہیں م سے لیا گیا ہے، لیکن مکمل قطعے کا ماخذ م بتایا ہے، جو صورت حال کو صحیح طور پر نہیں ظاہر کرتا۔ قطعۂ 34 کے لیے مرتب نے اردو کا حوالہ دیا ہے، مگر یہ الف میں بھی ہے۔ پڑھنے والا ضرور اس نتیجے پر پہنچے گا کہ الف اس سے خالی ہے۔ قطعہ 49 کے بارے میں مرتب نے لکھا ہے (ج حاشیہ ص 63) کہ یہ اور اس کے بعد کے 'قطعے' مہر صاحب سے ملے ہیں، لیکن اس کے بعد صرف ایک قطعہ ہے۔ یہ بالکل پتا نہیں کہ قطعہ 47 کہاں سے لیا گیا ہے۔

حواشی ج میں جو معانی درج ہیں وہ حاشیۂ ص 9 کے معانی کے سوا الف سے ماخوذ ہیں، اس کے متعلق مرتب نے کوئی اطلاع نہیں دی۔ مرتب نے یہ اچھا کیا ہے کہ علائی کا ایک قطعہ جو قطعہ 30 سے تعلق رکھتا ہے حاشیہ 2 ص 54 پر رسالۂ 'رومان' لاہور سے لے کر درج کر دیا ہے۔

مرتب نے جیسا کہ وہ خود مدعی ہیں اشعار ج میں جس ترتیب سے پیش کیے ہیں، وہ الف سے مختلف ہے، ج میں ص 7 سے ص 33 تک قصائد، ترکیب بند اور ترجیع بند ہیں، الف میں یہ نظمیں ج ہی کی ترتیب کے ساتھ ص 3 سے ص 33 تک قصائد، ترکیب بند اور ترجیع بند ہیں، الف میں یہ نظمیں ج ہی کی ترتیب کے ساتھ ص 3 سے ص 20 تک ہیں۔ ج میں ص 34 پر جو مثنوی ہے، الف کے ص 36 پر ہے۔ ج میں ص 35 سے ص 51 تک 26 قطعے ہیں جو الف میں ص 24 سے ص 34 تک ہیں۔ ج میں قطعات 27 تا 33 ص 51 سے ص 56 تک ہیں اور الف میں ص 37 تا ص 40 پر درج ہیں۔ قطعہ 34 ج میں ص 57 پر اور الف میں ص 36 پر ہے۔ ج کے قطعات 35 تا 50 جو ص 57 سے ص 64 تک ہیں، الف میں موجود نہیں۔ ج کے ص 65 پر جو مثنوی ہے وہ بھی الف میں نہیں۔ ج میں ص 66 سے ص 71 تک 7 غزلیں ہیں جو الف میں ص 20 سے ص 24 تک ہیں و ج کی آٹھویں غزل جو ص 71 پر ہے الف میں ص 38 پر اور ج کی نویں غزل جو ص 72 پر ہے الف میں ص 40 پر ہے۔ ج کی دسویں غزل (ص 72 و 73) الف میں نہیں۔ متفرق اشعار جو ج ص 74 پر ہیں الف میں ص 24 پر ہیں، ج ص 75 کے متفرق اشعار سے الف خالی ہے۔ رباعیات 1 تا 15 ج میں ص 76 سے ص 79 تک ہیں اور الف میں ص 34 سے ص 36 تک۔ رباعی 16 ج کے ص 79 پر اور الف کے ص 36 پر مثنوی کے بعد ہے۔ رُباعیات 17 تا 20 ج میں ص 79 و ص 80 پر ہیں، اور یہ الف میں نہیں۔

ایک نظم کو جس کی بیت افتتاحی یہ ہے:

تعظیم غسلِ صحت نواب کم مکیر   زاں عیدکاں مضاف بود جانب غدیر

(ج ص 15)

غالب نے الف میں قطعہ کہا ہے، مرتب نے اسے عنوان قصائد کے تحت درج کیا ہے۔ اس کا پہلا شعر مطلع ہے اور اس کے اشعار کی تعداد 36 ہے۔ مگر اس کا لہجہ قصائد کا نہیں قطعے کی تعریف میں اختلافات ہیں، میں اس وقت اس جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ اسے قطعہ کہنا چاہیے یا قصیدہ۔

نوروز و دو عید ازد و جانب امسال   خوب ست زروے وضع و نیک ست بہ فال

(ج ص 62)

امید کہ ایں سہ عید نذر نواب   آرند دوامِ عمر و عز و اقبال

داد و دہش تو روز افزوں بادا   بردولتِ تو زمانہ مفتوں بادا

(ج ص 62)

ایں عید و دو صد ہزار عید دیگر   بر ذات تو فرخ و ہمایوں بادا

مرتب کے نزدیک یہ دونوں نظمیں قطعے ہیں، لیکن یہ فاحش غلطی ہے۔ یہ دونوں رباعی کے مقررہ اوزان میں ہیں، اور انھیں رباعی کے سوا کچھ اور نہیں کہنا چاہیے۔ میں اس سے ناواقف نہیں کہ غالب نے م میں پہلی رباعی کو قطعہ کہا ہے، مگر غلطی میں تقلید کیا ضرور ہے؟ ج ص 75 پر یہ بیت: شاہی و درویشی— الخ 'متفرق اشعار' کے ذیل میں درج ہے، لیکن یہ بیت مثنوی کی ہے۔ ج ص 65 پر مثنوی کے اشعار عنوان 'نظم' کے تحت مرقوم ہیں، ج ص 34 پر عنوان مثنوی کے تحت جو مثنوی مندرج ہے۔ یہ اشعار اس کے بعد کیوں نہیں لکھے گئے سمجھ میں نہیں آتا۔ نیا عنوان قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ج میں بہت سی نظمیں ہیں جو کسی نہ کسی واقعے سے وابستہ ہیں اور ان میں فن 'جمل'[1] کے مطابق اُن واقعات کے سنین موجود ہیں۔ مرتب کا فرض تھا کہ وہ یہ دکھائیں کہ مادہ ہائے تاریخ سے مطلوبہ سنین نکلتے ہیں یا نہیں اور نکلتے ہیں تو کس طرح۔ انھوں نے بالالتزام اس کی طرف توجہ نہیں کی۔ قطعہ اوّل میں گلشنِ بے خار کے اتمام کی تاریخ ہے۔ اس کی بیت آخر یہ ہے:

گر کسے لب تشنۂ تاریخ اتمامش بود   جو یہائے آب ہم در گلشنِ بے خار ہست

(ج ص35)

اگر پورے دوسرے مصرع کو لیجیے تو اس سے مطلوبہ اعداد سے کہیں زیادہ نکلتے ہیں۔ صرف 'جو یہائے آب' اور 'گلشنِ بے خار' کے اعداد کو ب نے سے 1248 مستخرج ہوگا جو غالب چاہتے ہیں ایک قطعے کے آخری دو ابیات یہ ہیں:

قطعہ تاریخ آں فرخ بنا   ہم در آنجا صورتِ ارقام یافت

شست پاچوں راحت و آرام جست   ہر دو را در گوشۂ حمام یافت

(ج ص35)

یہ پہلے سے معلوم نہیں کہ غالب کو کون سے اعداد مطلوب ہیں۔ پہلے مصرع سے 2142 نکلتا ہے اور دوسرے سے 1442۔ ان دونوں مصرعوں کے اعداد نہ مل کر کام دے سکتے ہیں نہ الگ الگ۔ صریحاً تعمیہ 2 ہے۔ خواہ خارجی ہو یا داخلی یا دونوں! مگر اس وقت سمجھ میں نہیں آتا کہ غالب کیا چاہتے ہیں۔ 'چشمۂ زمزم صفت مسجد کعبہ بنا' (ج ص 42) میں کوئی دشواری نہیں، 1269 نکلتا ہے۔ قطعہ 13 (ج ص 42) کے آخری اشعار یہ ہیں:

گفتم از خوبی رخش مانا بہ خورشید ست گفت   سال ایں فرخ ولایت نیر اعظم بگو

گفتمش دیگر چہ گوئی زیرِ لب خندید و گفت   بائے زاید باید افگند ازبگو ایں ہم بگو

نیراعظم سے 1271 نکلتا ہے۔ غالب اس میں سے ب کے عدد 2 نکالنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ 'خاقانی ہند مرد افسوس' (ج ص 43) سے بے تکلف 1271 نکلتا ہے اور 'خجستہ بہار ادب' (ج ص 49) سے بھی بے تعمیہ 1283 مستخرج ہوتا ہے۔ ظفر نامہ ابد، (ج ص 57) سے 1283 نکلتا ہے اور الف میں یہی لکھا ہے لیکن ج میں غالباً کاتب کی غلطی سے یہ 1282 ہوگیا ہے۔ 'رستخیز' سے 1277 نکلتا ہے اور نبی بخش حقیر کی وفات بھی 1277ھ میں ہے، مرتب کا 'رستخیز' کے اعداد 1860 بتانا حیرت انگیز ہے۔ (ج ص 60) ایک قطعہ ہے:

نہادہ بنا احسن اللہ خاں   سرِ رہ بد انساں در دل کشا

کہ غالب پے سالِ تعمیر او   رقم زد در دل کشا مرحبا

(ج ص42)

مادۂ تاریخ 'در دل کشا مرحبا' ہے، مگر اس کے اعداد الف اور ج دونوں میں سے کسی میں مرقوم نہیں۔ اس سے ...... نکلتا ہے، جو ظاہر ہے کہ کسی طرح عدد مطلوب نہیں ہوسکتا۔ میرا قیاس ہے کہ 'مرحبا' طباعت کی غلطی ہے۔ اس کی جگہ دراصل 'حبذا' ہوگا۔ اس صورت میں 1270 نکلے گا جو قرین قیاس ہے۔

الف کے بعض اغلاط بجنسہ ج میں منتقل ہوگئے ہیں اور کچھ نئے اغلاط بھی ہیں ج میں داخل ہوگئے ہیں۔ کہیں کہیں دونوں میں املا کا بھی فرق ہے۔ بعض اغلاط کی تصحیح اور املا کے بعض اختلافات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(1) ص 8 زمانہ دار = زمانہ وار
(2) ص 15 روا کردہ = رواں کردہ
(3) ص 16 برترانہ سودا و درد میر = برترانۂ سودا و درد و میر
(4) ص 17 ثنائے کنم = ثنائے کنم
(5) ص 19 نگاری = انگاری
(6) ص 19 ارنائیں = ارنائیس
(7) ص 20 زہے = خہے
(8) ص 22 انگلینڈ = انگلنڈ
(9) ص 29 مے ریز ند = مے ریزم
(10) ص 39 صدد شصت = صد وشست
(11) ص 40 اوستاد = استاد
(12) ص 52 الگزنڈر = الکزنڈر
(13) غم زیادہ = غم زبادہ
(14) ص 70 ارواح = ارواح و
(15) ص 70 بیخودی = بخیودی
(16) ص 76 اندریں = ایں

(17) ص 80 نواب کہ شد ز شوکتِ اقبالش بخشیدن باج غلہ از اقبالش (الف و ج) اس بیت میں ایطائے جلی ہے۔ دوسرے مصرع میں 'اقبالش کی جگہ افضالش' بے تکلف آسکتا ہے۔

(18) ص 20 بقاست قرض و منم حمزہ وز بہر من اند = الف اور ج — دونوں میں بقا ہے، اور الف کے غلط نامے میں اس کی صحت نہیں ہوئی۔ یہ 'لقا' ہے۔ غالب کا مصرع ہے:

'در معنیٰ سے مرا صفحہ لقا کی ڈاڑھی'

دیباچۂ سبد چیں کے آخر میں غالب نے لکھا ہے:

''اکنوں کہ ناسور کہن را تراوش نماند، کلک از کف فروگزاشته اسپس اگر سخن در اندیشۂ خواہد گذشت روشناس صفحہ نخواہد گشت۔''

الف میں جو نیا کلام ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اس زمانے کا ہے جب غالب کے دماغی قویٰ انحطاط پر تھے۔ بعض اصحاب کا یہ خیال کہ آخر عمر میں غالب نے قا آنی کا تتبع شروع کیا تھا، اس کلام سے ثابت نہیں ہوتا، ہاں کسی کا یہ کہنا البتہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں بھی ان کی ظرافت کم نہ ہوئی تھی۔

(مصنف، ستمبر 1948)

O

حواشی مرتب

1 جُمَل حروف ابجد کا حساب جس سے مادۂ تاریخ نکالتے ہیں۔
2 مادۂ تاریخ کی کمی کو کسی حرف، لفظ یا فقرے کے اضافے سے پورا کرنا۔

غالب اور خان آرزو

خان آرزو (1099 تا 1169ھ) کا آبائی وطن آگرہ تھا، اور یہ اپنے زمانے کے مشہور ترین ایران شناسوں اور فارسی گویوں میں تھے۔ حزیں سے تو ان کی نہیں بنی لیکن امید والہ وغیرہ ایرانی جوان کے عہد میں ہندوستان آئے تھے ان کے قدر شناس تھے۔

آرزو کی ایک کتاب موہبت عظمیٰ[1] ہے جسے 1268ھ میں دہلی کے ایک مطبع نے چھاپا تھا اور جس کے ایک نسخے کے حواشی میں غالب کے ملاحظات درج ہیں۔ یہ پہلے لوہاروں میں تھا اور اب کتب خانۂ رضائیہ رامپور میں ہے۔ غالب نے بہت سے امور میں آرزو سے اتفاق ظاہر کیا ہے، اور کہیں کہیں تعریف بھی کی ہے، غالب لکھتے ہیں:

(1) ''ایں شیوہ راند انند و نمک ایں طرز رانشناسند مگر گراں مایگانِ پارس و فرزانگان ایراں۔ صد ہزار آفریں بر خان آرزو کہ دادِ ایں روش داد۔''

(2) کلام خان آرزو علیہ الرحمۃ دریں مقام دوقے دارد و حقا کہ ہم چنیں است کہ او گفتہ است۔

(3) ''حقیقت معنی شعر عرفی ہمیں است کہ خان آرزو مینویسد ایں مضمونیست بسیار نازک و دقیق و لطیف۔ جز ایں ہر چہ گویند مقبول طبائع سلیمہ نمی تواند بود۔

غالب نے اگر آرزو سے اختلاف ظاہر کیا ہے تو سنجیدگی کے ساتھ، کہیں وہ لہجہ اختیار نہیں کیا ہے جو قاطع برہان کا ہے۔

حواشی کی یہ عبارتیں عجب نہیں اگر 1268 میں اس کے کچھ ہی بعد لکھی گئی ہوں۔ غالب

---

[1] یہ نسخہ میں نے دیکھا ہے لیکن اس کی عبارتیں جناب عرشی کے مقالے (شائع کردہ 'اردوئے معلیٰ' دہلی 1960) سے لی ہیں۔

نے آرزو کی شاعری کے تعلق کوئی رائے ان عبارات میں ظاہر نہیں کی، لیکن واضح ہے کہ ان کی فارسی دانی کے قائل تھے۔ عود ہندی کے ایک خط میں (اس وقت تک جو یقین ہے کہ ان عبارات کے بعد کا ہے) خسرو و فیضی کے ذکر کے بعد رقم طراز ہیں:

> زہے (رہے) یہ سپاہی (سیاہی) فایز، آرزو، فقیر اور شیدا اور بہار وغیرہم انھیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیدل اور غنیمت اُن کی فارسی کیا؟ منت اور مکیں اور واقف اور قتیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا نام لیجیے۔ وارستہ سیالکوٹی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔'' (ص 43، [بنام چودھری عبدالغفور سرور])

وارستہ نے 'مصطلحات' میں (اور اِس کا ثبوت موجود نہیں کہ وارستہ کی کوئی اور کتاب غالب کی نظر سے گزری تھی) آرزو کو کہیں سراج المحققین ص 295 اور کہیں سراج المدققین ص 322 لکھا ہے اور ان کے اشعار بطور سند پیش کرنے میں ص 25 و ص 65 وغیرہ تامل نہیں کیا۔

وارستہ نے اس کتاب میں آرزو کا نام لے کر جو اعتراض کیے ہیں، ان کی تعداد 5 سے زیادہ نہیں۔ صفحات 21، 95، 235، 295، 397۔ کچھ اعتراض ایسے بھی ہیں جن میں آرزو کا نام موجود نہیں۔ اگر ان کی تعداد دس بھی ہو، تو کل اعتراض 15 ٹھہرتے ہیں۔ آرزو نے اپنی مختلف کتابوں میں ہزاروں الفاظ سے بحث کی ہے، یہ مان بھی لیا جائے کہ وارستہ کے کل اعتراضات بجا ہیں تو بھی آرزو کے مرتبے میں کمی نہیں ہوتی۔

غالب نے ایک خط میں ایک محاورے 1 کی بحث میں تحریر کیا ہے'' [آپ] جب تک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں، جائز نہ جانئے۔ مگر کلامِ سعدی و نظامی و حزیں اور ان کے امثال اور نظائر کا معتمد علیہ ہے نہ آرزو اور واقف اور قتیل وغیرہم کا۔ (عود [ہندی]، ص 133، [بنام بے خبر])

قاطع برہان میں غالب نے آرزو سے متعلق ایک حکایت لکھی ہے۔ برسات کی اندھیری رات تھی۔ مینھ برس رہا تھا، تیز ہوا چل رہی تھی کہ آرزو نے ایک مصرع کہا۔ ''میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد'' غالب نے اِس بارے میں کہا ہے ''حقا کہ اگر گویند کہ ایں زمزمہ از فغانیست یا از نظیری کیست کہ باور نکندے۔'' یہ آخری مصرع تھا۔ مصرع اوّل جو آرزو نے کہا تھا یہ تھا ''تند پرشور وسیہ مست ز کہسار آمد'' آرزو اُسی وقت میرزا مظہر کے پاس گئے، مطلع سنایا اور داد لی۔ مطلع شہر میں

مشہور ہوا، اور ایک تازہ وارد شیرازی سوداگر نے بھی اسے سنا۔ آرزو اُسے اپنا مطلع سنانے گئے۔ پہلا مصرع زبان سے نکلا تھا کہ وہ بہت ہنسا اور بولا۔ ''میں جانتا ہوں آپ دوسرے مصرعے میں کیا کہیں گے۔ آرزو کو ناگوار ہوا، بولے، بتایئے میں کیا کہوں گا۔ سوداگر نے جواب دیا ''خواہی گفت کہ خرس آمد'' آرزو نے 'زہر خند' کیا اور اپنا مصرع سنایا۔ سوداگر نے دوسرے مصرع کی تعریف کی اور پہلے کی جگہ یہ مصرع تجویز کیا۔ ''قطرہ افشاں بسوئے شہرز کہسار آمد۔'' غالب کا قول ہے۔

''با آنکہ میرزا شیرازی سخنور نہ بود۔ لطف طبع را میرم کہ تندی و پرشوری وسیہ مستی کہ میان ابروخرس مشترک ست، نہ پسندید و مصرع صدرہ از مصرع استاد نغز تر و خوشتر بدیہہ گفت۔

صاحب مؤید برہان کے اس خیال سے مجھے اتفاق ہے کہ آرزو کا مصرع بمراتب بہتر ہے اور اعتراض لغو۔ یہ مطلع آرزو کے مقبول ترین اشعار میں ہے، بعض شعرا نے اس کی تضمین کی ہے اور متعدد تذکروں اور بیاضوں میں ملتا ہے۔ صاحب مؤید برہان نے یہ بھی لکھا ہے کہ حکایت اختراعی ہے۔ غالب نے تیغ تیز (ردّ مؤید برہان) میں اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ قاطع برہان کے سوا یہ حکایت کہیں اور نہیں ملتی اور قرینہ یہ ہے کہ اس کی کچھ اصل نہیں۔

قاطع برہان میں غالب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ کسی شخص نے آرزو سے خاقانی کے شعر ذیل کے معنی پوچھے۔

پرویز و ترنج زر کسریٰ و ترہ زرین زریں تیرہ گو بر خواں روکم ترکو برخواں

آرزو نے جو معنی بتائے سائل نے لکھ لیے اور حزیں کو جا کر دکھائے۔ حزین نے کہا کہ مصرع آخر یوں ہے: ''زریں ترہ کو برخواں روکم ترکو[2] برخواں'' حزیں نے خود جو معنی بتائے وہ قاطع برہان کے الفاظ میں یہ ہیں:

> پرویز ترنجے از زرداشت کہ ہر پیکرے کہ میخواست از آں می ساخت چوں خسروی ایراں نبوشیرواں رسید، فرمودتا آں زردست افشار را... پھن کردند بس تنک واز گاز بیاژند برگ پودینہ وگندتا برید ند و ہنگام گستردن خواں آں رابرخواں می نہادند۔ پس معنی ایں باشد کہ... پرویز را ترنج زر برخواں می بودو کسریٰ ترۂ زر۔ اکنوں بنگر کہ... کجاست... اے شنوندہ، عبرت پذیر واز

[2] قاطع برہان ص 58 میں ایک جگہ ترکو، دوسری جگہ ترہ کو

مصحف مجید آیہ کم تر کو (کذا) برخواں۔"

صاحب مؤید برہان نے صحیح لکھا ہے کہ یہ ایک شعر کے دو مصرعے نہیں، دو مختلف شعروں کے دو مصرعے ہیں جن کے درمیان ایک اور شعر ہے۔ یہ تین شعر جو خاقانی کے ایک مشہور قصیدے کے ہیں، یوں ہیں:

کسریٰ و ترنج زر پرویز و ترہ زریں   برباد شدہ یکسر از یاد شدہ یکساں
پرویز بہر سوے زریں ترہ آوردے   کردے ز بساط زر بساط زرزیں ترہ رابستاں
پرویز کنوں گم شد زاں گم شدہ کم تر گو   زریں ترہ کو برخواں رو کم تر کو برخواں

صاحب مؤید برہان نے اس حکایت کو افسانۂ محض کہا ہے اور غالب سے تیغ تیز میں اس کا کوئی جواب نہ بن پڑا— غالب پر یہ اعتراض بھی ہے کہ انھیں علم نہ تھا کہ پرویز نوشیرواں کا پوتا تھا، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ پرویز کا زمانہ نوشیرواں سے قبل ہے (غالب نے قاطع برہان کی اشاعت دوم میں اس اعتراض سے بچنے کے لیے عبارت میں ترمیم کردی ہے۔)

اِس حکایت کی اگر کچھ بنیاد ہے تو یہ کہ کسی شخص نے حزیں کے پاس خاقانی کے متعدد اشعار بھیجے تھے۔ان پر اعتراض کیے تھے اوران کے معانی دریافت کیے تھے۔حزیں کے جواب میں مصرع ہائے زیرِ بحث بھی ہیں (انھوں نے دو شعر دیے ہیں) حزیں لکھتے ہیں:

> "طومار مرسلہ متضمن سوالِ معانی از ابیات حکیم خاقانی..... واشکال واعتراض برآنہا بود رسید..... از نظر گذشت و برشگفت افزود، چہ آں عزیز رابفکر اشعار حکیم مذکور افتادن ومعترض بحث وحل شدن حاصلے وثمرۂ بخشیدے چہ تمام دیوان او بریک سیاق ویک سوال است... ودر نظر آں عزیز از آغاز تا بانجام متشابہ الاجزا... دریں جز وزماں خاصہ در مملکت ہند حقیقت احوال ایں است کہ از دانستنِ اشعار خاقانی بلکہ از ندانستن عدد نماز ہائے پنجگانہ وجمیع آنچہ از ضروریات ملت وکمال نفس وانتظام معاش است، اصلاً نقش ونصرت دنیوی و عیب وحقارت معنوی متصور نیست... دیگر ایں دو بیت نگاشتہ آند:

کسریٰ و ترنج زر پرویز ترہ زریں   برباد شدہ یکسر از یادشدہ یکساں
پرویز کنوں گم شد زاں گم شدہ کمتر گو   زریں تکہ خوان [کذا] خواں

بسیارے از الفاظ ایں ہر دو بیت را کہ بتصحیف کلمات مہملہ نوشتہ اند... در اخبار مذکور است کہ نوشیرواں ترنج طلا... داشتہ د... پرویز... ترہ زریں معمول داشتہ۔ از لفظ یکسان مراد اینکہ آں ترنج و ترۂ زریں ہر دو بیک و تیرہ فراموش شدہ... و در بیت دوم خوان اوّل بمعنی سفرہ است و دوم بمعنی خواندن، پس میفر ماید زاں کم تر کو برخواں یعنی... ایں آیہ بخواں...

اِس خط کے مکتوب الیہ علی گڑھ کے ایک مجموعۂ مکاتیب حزیں کے بموجب شمس الدین فقیر ہیں، اور بقول خواجہ محمد علی تمنا، خان آرزو۔ خلاصۃ الافکار میں بھی یہ خط ہیں۔ مگر اس میں مکتوب الیہ کا نام نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ خط فقیر یا آرزو کے نام سے نہیں، کوئی اور شخص اس کا مکتوب الیہ ہے۔

غالب نے وارستہ اور بہار کے ساتھ آرزو پر بھی یہ الزام لگایا ہے کہ یہ مدعیان فارسی دانی ہر اس شخص کو جو ہندوستان کے پچھم سے آیا تھا۔ خواہ وہ کابلی ہو یا قندھاری۔ کیچی یا مکرانی، اہلِ زبان سمجھتے ہیں مگر اس کا کوئی ثبوت انھوں نے پیش نہیں کیا۔ جہاں تک میرا علم ہے، آرزو، وارستہ اور بہار نے کسی کیچی یا مکرانی کی نظم ونثر سے استناد نہیں کیا اور نہ ان کی تصانیف میں ان علاقوں کے کسی ناظم وناثر کا نام لیا ہے۔ آرزو وغیرہ صرف ایرانیوں کو اہلِ زبان مانتے تھے مگر سند ہر اس تلخص کی دیتے تھے جس کی فارسی دانی ان کے نزدیک مسلم تھی، خواہ وہ کہیں کا باشندہ ہو۔

حزیں کے ساتھ جو سلوک، آرزو، بہار اور وارستہ نے کیا تھا، غالب اُس کے متعلق قاطع برہان میں لکھتے ہیں: ''حاشا کہ بعد از صائب و حکیم چوں حزیں دیگرے از خاک پاک ایران برخاستہ نہ باشد۔ میبایست مقدم اور اگرامی داشتن و سخنش بر ورقِ دل نگاشتن۔ غوامض نطق پارسی از وے فرامی گرفتند ونگار شک از آئینہ دانش بمقولۂ ارشاد وے می زدودند۔ چہ در خور بود باوے چہرہ شدن و بر سخنش انگشت نہادن... ہے ہے، ایں بیخبراں فرہنگ ناطق و برہان قاطع را کہ حزیں بود نہ شناختند و قدر ناشناسی را با مسافر آزاری جمع کردند۔''

آرزو کو حزیں سے عناد ہے اور تنبیہ الغافلین میں حزیں پر جو اعتراض انھوں نے کیے ہیں، ان میں سے بیشتر، جیسا کہ صہبائی نے قولِ فیصل میں دکھایا ہے غلط ہیں لیکن بہار و وارستہ کو ان سے عداوت نہ تھی اور ان دونوں نے اگر اُن پر اعتراض کیے ہیں تو ان کی طرف سے دوسروں کے اعتراضات کے جواب بھی دیے ہیں۔ اس سے قطع نظر، حزیں اتنے بڑے محقق نہ تھے کہ وہ جو کچھ کہتے بے چون و چرا قبول کرلیا جاتا۔

طغرا کے ایک شعر میں 2 دریچہ آیا ہے، غالب کو اصرار ہے کہ یہ دریچہ نہیں، دریَچہ بحرکت یا ہے۔ آرزو نے چراغِ ہدایت میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ بفتح اول سکون را... فتح با... و جیم فارسی بمعنی درخرد کہ دریچہ بیائے معروف نیز گویند ہمین شہرت دارد، اوّل خالی از غرابت نیست'' (اِس کے بعد شعر طغرا) غالب نے قاطع برہان 3 میں لکھا ہے۔

سخنوراں... یا رائے تصرف دارند، تحتانی ساکن را بحرکت متحرک ساخت و ہم اہرمن پیشہ از پسیپان را در ضمیر انداخت کہ درخرد را 'بچہ' در اندیشند و دریچہ را 'دریچہ گویند' اس کا امکان ہے کہ چراغ ہدایت غالب کی نظر سے گزری ہو اور 'اہرمن پیشہ پسیپان' سے جن اصحاب کی طرف اشارہ ہے ان میں آرزو بھی ہوں۔ یہ دراصل داب کی تصغیر ہے، نہ 'بچہ' در ہے نہ دریچہ۔

آخری عبارت جو آرزو سے متعلق غالب کے قلم سے نکلی ہوئی تیغ تیز میں ہے۔ ''مولوی سند لاتا ہے آرزو کے کلام کو۔ راقم... آرزو کا ایسا معتقد کب ہے کہ اس کے ہر قول کو معتبر جانے۔''

حواشیِ 'موہبت عظمیٰ' سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غالب آرزو کی فارسی شاعری کے قائل ہوں یا نہ ہوں، ان کی فارسی دانی کے معترف تھے مگر بعد کو آرزو کے بارے میں جو کچھ ان کے قلم سے نکلا وہ صریحاً اس پر منحصر ہے کہ وہ نہ آرزو کو فارسی کا اچھا شاعر مانتے تھے نہ انھیں اچھا فارسی داں سمجھتے تھے۔ اِس سلسلے میں اتنی بات یاد رہے کہ غالب نے قاطع برہان میں 'انا ولا غیری' کا علم بلند کیا ہے اور اِس سے قطع نظر کہ اور جگہ انھوں نے کیا کہا ہے، انھوں نے واضح الفاظ میں دعویٰ کیا ہے کہ خود انھیں چھوڑ کر نہ ہندوستانی فارسی کے اچھے شاعر ہیں نہ اِس زبان سے کما حقہ واقف ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں آرزو کی عظمت کا اقرار ممکن نہ تھا۔

○

(صبح: ج1، 1961)

حواشی مرتب

1　'آب در بنا رسیدن' 'رسانیدن'— عود ہندی مکتوب بنام بے خبر

2　روز و شب دریَچہ مشرق باز است　　ورنہ از تنگی این خانہ نفس می گیرد

3　قاطع برہان، فائدہ نمبر 15

غالب کی غزل گوئی کے پانچ دور

شیخ محمد اکرام صاحب نے غالب کی شاعری کے پانچ دور قائم کیے ہیں: 1807 تا 1821، (2) 1821 تا 1827، (3) 1827 تا 1847، (4) 1847 تا 1857، (5) 1857 تا 1869۔ اسے فی الحال قبول کیا جاتا ہے۔

دور اوّل کے کلام میں خیال کی نامناسبت پیچیدگی اور غیر معتدل فارسیت بہت ہے؛ یہ اس کثرت کے ساتھ اردو کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں۔ مگر ساتھ ساتھ ایسے اشعار بھی ہیں جو بے تکلف دوسرے دور کے اشعار میں شامل ہو سکتے ہیں:

بشغلِ انتظارِ مہوشاں در خلوتِ شبہا الخ

اور غزل ذیل جس کے سات اشعار نسخہ مروجہ دیوان میں بھی ہیں، اسی دور کی ہے۔

غزل

کہتے ہو: نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ، گم کیجیے؟ ہم نے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا
درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

شور پندِ ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا
آپ سے کوئی پوچھے: "تم نے کیا مزا پایا؟"

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم، یارب؟
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقشِ پا پایا

بے دماغِ خجلت ہوں، رشک امتحاں تا کے؟
ایک، بے کسی، تجھ کو عالم آشنا پایا

خاک بازیٔ اُمید، کارخانۂ طفلی
یاس کو دو عالم سے لب بخندہ وا پایا

سادگی و پرکاری، بے خودی و ہشیاری
حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے، آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا

حالِ دل نہیں معلوم، لیکن اس قدر، یعنی
ہم نے بارہا ڈھونڈھا، تم نے بارہا پایا

دوست دارِ دشمن ہے، اعتمادِ دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا

کیوں نہ وحشتِ غالب باج خواہ تسکیں ہو؟ کشتۂ تغافل کو خصم خوں بہا پایا

دور دوم میں خیال کی نامناسب پیچیدگی نہیں اور غیر معتدل فارسیت اگر ہے تو برائے نام۔ ع مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے الخ اور غزل ذیل اسی دور کی ہے:

غزل

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے — اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے
نے مژدۂ وصال نہ نظّارۂ جمال — مدّت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے
ہو کر شہید، عشق میں، پائے ہزار جسم — ہر موج گردِ راہ مرے سر کو دوش ہے
مَے نے کِیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب — اے شوق یاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے
گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا — کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے
دیدار بادہ، حوصلہ ساقی، نگاہ مست — بزمِ خیال مے کدۂ بے خروش ہے

ق

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار! اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے! جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو! جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی! — مطرب، بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ — یہ جنّتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں — نَے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب، صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

دورِ سوم کی غزلوں کا انداز وہی ہے جو دور دوم کا ہے۔ ع دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی الخ اور غزل ذیل اسی دور کی ہے:

غزل

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے — بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کفِ قاتل میں ہے

دیکھنا! تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے، ولے با ایں ہمہ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
بس ہجومِ ناامیدی! خاک میں مل جائے گی یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے
رنجِ رہ کیوں کھینچیے؟ واماندگی کو عشق ہے؟ اٹھ نہیں سکتا، ہمارا جو قدم منزل میں ہے
جلوہ زارِآتشِ دوزخ، ہمارا دل سہی فتنۂ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے

ہے دلِ شوریدۂ غالب طلسمِ پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

دورِ چہارم میں فارسیت نسبتاً کم، اور اشعار مقابلتاً آسان ہیں۔ غزلہائے ذیل اسی دور کی ہیں: ع یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا الخ، ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا الخ، جور سے باز آ ما پر باز آ ما کیا الخ، سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں الخ، دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں؟ الخ۔

غزل

کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو
وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟
سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ''ہم سے سرگراں کیوں ہو؟''
کِیا غم خوار نے رسوا، لگے آگ اس محبت کو!
نہ لاوے تاب جو غم کی، وہ میرا راز داں کیوں ہو؟
وفا کیسی؟ کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر، اے سنگ دل، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟
قفس میں مجھ سے رودادِ چمن کہتے نہ ڈر، ہمدم
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو؟
یہ کہہ سکتے ہو ''ہم دل میں نہیں ہیں'' پر یہ بتلاؤ
کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو؟

غلط ہے جذبِ دل کا شکوہ، دیکھو جرم کس کا ہے؟
نہ کھینچو گر تم اپنے کو، کشاکش درمیاں کیوں ہو؟
یہ فتنہ، آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے، دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟
یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟
عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو؟
کہا تم نے کہ ''کیوں ہو غیر کے ملنے میں رسوائی؟''
بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہیو کہ ''ہاں کیوں ہو؟'
نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب؟
ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو

دور دوم تا چہارم میں غالب کے بہترین اشعار کا بڑا حصہ وجود میں آیا، دور پنجم کا کلام ایک تو بہت کم ہے، دوسرے یہ کہ چنداں بلند پایہ نہیں۔ اس دور کی ایک غزل درج ذیل ہے:

غزل

بہت سہی غمِ گیتی، شراب کم کیا ہے؟ غلامِ ساقیِ کوثر ہوں، مجھ کو غم کیا ہے؟
تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم، کیا ہے؟ رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے؟

کٹے، تو شب کہیں، کاٹے، تو سانپ کہلاوے کوئی بتاؤ کہ وہ زلفِ خم بہ خم کیا ہے؟
لکھا کرے کوئی احکامِ طالعِ مولود کسے خبر ہے کہ واں جنبشِ قلم کیا ہے؟
نہ حشر و نشر کا قائل، نہ کیش و ملت کا خدا کے واسطے ایسے کی پھر قسم کیا ہے؟
وہ داد و دید گراں مایہ شرط ہے ہمدم وگرنہ، مہرِ سلیمان و جامِ جم کیا ہے؟
سخن میں خامۂ غالبؔ کی آتش افشانی
یقیں ہے ہم کو بھی، لیکن اب اس میں دم کیا ہے؟

○

(مطالعہ، پٹنہ جنوری-فروری 1969)

دیوانِ غالب کے دو نسخے

اس مقالے میں دیوان غالب کے نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ شیرانی سے بحث کی گئی ہے، مگر یہ ناتمام ہے، اس کا تکملہ آیندہ لکھا جائے گا۔ اس میں حسبِ ذیل مخففات مستعمل ہوئے ہیں: ب = بھوپال کا خطی نسخہ جس کی کتابت بتاریخ 5 صفر 1237ھ مکمل ہوئی۔ دو چار سال قبل میں بمبئی میں تھا، تو میں نے یہ کوشش کی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے نسخہ کتب خانۂ دانش گاہ بمبئی میں آجائے، لیکن یہ خبر ملی کہ بھوپال کے جس کتب خانے میں تھا، وہاں نہیں ہے۔ بعد کو ڈاکٹر گیان چند نے بھی اس کی تصدیق کی۔ ح = نسخۂ حمیدیہ۔ حب = حاشیۂ ب۔ حش = حاشیۂ ش۔ ش = نسخۂ شیرانی جواب کتب خانۂ دانش گاہ پنجاب میں ہے۔ ن = دیوان مروجہ۔ اس وقت میرے پیش نظر، جناب مالک رام کا مرتبہ نسخہ ہے، جس کا متن ان کے بیان کے مطابق مطبع نظامی کانپور[1] کے نسخے (طبع 1278ھ) کے مطابق ہے اور جس میں پہلے صرف وہ کلام (باضافۂ یک شعر) ہے جو نسخۂ مذکورہ میں تھا اور آخر میں بطور تتمہ کچھ ایسا کلام بھی ہے جو کانپوری نسخے میں نہیں۔

1) ''غالب نے ایک خط میں لکھا تھا: 'ابتدائے فکر (1) سخن میں بیدل و اسیر و شوکت کی طرز پر ریختہ لکھتا تھا، چنانچہ ایک غزل کا مقطع تھا:

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا — اسداللہ خاں قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے 25 برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس میں بڑا دیوان جمع ہوگیا، آخر جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا، اوراق یک قلم چاک کیے، دس، پندرہ شعر واسطے نمونے کے دیوان میں رہنے دیے۔''[1] اس سلسلے میں امور ذیل توجہ طلب ہیں: (1) بیدل

---

[1] میرے پاس ہے مگر اس وقت پیش نظر نہیں، اس کے اور دوسرے قدیم نسخوں کے سنین طبع اور ان کے اشعار کی تعداد ماخوذ از دیباچہ نسخۂ مالک رام

کا ذکر پرانے دیوان میں بہت جگہ ہے، لیکن اسیر وشوکت کا نام تک نہیں آیا۔ اس میں ایسے اشعار بھی ہیں، جو ان شاعروں کے مخصوص رنگ میں نہیں (2) غالب رجب 1237ھ میں 25 برس کے ہوئے تھے، اوران کا ایک دیوان جس کی کتابت اسی سال کے اوائل میں ہوئی تھی، چند سال قبل تک موجود تھا اس سے قدیم تر نسخہ زمانۂ حال کے کسی شخص کے علم میں نہیں۔ یہ دیوان 'بہت بڑا' (قول آزاد) کیا معنی 'بڑا' بھی نہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی زمانے میں بھی اردو دیوان کی ضخامت اتنی نہ رہی ہوگی کہ اسے 'بڑا' کہہ سکیں۔ (3) غالب نے خط زیر بحث میں انتخاب نہیں، دیوان کے (باستثنائے چند اشعار)، یکقلم ضائع کردینے کا ذکر کیا ہے، مگر دیباچۂ دیوان اردو کو خود انھوں نے 'انتخاب' کہا ہے۔ مروجہ دیوان اور 'ب' 'ش' کے مقابلے سے واضح ہوتا ہے کہ ان میں سیکڑوں اشعار مشترک ہیں۔ آزاد کا یہ قول کہ انتخاب غالب کے دو دوستوں نے کیا، اور خود غالب کا اس سے کچھ سروکار نہیں، میرے نزدیک قابل قبول نہیں۔ (4) غالب نے پرانے دیوان کا انتخاب کب کیا، اس کے بارے میں فی الحال اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا زمانہ گلشن بے خار میں ان کا ترجمہ قلمبند ہونے (غالباً 1248ھ میں) سے قبل ہے۔
(5) دیوان اردو پہلی بار 1257ھ میں طبع ہوا اور 1095 اشعار پر مشتمل تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں انتخاب کے بعد کے اشعار بھی شامل ہوں گے۔ طبع ثانی کا زمانہ اس کے چند سال بعد ہے، اور ان کے اشعار کی تعداد 1111 ہے۔ غالب کے دوران حیات میں دیوان چار بار اور[2] چھپا۔ ان چاروں میں کانپوری نسخہ سب سے زیادہ صحیح المتن ہے۔ غالب کی وفات کے بعد برسوں تک اس کی نقل یا نقل درنقل چھپا کی، مگر ان میں اور کانپوری نسخے میں یہ فرق ہے کہ 'سہرا' موخرالذکر سے غیر حاضر ہے۔ کانپوری نسخے کے اشعار کی تعداد 1802 ہے۔

(2) 'ح' میں 'ب' کے حوض وحواشی کے اشعار کے علاوہ وہ اشعار بھی ہیں جو 'ب' میں نہیں، لیکن 'ن' میں ہیں۔ 'ح' کے حواشی میں دو چار اشعار ایسے بھی ہیں، جو زمانۂ حال کے نسخ دیوان میں اِدھر اُدھر سے لے کر شامل کیے گئے ہیں۔ قاعدہ یہ رکھا ہے کہ پہلے ہر حرف کی وہ غزلیں ہیں، جو کلاً یا جزءً 'ن' میں موجود ہیں، یا جن کی زمین میں ایسے اشعار ہیں جو 'ب' میں نہیں ہیں؛ ان کے بعد وہ غزلیں ہیں جن کا تعلق 'ن' سے نہیں، اور آخر میں ان غزلوں نے جگہ پائی ہے،

---

[2] اس میں نگارستان سخن شامل ہے

جن کا 'ب' سے کچھ سروکار نہیں۔ غزلوں کے بعد قصائد وغیرہ ہیں۔ قسم اول کی غزلوں میں پہلے وہ اشعار ہیں جو 'ب' میں ہیں، اس سے قطع نظر کہ وہ 'ن' میں ہیں یا نہیں۔ 'ب' 'ن' کے مشترک اشعار جن میں اختلاف نہیں، عموماً 'م' کے ساتھ مرقوم ہیں، اختلاف ہے، تو یہ دکھایا گیا ہے کہ جس سے اشتراک کا حال معلوم ہو جاتا ہے، لیکن اس صورت میں 'م' کبھی ہے، کبھی نہیں۔ آخر میں ایسے اشعار جو 'ن' میں ہیں، مگر 'ب' سے غیر حاضر ہیں، زیر عنوان 'مطبوعہ'' [3] درج کیے گئے ہیں۔

(3) مرتب 'ح' نے اپنی تمہید کے ص 9 میں ایک نقشہ دیا ہے، جو اس پر مشعر ہے کہ 'ب' کی 275 غزلوں کے اشعار 1883 [4] ہیں، اس نقشے سے یہ پتا بھی چلتا ہے کہ ہر ردیف میں کتنی غزلیں اور کتنے اشعار ہیں، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی غزلیں اور کتنے اشعار ان زمینوں میں ہیں جن کے اشعار 'ن' میں بھی ہیں اور کتنی غزلیں نئی زمینوں میں ہیں اور ان کے اشعار کی تعداد کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حوض 'ب' کی غزلیں 276 اور ان کے اشعار کی مجموعی تعداد 1906 ہے۔ ذیل کے نقشے سے واضح ہوگا کہ مرتب نے ہر ردیف کی غزلوں اور ان کے اشعار کی تعداد کیا لکھی ہے اور یہ دراصل کیا ہے۔ میں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مشترک زمینوں کی غزلیں اور ان کے اشعار کتنے ہیں (قسم اوّل)، اور غیر مشترک زمینوں کی غزلوں اور ان کے اشعار کی تعداد کیا ہے:

ردیف	غزلیں	اشعار	تصحیح	قسم 1 کی غزلیں	اشعار	قسم 2 کی غزلیں	اشعار
الف	60	405	x	38	268	22	137
ب	2	13	x	x	x	2	13
ت	2	11	x	2	11	x	x
ث	2	13	x	x	x	2	13
ج	2	14	x	1	8	1	6
چ	2	23	x	1	9	2	14
خ	1	5	x	x	x	1	5

[3] 'مطبوعہ' کے تحت بعض اوقات ایسے اشعار بھی جو 'ب' میں باختلاف موجود ہیں۔

[4] یہی تعداد جناب مالک رام کے مقدمۂ دیوان میں بھی ہے۔

د	5	40	تعداد اشعار 41	1	11	4	30
ر	8	56	x	5	36	3	20
ز	9	59	x	5	33	4	26
س	3	16	x	x	x	3	16
ش	2	14	x	1	9	1	5
ع	2	13	x	2	13	x	x
غ	2	12	x	x	x	2	12
ف	2	11	x	1	5	1	6
ک	4	30	غزلیں 3، اشعار 23	2	16	1	7
گ	x	x	1 غزل، اشعار 9	1	9	x	x
ل	5	34	x	x	x	5	34
م	5	36	x	3	23	2	13
ن	28	189	غزلیں 29، اشعار 203	16	113	13	90
و	6	47	x	1	9	5	38
ہ	8	54	x	2	14	6	40
ی	114	788	اشعار 794	64	458	50	336
				146	1045	130	861

4) (1) غزل ۵ 'گ': گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ ص 99 (2) غزل قسم 2: ضبط سے مطلب بجز وارستگی دیگر نہیں (اشعار 6) ص 127، مگر 'ن' کا شعر ذیل، ظاہراً یہ سمجھ کر کہ اس میں 'بیزبانوں' قافیہ ہے، ص 136 (قسم 3) میں درج کیا ہے:

ہوگئی ہے غیر کی شیریں زبانی کارگر عشق کا اس کو گماں ہم بیزبانوں پر نہیں

(3) غزل قسم 2: شفق بدعویٰ عاشق گواہ رنگین ہے (اشعار 6) ص 223۔ 'ن' میں اس زمین کی

۵ غزل کا پہلا مصرع مکمل یا نامکمل بجائے غزل

ایک غزل 4 اشعار کی ہے (ح ص 269 قسم 3) جس کے دو شعر: 'کرے ہے بادہ' الخ اور بجا ہے الخ 'ب' لے میں بھی ہیں (4) غزل قسم 2: بہار تعزیت آبادِ عشق ماتم ہے (6 اشعار) ص 222 ب کا کوئی شعر 'ن' میں نہیں، لیکن اس زمین کے دو شعر: نہ پوچھ الخ اور بہت دنوں الخ 'ن' میں ہیں (ح ص 269 قسم 3) (5) غزل قسم 2: مستی بذوقِ غفلتِ ساقی ہلاک ہے (6 اشعار) ص 133۔ اس غزل کے 3 شعر: مطلع، جز زغم الخ، جوش جنوں الخ 'ن' میں بھی ہیں (6) غزل قسم 2: فرصت آئینہ صدرنگ خودآرائی ہے (7 اشعار) ص 226۔ اس زمین کا ایک نیا شعر 'ن' میں ہے:

اگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب — ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

یہ 'ح' ص 246 میں (قسم 3) نقل ہوا ہے (7) غزل قسم 2: تا چند نفس غفلتِ ہستی سے بر آوے (9 اشعار) ص 238 اس زمین کا ایک نیا شعر جو 'ح' میں نقل ہونے سے رہ گیا ہے، مگر 'ن' میں ہے، یہ ہے:

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا — مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برآوے

(5) قسم اوّل کی غزل کا ایک اور شعر ایسا ہے جو 'ب' 'ن' میں مشترک نہیں، 'ح' میں نقل نہیں ہوا:

دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے — ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

(6) مرتب 'ح' نے تمہید میں (حوض 'ب' کے متعلق، مگر یہ صراحۃً مرقوم نہیں) لکھا ہے: ''غزلوں... میں 1883 ہیں، ان میں سے نصف کے قریب اشعار مروجہ دیوان میں موجود ہیں'' اس سلسلے میں امورِ ذیل شایانِ التفات ہیں:

(1) 'ح' میں سہرا ملتا ہے۔ دیوان مروجہ' سے ان کی مراد یہ نسخہ نہیں؛ بعض قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اس کی کوئی نقل یا نقل در نقل ہے۔ 1 ص 37 کی ایک غزل میں ایک شعر: ''پھر وہ سوئے چمن... گلستاں میں ہوا داروں کا'' ایسا شامل ہے جس کے متعلق وہ حاشیے میں لکھتے ہیں: دیوان... شائع کردہ..... حسرت اور دیوان... بدایونی کی طبع ثانی کے آخر میں غالب کے غیر مروجہ اشعار کے ضمن میں شائع کیا گیا ہے لیکن، اس کے باوجود، یہ غزل قسم 2 کی غزلوں میں محسوب ہے۔ 2 ص 156 کا ایک شعر: ''ہر داغ... امتحاں نہ پوچھ'' بھی 'ن' میں نہیں، لیکن نسخۂ بدایوں میں ہے، بدون 'م' درج ہے۔ یہ بات کہ اس نوع کے دو شعر: ''شب...

لے یہ دونوں شعر 'ح' میں 2 جگہ۔

فسوں خواب تھا" اور "واں... مضراب تھا" 'ح' ص 9 میں 'م' کے ساتھ مرقوم ہیں، اس خیال کے خلاف پڑتی ہے جو اوپر ظاہر کیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ مرتب نے ایک شعر: کارخانے سے جنوں کے بھی میں عریاں نکلا الخ جو 'ب' میں ہے، لیکن 'ن' میں نہیں، ح کے ص 5 میں 'م' کے ساتھ لکھا ہے اور ذیل کے مشترک [7] اشعار کے ساتھ 'م' نہیں دیا: تیشے... قیود تھا ص 3، غنچہ ... پایا ص 5، نہ بندھے... ساحل [8] باندھا ص 8، لکھتا... انگشت ص 55، نظر... درو دیوار ص 70، وہ بھی... ناز ص 81، نہیں... گلباز ص 81، میں نے... یاد آیا ص 24، فروغ... آتش ص 88، سراغ... قدم دیکھتے ہیں ص 123، بنا کر... کرم دیکھتے ہیں ص 113، نگہ... حیراں مجھ سے ص 186، سمجھ... نہ ہو جائے ص 191، حسن... پیدا کرے کوئی ص 198۔

(2) حسب ذیل اشعار ظاہراً مرتب کے نزدیک مشترک اشعار میں شامل نہیں، مجھے ان سے اتفاق نہیں۔ ذیل میں صرف وہ شکل پیش کی جاتی ہے جو 'ب' میں ہے؛ 'ن' میں ان کی جو شکل ہے وہ بھی 'ح' میں درج ہے:

گرمی برق تپش سے زہرۂ دل آب تھا　　شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا
ص 9

داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے　　اے ہوس مبارک ہو کارِ عشق آساں ہے
ص 200

آتشیں پا ہوں گداز وحشت زنداں نہ پوچھ　　موے آتش دیدہ ہے ہر حلقہ یاں زنجیر کا
ص 1

اسد کا قصہ طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے　　کہ حسرت کش رہا عرض ستمہائے جدائی کا
ص 12

فلک کو دیکھ کے کرتا ہے مجھ کو یاد اسد　　اگرچہ گم شدہ ہے کاروبار دنیا کا
ص 15

---

[7] ان میں مطلق اختلاف نہیں۔

[8] ممکن ہے کہ مرتب نے اس مقطع کے ساتھ سہواً 'مطبوعہ' نہ لکھا ہو۔ اس غزل میں اس کے علاوہ بھی ایک مقطع ہے، اور پہلے مقطع کا مضمون اس غزل کے ایک اور شعر میں بھی بندھا ہے۔

ہے اسد بیگانۂ افسردگی اے بیکسی　　دل زانداز تپاک اہل دنیا جل گیا
ص 23
انداز نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد　　جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
ص26
اے عدوے مصلحت چند بضبط افسردہ رہ　　کودنی ہے جمع تاب شوخی دیدار دوست
ص56
اسد اے بے تحمل عربدہ بیجا ہے ناصح سے　　کہ آخر بیکسوں کا زور چلتا ہے گریباں پر
ص71
نکوہش مانع دیوانگیہائے جنوں آئی　　لگایا خندۂ ناصح نے بخیہ جیب و دامن میں
ص117
لوں دام بخت خفتہ سے یک خواب خوش اسد　　لیکن یہ بیم ہے کہ کہاں سے ادا کروں
ص108
جوں مردمک چشم سے ہوں جمع نگاہیں　　خوابیدہ بحیرت کدۂ داغ ہیں آہیں
ص119
چشم خوباں میفروش نشۂ زار ناز ہے　　سرمہ گویا موج دود شعلۂ آواز ہے
ص184
یاد ہیں اے ہمنشیں وہ دن کہ وجہ ذوق میں　　زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک
ص96
نہ لائی شوخی اندیشہ تاب[9] رنج نومیدی　　کف افسوس سو دن عہد تجدید تمنا ہے
ص189

(3) حوض 'ب' 'ن' کے مشترک اشعار غزل 465، مروجہ دیوان 1460۔
(4) مرتب نے حوض 'ح' میں قسم 3 کے صرف وہ اشعار دیے ہیں، جو 'ن' میں ہیں، لیکن اس

9 یہ شعر مشترک نہیں، مگر مرتب کے نزدیک یہ ہے: نہیں بند زلیخا بے تکلف ماہ کنعاں پر سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر ص 71

قاعدے کے خلاف ص 247 میں شعر ذیل درج ہے:

دل آپ کا کہ دل میں ہے جو کچھ سب آپ کا دل لیجیے مگر مرے ارماں نکال کے

(7) مرتب نے تمہید میں یہ نہیں لکھا کہ حواشی 'ب' میں مکمل غزلیں اور متفق اشعار کس قدر ہیں۔ کسی خاص غزل یا کسی خاص شعر کے متعلق یہ اطلاع کہ حاشیۂ 'ب' میں ہے، حواشی ح میں ملتی ہے۔

(الف) حواشی 'ب' میں حسب ذیل غزلیں ملتی ہیں: پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب (تعداد اشعار 12) ص 53، اس کے کل اشعار 'ن' میں ہیں۔ رہا گر کوئی تا قیامت سلامت (اشعار 10) ص 57، ان میں سے 4 'ن' میں ہیں۔ کب فقیروں کو رسائی بت میخوار کے پاس (اشعار 8) ص 85، باستثنائے مطلع کل اشعار 'ن' میں ہیں۔ ہے کس قدر ہلاک فریب وفائے گل (اشعار 11) ص 100، 2 کے سوا کل 'ن' میں ہیں۔ وہ فراق اور وہ وصال کہاں (10 اشعار) ص 109، ایک کے سوا کل 'ن' میں ہیں۔ وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو (10 اشعار) ص 147، کل 'ن' میں۔ غزلیں 6، اشعار 61، مشترک اشعار 51۔

(ب) قسم 1 کی غزلوں کے متفرق اشعار حواشی 'ب' میں: 1 روانیہاے ... قاتل پسند آیا ص 3 حوض میں سواد چشم الخ جس پر[1] 'لالا' مرقوم ہے۔ روانیہاے الخ اس کا بدل ہے 2 ص 17 1 3 ص 20 2 (ن) 4 ص 23 اعتبار عشق... مجھ پر ہوا ص 23 'ح' میں اس کے مقابل 'مطبوعہ' لکھا ہے، مگر حاشیۂ 'ح' میں ہے کہ یہ حاشیۂ 'ب' کا شعر ہے، جس کی جگہ حوض میں 'زہد... ششدر ہوا ہے جن پر 'لالا' مرقوم ہے۔ 5 ص 24 1 (ن) 6 ص 25 1 7 ص 55 5 جن میں سے ان میں ہیں۔ 8 ص 16 1 9 ص 79 2 (ن) 10 ص 80 حوض 'ب' و 'ح' میں مقطع: اسد سے ترک الخ، حاشیۂ 'ح' سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد الخ پر 'لالا' اور حاشیۂ 'ب' میں اس کی جگہ یہ مقطع: نہ پوچھ ... خاک انداز (ن))، حاشیے میں اس زمین کے 3 شعر اور جن میں سے ایک 'ن' میں بھی ہے۔ 11 ص 94 2 (ایک 'ن' میں) 12 ص 196 1 (ن) 13 ص 105 1 (ن) 14 ص 109 4 ان کے مقابلہ 'مطبوعہ' مرقوم ہے، لیکن حاشیۂ 'ح' سے پتا چلتا ہے کہ یہ حاشیۂ 'ب' میں ہیں۔ 15 ص 115 2 (ان میں) 16 ص 156 1 (ن) 17 ص 166 1 (ن) 18 ص

---

[1] ایسے اشعار 'ب' میں اور بھی ہیں، جو کبھی حوض اور کبھی حاشیۂ ح میں درج ہیں—

167 2 (ن) 19 ص 170 1 (ن) 20 ص 171 3 (2ن میں) 21 ص 173 1 (ن) 22 ص 187 3 شعر (’مطبوعہ‘) جن میں سے ایک یہ ہے:

آگ سے پانی میں بجھتے وقت آتی ہے صدا   ہر کوئی درماندگی میں نالے سے ناچار ہے

یہ شعر حوض ’ح‘ ص 211 میں بھی قسم 2 کی ایک غزل میں (باختلاف قافیہ، ناچار کی جگہ مجبور) شامل ہے۔ دونوں صفحوں کے حاشیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بقافیۂ مجبور حاشیۂ ’ب‘ میں ہے 23 ص 189 میں پہلے ایک غزل جس کے کسی شعر کی نسبت اطلاع نہیں دی گئی کہ ’ن‘ میں ہے، اس غزل کے بعد بعنوان ’مطبوعہ‘ اسی زمین کے 4 شعر جن کے متعلق حاشیۂ صفحۂ مذکور میں یہ لکھا ہے کہ یہ اشعار حاشیۂ ’ب‘ میں بھی ہیں۔ ان 4 میں سے ایک: ”نہ لائی شوخی... تمنا ہے“ باختلاف بعض الفاظ اس غزل میں بھی ہے جس کا اوپر ذکر آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حاشیۂ ’ب‘ میں اس زمین کے نئے شعر صرف 3 ہیں۔ مجموعی تعداد 44، جن میں سے 32 ’ن‘ میں بھی ہیں۔

(ج) قسم 2 کی غزلوں کے اشعار حواشی ’ب‘ میں: 1 ص 32 2 2 ص 36 3 3 ص 60 1 4 ص 74 1 5 ص 95 1 6 ص 98 2 7 ص 122 1 8 ص 211 1 (یہ اس شعر کے علاوہ ہے جس کا قافیہ ’مجبور‘ ہے) =12 -

(د) حواشی ’ب‘ کے کل اشعار کی تعداد 116 ہے، ان اشعار میں سے 81 ’ن‘ میں بھی ہیں۔

8) ب (حوض و حاشیہ) کی کل غزلیں 282، کل اشعار 2022 - مشترک اشعار 465+81= 546 -

9) ’ب‘ میں فارسی قصیدے سے قطع نظر (اس سے بحث تکملے میں ہوگی) 3 قصائد ہیں: 1 مصرع 1: ساز یک ذرہ نہیں سازِ زمیں سے بیکار ص 293۔ مرتب نے اس کے اشعار کی تعداد 110 صحیح بتائی ہے، اور یہ بھی درست لکھا ہے کہ مشترک اشعار 28 ہیں۔ ’ب‘ و’ن‘ میں ترتیب اشعار یکساں نہیں، اور کئی شعر کے مقابل ’ح‘ میں، جہاں چاہیے، ’م‘ نہیں۔ 2 مصرع 1: توڑے ہے عجز تنک حوصلہ بر روے زمیں ص 301، تمہید میں تعداد اشعار 67 صحیح ہے، مگر مشترک اشعار 29 (بموجب تمہید) نہیں، 32 ہیں۔ اس قصیدے کا ایک شعر: ’دہر جز... خود بیں‘ ’ن‘ میں ہے، لیکن ب میں نہیں 3 مصرع 1: جو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی ص 307 کی تعداد 29 تمہید میں ٹھیک ہے۔ یہ قصیدہ ’ن‘ میں نہیں، لیکن اس کے 3 شعر (تمہید میں 2) اس میں بطور

غزل موجود ہیں۔ 'ب' میں 11 رباعیوں میں سے صرف 5 ان میں ہیں۔ اشعار قصائد و رباعیات 228، مشترک اشعار 73۔

10) مرتب کا قول ہے: ''مروجہ دیوان میں جتنی کٹی چھٹی غزلیں وہ سب اس (ب) میں مکمل موجود ہیں؛ جو اشعار متفرق طور پر تلاش کر کے بعض دیوانوں میں بڑھائے گئے تھے، اور جن کی بابت قیاسی طور پر کہا جاتا تھا کہ غالب کے ہیں، وہ بھی سب کے سب اس میں پائے جاتے ہیں'' (تمہید)۔ بہت سی کٹی چھٹی غزلیں بے شبہہ 'ب' میں مکمل موجود ہیں، لیکن 'ب' میں ایسی متعدد غزلوں کا ایک شعر بھی نہیں (مثلاً 'شرم' اور 'کیا کریں' والی ردیف کے اشعار)۔ اور شواہد در کنار، خود حواشی 'ح' سے ثابت ہے کہ 'متفرق' اشعار میں سے بعض (مثلاً 'شکوہ... ویرانہ تھا') 'ب' یا اس کے حواشی میں نہیں۔ میرا خیال ہے کہ 'ب' (حوض و حاشیہ) میں 5 صفر 37ھ کے قبل کا بھی کل کلام نہیں مثلاً وہ غزل جس کا مقطع غالب کے خط میں ہے اور جو یقین ہے کہ تاریخ مذکور سے پیشتر کی ہے۔ اس کے بعد کے کل کلام کے تو اس میں ہونے کا سوال ہی نہیں۔

11) ''یہ دیوان کم سے کم ایک بار اور ممکن ہے کہ چند مرتبہ تصحیح و ترمیم کی غرض سے غالب کے پاس بھی گیا ہے اور ان کی نظر سے گزرا ہے اور انھوں نے خود اس میں جا بجا اصلاحیں کی ہیں، کیونکہ اگرچہ اصلاحوں کا خط بہت خراب اور شکستہ ہے، لیکن پھر بھی اس میں اور غالب کے طرزِ تحریر کے موجودہ نمونوں میں ایک گونہ مشابہت پائی جاتی ہے، اور گو محض اس کی بنا پر ان کو غالب کا قلمی قرار دینا شاید درست نہ ہو، لیکن خود ان اصطلاحوں کی نوعیت ایسی ہے کہ ان کو مصنف کے سوا اور کسی کے قلم کی طرف منسوب کرنا مشکل ہے کیونکہ ان میں اکثر [جگہیں] ایسی ہیں کہ لفظ کو کاٹ کر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا ہے یا کسی مصرع کی کچھ صورت بدل دی ہے۔ بہت سی غزلیں بھی اسی قسم سے حاشیے پر بڑھائی گئی ہیں۔'' (تمہید)۔ حواشی میں جو اشعار ہیں وہ بے شبہ غالب کے ہیں اور اصلاحوں کے ذمے دار بھی وہی ہیں، لیکن کاتب کون ہے اس کے متعلق فیصلہ کن بات 'ب' کو دیکھے بغیر نہیں کہی جا سکتی۔ اضافات و اصلاحات کے متعلق مرتب کے ایسے اقوال سے جو نقل نہیں ہوئے، ان کا یہ خیال معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب 5 صفر 37ھ کے بعد کے ہیں مگر اس کا امکان ہے کہ کچھ اس سے قبل کے ہوں۔

1) نسخۂ شیرانی [11] لاہور میں میری نظر سے گزرا تھا، لیکن اس مقالے کی تحریر کے وقت اس کا عکس سامنے ہے۔ یہ موجودہ حالت میں 109 اوراق پر مشتمل ہے۔ ورق اول کے صفحہ 1 میں صرف 'دیوان غالب اردو' مرقوم ہے، دوسرے صفحے سے دیوان شروع ہوتا ہے اور اس میں 6 شعر ہیں۔ مسطر 11 سطروں کا ہے، مگر بہت کم صفحے ایسے ہیں جن میں 11 اشعار ہوں۔ ورق 26 اس مقطع پر تمام ہوتا ہے جس کا مصرع 2 یہ ہے۔:''عالم ہم افسانۂ ماوار دو ما ہیچ'' (ح ص 64) اور اشارۂ کاتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد کی غزل لفظ 'نفس' سے شروع ہوتی ہے، لیکن ورق 27 کا آغاز 'نوازش... [12] استخواں فریاد'' (ح ص 69) سے ہوتا ہے جو 'فریاد' ردیف والی غزل کا مطلع نہیں۔ ح ص 63 سے پتا چلتا ہے کہ 'نفس' 'چ' کی ایک غزل 'نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ'' کا پہلا لفظ ہے۔ ورق 26 کے بعد کم ازکم ایک ورق غائب ہے۔ ورق 106 'دل و دیں نقد... دستگر داں ہے' پر تمام ہوتا ہے، اور اشارۂ کاتب اس پر مشعر ہے کہ صفحہ آئندہ 'غم آغوش' سے شروع ہوتا ہے جو اسی زمین کا ایک شعر ہے اور 'ن' میں موجود ہے۔ ورق 107 کا آغاز غزل کے کسی شعر سے نہیں بلکہ قصیدۂ نوینہ کے اس شعر سے ہوتا ہے جو 'ب' میں اس قصیدے کا چوتھا شعر ہے۔ ورق 106 کے بعد کتنے اوراق ضائع ہوگئے، اس کے بارے میں قطعی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں۔ قصیدے کا خاتمہ ورق 109 کے دوسرے صفحے پر ہوتا ہے، آخری مصرع یہ ہے: وقف احباب گل و لالۂ فردوس بریں۔

2) ش (حوض و حاشیہ) کے حسب ذیل 25 اشعار 'ب' یا 'ن' سے غیر حاضر ہیں، ابتدا میں غزل کا شمار دیا گیا ہے:

	عالم طلسم شہر خموشاں ہے سربسر	یا میں غریب کشور گفت و شنود تھا
70	سمجھا ہوا ہوں عشق میں نقصاں کو فائدہ	جتنا کہ ناامید تر امیدوار تر
	''پیٹھ محراب کی قبیلے کی طرف رہتی ہے	محو نسبت ہیں تکلف ہمیں منظور نہیں'' حاشیہ
113	میکشی کو نہ سمجھ بے حاصل	بادہ غالب عرقِ بید نہیں

[11] کسی اور شخص نے اَرش پر کچھ لکھا ہے تو وہ میری نظر سے نہیں گزرا مگر اس کی مجھے خبر ہے کہ اس کے وجود سے غالب شناس واقف ہیں۔

[12] ہر حرف کی غزلوں پر ہندسے دیے ہوئے ہیں، دال کی آخری غزل کا شمار 3 ہے۔

ابر روتا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو — برق ہنستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو۔ حاشیہ
طاقت رنج سفر بھی نہیں پاتے اتنی — ہجر یاران وطن کا بھی الم ہے ہم کو
لائی ہے معتمدالدولہ[۱۳] بہادر کی امید — جادۂ رہ کشش کاف کرم ہے ہم کو
ہوکر شہید عشق میں پائے ہزار جسم — ہر موج گرد راہ مرے سر کو دوش ہے۔ حاشیہ
154 وہ بات چاہتے ہو کہ جو بات چاہیے — صاحب کے ہمنشیں کو کرامات چاہیے
دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی — ہاں کچھ نہ کچھ تلافی مافات چاہیے
177 زندگی میں بھی رہا ذوق فنا کا مارا — نشہ بخشا غضب اس ساغر خالی نے مجھے
بس کہ ہے فصل خزان چمنستان سخن — رنگ شہرت نہ دیا تازہ خیالی نے مجھے
جلوۂ خورشید سے فنا ہوتی ہے شبنم غالب — کھو دیا سطوت اسمائے جلالی نے مجھے
210 اے بے خبراں میرے لب زخم جگر پر — بخیہ جسے کہتے ہو شکایت ہے رفو کی
گو زندگی زاہد بیچارہ عبث ہے — اتنا ہے کہ رہتی تو ہے تدبیر وضو کی
214 دل تو ہو اچھا نہیں ہے گر دماغ — کچھ تو اسباب تمنا چاہیے
220 یہ کون کہوے ہے آباد کر ہمیں لیکن — کبھی زمانہ مراد دل خراب تو دے
221 طلسم منت یک خلق سے رہائی دی — جہاں جہاں مرے قاتل کا مجھ پہ احسان ہے
جنوں نے مجھ کو بنایا ہے مدعی میرا — ہمیشہ ہاتھ میں میرے مرا گریباں ہے
اسد کو زیست تھی مشکل اگر نہ سن لیتا — کہ قتل عاشق دلدادہ تجھ کو آساں ہے
225 انجام شمار غم نہ کچھ پوچھ — یہ مصرف تابکے نہیں ہے
جس دل میں کہ تابکے سما جائے — واں عزت تخت کے نہیں ہے
238 پوچھے ہے کیا معاش جگر تفتگان عشق — جوں شمع آپ اپنی وہ خوراک ہوگئے
243 کمال حسن اگر موقوف انداز تغافل ہو — تکلف برطرف تجھ سے تری تصویر بہتر ہے
244 خوانا نہیں ہے خط رقم اضطراری — تدبیر پیچ تاب نفس کیا کرے کوئی

3) ذیل میں متون ’ش‘ ’ح‘ کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ ان کے اختلافات تو دکھائے ہی جائیں گے، خاص خاص امور میں ان کے اتفاق کی طرف بھی ناظرین کی توجہ منعطف کرائی جائے

[۱۳] ن میں دوسرا مصرع بجنسہ ہے اور پہلا یوں: لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب۔

گی۔ پہلے غزل کا شمار اور اس کے نیچے 'ش' میں اس کے اشعار کی تعداد ہے۔ غزل 'ب' میں نہیں، تو یہ بتانا غیر ضروری سمجھا گیا ہے، کہ 'ح' کے کس صفحے میں ہے، موجود ہے، تو صفحے کا شمار دیا گیا ہے۔ غزل کا پہلا مصرع مکمل یا نامکمل شکل میں دیا گیا ہے۔ اگر اس کے سب یا کچھ الفاظ کے نیچے نشان ہے، تو یہ اس پر مشعر ہے کہ متن 'ح' مختلف ہے۔ اختلاف یا اتفاق اس طرح دکھایا گیا ہے کہ پہلے وہ شکل ہے جو 'ش' میں ہے، اس کے بعد = اور 'ح' کے الفاظ۔ غزلوں کے اشعار کی جو تعداد درج ہے، اس میں اقسام ذیل کے اشعار ہیں: (1) وہ جو صرف 'ش' میں ہیں، اور 2) میں نقل ہو چکے ہیں۔ (2) وہ جو 'ش' 'ب' میں ہیں، لیکن 'ن' سے غیر حاضر میں (3) وہ جو ان تینوں میں ہیں (4) وہ جو 'ش' 'ن' میں ہیں، لیکن ب میں نہیں۔ ترتیب اشعار میں اختلاف ہے تو اس کا ذکر صرف اسی صورت میں کیا گیا ہے کہ یہ ضروری ہو۔ قوسین کے اندر لفظ 'قطعہ' کا ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ 'ش' میں یہ لفظ موجود ہے اور اس سے قبل جس شعر کی طرف اشارہ ہے وہ بعد کے شعر یا اشعار کے ساتھ مل کر قطعہ ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ اسی صورت میں مرقوم ہے کہ 'ش' میں ہے اور 'ح' میں نہیں۔ مکمل شعر کی طرف اشارے کے لیے اس کی ابتدا کے بعض الفاظ کا دینا کافی سمجھا گیا ہے اور ان کے بعد التزاماً الخ لکھا گیا ہے۔ بہت سے اختلافات جن کی نشاندہی کی گئی ہے، دراصل کاتب 'ش' یا 'ح' کے اغلاط ہیں۔ املا کے کچھ اختلافات 3) اور کچھ 5 میں دکھائے گئے ہیں، مگر ایک قسم کا اختلاف بکثرت ہے تو ہر جگہ لازماً اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

$\frac{1}{9}$ ص 1 نقش... تحریر کا۔ جز مزہ (مژہ)۔ آتشیں پا الخ کی دوسری شکل حش میں ہے۔ تماشا = تماشہ۔

$\frac{2}{6}$ ص 2 جنوں... کمند آیا۔ زنجیر ہی = زنجیر ہے۔ نادیدنی دعوت = کذا (حاشیہ ش داغ جگر ہدیہ)۔

$\frac{3}{7}$ ص 3 عالم... وجود تھا۔ جوں (کذا) = چوں۔ ہے عرض = کذا (حش درست)۔

$\frac{4}{6}$ ص 2 شمار... پسند آیا۔ ش میں سوادا لخ نہیں، روانیہاے الخ ہے۔ بادہ پر = بادہ بر۔

$\frac{5}{7}$ ص 3 تنگی... وجود تھا۔ متاع = مطاع۔ ڈھاپنے = ڈھاپنا۔

$\frac{6}{7}$ ص 29 خود... خو تھا۔ سیہ پیانہ ہر = سیاہ از حلقہ ہاے۔ بے نقابی آپ پر = بے نقابیہا بخود۔ شستہ بر رو = شیشہ برو۔ سے زانو زانو = کا تا بزانو۔

$\frac{7}{7}$ ص 4 کہتے... پڑا پایا۔

8/7 دوست... فرماویں گے کیا= فرمائیں گے۔ بھرتے = بھرنے۔ خانہ الخ (قطعہ)، گرفتار وفا= گرفتار بلا۔ دلی = دہلی۔ رہے= رہیں۔

9/9 ص 5 عشق... مزا پایا۔ خرام= خیال۔ دادن گل = دادن دل۔ ہم سے تیرے کوچے = ہم نے تیرے کوچہ۔ بے ستم = نے سم۔

10/10 ص 23 اف... بے محابا جل گیا۔ شمع رویوں = شمع رویاں۔ ذوق آتش = شوق آتش۔ دکھاؤں (کذا)= دکھاتا۔ شعلہ رو جب ہوگئے = شعلہ رویاں جب ہوئے۔ بسوز آتش (ش و حب)= زآتشخیزی۔ میں ہوں اور الخ = ہے اسد بیگانہ الخ۔

11/7 ص 5 کار... عریاں نکلا۔ بوئے گل نالۂ دل دوددود چراغ محفل (ش و حب) = عشرت ایجاد چہ بوئے گل۔ وکو دو چراغ۔ ب میں اس پر 'لالا'

12/6 ص 29 دویدن۔ زمیں پایا= دمیدن۔ سرمہ= سرمو۔ اُگی = اُگے۔ باگیرائی = ناگیرائے۔ ممکن ہے (ہے صاف نہیں)= مسکن سے۔ یکدست و (ومشکوک)= یکدست۔

13/7 ص 6 شوق= ساماں نکلا۔ پردے میں بھی = پردے سے بھی۔ پروہی (پر صاف نہیں)= پھر وہی۔

14/7 دھمکی میں مرگیا جو نہ باب نبرد تھا۔

15/9 ص 6 دہر... تسلی نہ ہوا۔ صفحۂ آینہ جولانگہ= صفحۂ آئینہ ہوا آینہ۔ کرنے میں = کرنے پہ۔

16/6 ص 31 برہمن... شوخی اہتمام اس کا= شہرت۔ زینت ریزی = زینت ریز ہے۔ دبویگا= لایا ہے۔ مہر (قہر؟)= قہر۔ عنانگیر= عنا گیر۔

17/9 ص 7 شب... محمل باندھا۔ جلوہ ہے= جلوہ سے۔

18/7 ص 11 نہ ہوگا... کم میرا۔ بیدماغی = بدماغی۔ غبار راہ= میں گرد راہ۔ آوازۂ= آوارۂ۔

19/7 ص 8 جب... محمل باندھا۔ نہ بندھے الخ ش میں نہیں۔ پایہ= پاپہ۔

20/7 ص 10 نہ بھولا۔ انتظار اپنا۔ ہے چمن = سے چمن۔ نیاز= نثار۔ ہوائی نفشبند= ہوا ہے نقشبند۔

21/7 محرم نہیں... راز کا۔

22/12 ص 9 شب... تیرے دل بیتاب تھا= تیری۔ عنانگیر= عنا گیر۔ ہجوم اشک میں= ہجوم اشک سے۔ فوارۂ سیماب= فوارۂ سیلاب۔ ب میں اس زمین کی 3 غزلیں ہیں (ص 9 و ص

10)، غزل 22 کے 2 شعر: دیکھتے تھے الخ اور موج سے پیدا الخ ب کی دوسری غزل اور 4 شعر: جلوۂ گل الخ، یاں سر پر شور الخ، فرش سے تا عرش الخ اور یاں نفس کرتا تھا الخ تیسری میں ہیں۔

$\frac{23}{6}$ ص 35 یک ... بہار صحرا۔ یک قدم = اک قدم۔ خانہ ہے خاک = خانۂ خاک۔ سر میں = درد۔ دل میں = دردِ دل۔

$\frac{24}{9}$ ص 9 نالۂ دل... نایاب تھا۔ محشر ستاں = محشر آباد۔ یاد آیا میکہ = یاد ایام کہ۔ غزل 23 کے 5 شعر: نازش الخ، مقدم الخ، کچھ نہ کی الخ، آج کیوں پروا الخ ('قطعہ' پیش ازیں = کل تلک) اور یاد کر الخ (جو آج کیوں پروا الخ کے بعد ہی ہے)، ب کی غزل 3 میں ہیں۔

$\frac{25}{6}$ ص 16 لب... مردگاں کا۔ کمینگاہ = کمیندار۔ ستمدیدہ = بدرجستہ۔

$\frac{26}{8}$ ص 36 کیا۔ نشستن کا۔ نادیدہ صفت = نادیدہ صفت۔ زنگ بستن = رنگ بستن۔ عاقبت بیں = عافیت میں۔ اندیشۂ نستن (؟) = اندیشہ رفتن۔ جوں موم = خوں موم۔ بیمار ہوتا = بیمار رہتا۔ آئینۂ = آئینہ۔

$\frac{27}{9}$ ص 32 یاد... سلسلۂ یارب تھا = در گرہ۔ تماشا چمن = تماشائے چمن۔

$\frac{28}{10}$ ص 15 کس... انتظار تھا۔ ماتم یک شہر آرزو = خون دو عالم معاملہ۔ توڑ = توڑا۔

$\frac{29}{7}$ ص 16 زبس... وہم بسمل کا۔

$\frac{30}{9}$ ص 20 بسکہ... آساں ہونا۔

$\frac{31}{7}$ ص 33 رات... جانا نہ تھا۔ جناع = جناح۔

$\frac{32}{7}$ ص 34 کرے... نکتہ گوئی کا۔ آئینہ ہووے = آئینہ ہوے۔ چشمۂ آئینہ دھووے = چشمۂ آئینہ ہوئے۔ رنگی = زنگی۔

$\frac{33}{9}$ ص 33 بس کہ... پروانہ تھا۔ سعی سپند = سعی پسند۔ بخت سیہ = بخت رسا۔ تڑپھنا = تڑپنا۔

$\frac{34}{6}$ ص 36 شب... تیر آیا۔ پاے پہ زنجیر = پائے بہ زنجیر۔

$\frac{35}{8}$ ص 37 سیر آنسوے تماشا ہے طلب گاروں کا۔

$\frac{36}{7}$ ص 13 شب... اندازہ تھا۔ ترصدائی = ترصدائے۔

$\frac{37}{7}$ ص 38 عیادت... غمگیں کا۔

$\frac{38}{7}$ ص 12 بے... نارسائی کا۔ جہاں مت = جہاں مٹ۔ مغرور = مصروف۔ غوغا = چرچا۔

$\frac{39}{8}$ ص 17 ضعف... یہ دور تھا = بھی۔ جس کے نام = اس کے نام۔ کا منتظر = کی منتظر۔

$\frac{40}{7}$ ص 12 نہ ہو... بیوفائی کا۔ بُمہر (بضمۂ میم، بعض اصحاب م کو مکسور سمجھتے ہیں)۔ بے سامانی = بے مامانی۔ ن کا شعر وہی اک بات الخ ش میں ہے۔ وو ہی = وہی۔

$\frac{41}{8}$ ص 20 یک زرہ... باغ کا۔ چشم میں موج = چشم جنوں میں۔

$\frac{42}{7}$ ص 22 قطرہ... پرور ہوا۔ نگیں اخگر = نگیں احتر۔ زہد گرویدن الخ ش میں نہیں، اعتبار الخ ہے۔ خونا کردگان = ناافسردگاں۔ ریشہ واری = (ریشہ داری شکر لطف = لطف عام۔ مے ہی (کذا) = مے ہے۔ مژگاں سناہاں (سپاہاں؟) = مژگاں سیاہاں۔

$\frac{43}{9}$ ص 13 وہ... پنہاں سمجھا۔ سے میں تب = سے تپش

$\frac{44}{8}$ ص 24 پھر... تر یاد آیا۔ تھا میں صحرا میں کہ = دشت کو دیکھ کے۔ حب کا شعر: پھر ترے الخ ش میں ہے۔

$\frac{45}{7}$ ص 25 تو دوست کسو... ستمگر نہ ہوا تھا۔ ظلم کہ = ظلم جو۔

$\frac{46}{7}$ ص 27 شب... ناموس تھا۔ پرستی بہار = پرستی ہے بہار۔ طبع کی واشد نے = غنچۂ خاطر نے۔ رنگ یک = رنگ صد۔ یہ دل وابستہ گویا = گردۂ تصویر گلشن۔

$\frac{47}{12}$ ص 25 عرض... قابل نہیں رہا۔ جوں شمع = ہوں شمع۔ اب لائق توجہ = شایان دست و بازوے۔ بوادی حیرت (حیرت مشکوک) = بوادی حسرت۔ مٹ گئی = مٹ گئی۔ بیداد عشق سے نہیں ڈرتا ہوں پر اسد = انداز نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد۔

$\frac{48}{9}$ ص 18 طاؤس... آہ کا۔

$\frac{49}{10}$ ص 19 خود پرستی... ناآشنا۔ آشنا کے = آشنا کی۔ ن کے کل زائد اشعار باستثناے 'شکوہ سنج الخ' ش میں ہیں۔

$\frac{50}{6}$ ص 18 بہار... اشکباری کا۔ ساقی ہو = ساقی ہے۔

$\frac{51}{11}$ ص 26 خلوت... جولاں میرا۔ سرشار سے = سرشار مے۔

$\frac{52}{10}$ عشرت... فنا ہو جانا۔ بخشے ہے الخ (قطعہ، اس کے بعد 'تا کہ تجھ پر' الخ)۔ گذرنا = کذا۔

$\frac{53}{7}$ ص 52 بس کہ... بیابان خواب۔ طبع آ گہ = طبع موزوں۔ اختر کتی (کذا، گنے؟) = اختر کنی۔ اختر ہے = اختر سے۔ آدہم = ادہم۔ طشت = کذا۔

54/12 ص 53 پھر... بالکشا موج شراب۔ دل دوسب (؟) = دل دوست۔ سیہ مستی = سیہ ہستی۔ ہے یہ برسات الخ۔ نباتی = بناتی۔ (قطعہ)۔ ہیں طوفانی = ہے طوفانی۔ کیفیت ہستی = ہنگامۂ ہستی۔ رہبر قطرہ بدریا ہے خوشا = ہے تصور میں زبس جلوہ نما۔

55/6 ص 52 ہے... حاصل خیال عندلیب = پرور۔ بریدن = پریدن۔ پروانہ و = پروانۂ و

56/10 ص 55 جاتا... ادھر انگشت۔ دیکھا ہے کسو کا جو = دیکھا ہے کسی کا جو (حوض ح) = حاشیۂ ح میں یہ عبارت: 'متن میں پہلے... یوں تھا: خوباں کا جو دیکھا ہے۔ مرتب نے یہ نہیں بتایا کہ ''دیکھا ہے کسی کا جو' ب میں کس جگہ ہے۔ ہیں الفت مژگاں میں = مژگاں کی محبت میں۔ پاقی (پانی) تو پھر اس کی = باقی تو عجب کیا۔ تڑپھتی = تڑپتی۔ بس اوس (ش میں اُ 23 ما اوس) = بس اِس۔ ہر شمع شہادت کو ہے یاں = ہے شمع شہادت کے لیے۔ لوگوں کی تھی = لوگوں کے تھے۔ نشانی ترا = نشانی تری۔ دنداں = کذا۔

57/13 ص 56 نیمرنگی... زاردوست۔ غیر از نقش = جز تمثال۔ پہ اُس کے = پہ اِس کے۔ آفتاب روز = آفتاب صبح۔ اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر = اے عدوے مصلحت چند (کذا) بضبط افسردہ رہ۔ کون لاسکتا ہے تاب جلوۂ = کردنی ہے جمع تاب شوخی۔ ب کے اشعار برق الخ اور لغزش الخ ش میں نہیں، اور ن کے کل زائد اشعار اس میں موجود ہیں۔ غیر یوں کرتا ہے الخ (قطعہ)۔ میری پرسش = پرسش مجھ سے۔ پسند آتی = پسند آئی۔

58/10 ص 57 رہا... قیامت سلامت۔ خونابہ = خوں نابہ۔ خط فنا = خط وفا۔ گریکام = گریہ کام۔ جگر خالی = جگر خواہی۔ خستہ وشور = خستہ دشوار۔ وفور وفا = وفور بلا۔ ہجوم بلا = ہجوم وفا۔

59/7 ص 59 ناز... توانائی عبث۔ محک = مہک۔ کنج (گنج؟) = کنج۔ جان عاشق = طبع عاشق۔ باسیانی = پاسبانی۔

60/9 ص 61 گلشن... دگر ہے آج۔ انتظام = انتظار۔ ہر رشتہ = سر رشتہ۔ دور افتادۂ = دور او فتادۂ۔

61/6 ص 62 جنبش ہر برگ... اختلاج = گلبرگ۔ وحشی = وحشت۔ قہرمان عشق میں (؟) = کذا۔ جہاں دیتی ہے حیرت = نے بخشا بسکہ حیرت۔ گیسو شدن = گشتن بہر زلف۔ میخانہ ہا = میخانہا۔ 'میناپہ' کے بعد 'باج' حرف ب کے اوپر دو نقطے بھی اس کے اوپر لفظ وحشی مرقوم ہے، یہ اس کی ی کے نقطے ہوسکتے ہیں، مگر آخر میں جو ی آتی ہے وہ عموماً ش میں نقطوں سے محروم ہے = باج۔

$\frac{62}{7}$ ص 63 بیدل... وریدہ کھینچ۔

$\frac{63}{7}$ ص 64 قطع سفرہستی وآرام وفنا۔ کھینچ = آرام فنا۔

$\frac{64}{5}$ ص 69 نوازش... نہاں فریاد۔ دلیہاے = دلہاے۔ ب کے ابتدائی دوشعر ش سے غائب۔

$\frac{65}{11}$ ص 66 حسن... چھٹا میرے بعد۔ ساقی میں = ساقی پہ۔ سیلاب فنا = سیلاب بلا۔
ان کے ناخن (ان بدون ن) = اُن کے ناخن۔

$\frac{66}{10}$ ص 70 بلا سے... بہ پیش نظر در و دیوار۔ کسو سے = کسی سے۔ پانو = پاؤں۔ زمانہ
میں = زمانے میں۔

$\frac{67}{7}$ ص 74 بس کہ... ماہتاب آئینہ پر۔ چھڑ کے = (کذا)۔ 'مدعیٰ' کے بعد کا لفظ پڑھا نہیں
جاتا، ح میں میرے، مگر یاے معروف کی جگہ ہے۔ مجرم = خونی۔ وپچتاب = پیچ وتاب۔ بنے = ہواز

$\frac{68}{9}$ ص 71 نہیں بند... کنعاں پر چشم سے جس کی = چشم سے جس کے۔ زمانے سے =
زمانہ سے۔ پارہ ہاے = کذا۔

$\frac{69}{7}$ ص 71 صفاے... زنگ آخر۔ تڑپھ = تڑپ۔ نغمہ سے = نغمے سے۔

$\frac{70}{8}$ ص 74 بینش... نوبہارتر۔ نالہ نکاہ = نالہ بہ کاہ۔ ازرحم = اززخم۔

$\frac{71}{5}$ ص 72 دیا... فریب آخر۔ بیقراری سے = بہتر ارانہ۔ پرفشانی۔ ہوگیا = بال افشانی ہوا۔

$\frac{72}{9}$ ص 72 فسون یکدلی... دشمن پر۔ خون تمنا = خون دوعالم۔ قرض = فرض۔

$\frac{73}{6}$ ص 82 حسن... تغافل ہنوز۔

$\frac{74}{9}$ ص 79 بیگانہٴ وفا... چمن ہنوز۔ زنجیر پاہی = زنجیر پا ہے اس زمین کی صرف ایک غزل
ش میں ہے، ب میں ۲-غزل 2 کے 3 اشعار، فارغ الخ (جوں صبح وآفتاب = مانند صبح ومہر۔
جیب کفن = جیب وکفن)، اے شعلہ الخ، میخانہٴ جگر الخ غزل 74 میں ہیں۔

$\frac{75}{6}$ ص 83 چاک... تامل ہنوز۔ تجمل = تحمل۔

$\frac{76}{9}$ ص 80 حریف... نیاز۔ پر دماغ = پھر دماغ۔ کو پرواز = کذا۔ صورت پرواز = کذا،
لرزاں ہے = لرزے ہے۔ اسد سے الخ ش میں نہیں۔ صہبا ہے آبگینہ = صہباے آبگینہ۔

$\frac{77}{7}$ ص 83 کو... جولان عجز۔

$\frac{78}{7}$ ص 82 داغ.. بکہسار ہنوز = بہ کہسار۔ دور میں = دوربیں۔ تب = تپ۔ گذرے = گزرے۔

79/9 ص 81 نہ گل... ساز۔ سجدہ ہاے = سجدۂ جبیں۔ خم گیسو = خم کا کل۔ دور دراز = دور و دراز۔ آرائیش = آرائش۔

80/6 ص 84 نہ بندھا... مور ہنوز۔ غنچہ = غنچے۔

81/6 ص 85 حاصل... کوتاہ اور بس۔ تا چاک = بر چاک۔ پیچتاب = پیچ وتاب۔ ہم خود = خود ہم۔ عقدہاے = عقدہ ہاے۔

82/8 ص 85 کب... میخوار کے پاس۔ اک بار = ہے ہے۔

83/5 ص 86 دشت... محبوس و بؤ پیچتاب = پیچ و تاب۔ ڈھونڈھنا (کذا) = خواستن۔ پردہ = کذا۔

84/5 ص 86 کرتا ہے۔ مایوس۔ ترے جلوے کی = رخ دوست کے۔ جلوہ پرستار = جلوہ نظر جوش۔

85/9 ص 88 ہوئی... بہار آتش۔ گداز موم ہے افسوں = نہ پاوے بے گداز موم۔ نکالے کب = نکالے کیا۔ طپیدن = تپیدن۔ ہوتی ہے حل = کذا

86/5 ص 88 باقلیم... سواد آتش = بہ اقلیم۔ دیباچہ = دیباچہ۔ سامان = رنگ اور۔ بت بہر = بت ہی بر۔

87/6 ص 90 جادہ حوز... شعاع۔

88/7 ص 90 رخ... جاودانی شمع۔ حسرت پروانہ = حسرت پرواز۔ بایماے = بہ ایماے

89/6 ص 92 عشاق... ہزار داغ۔ محو = نیست۔ یہاں = یاں

90/6 ص 92 بلبلوں... بار باغ۔ لقطۂ = نقطۂ۔

91/8 ص 94 نامہ... غبار حیف۔ کسو = کسی۔ کرم = کرم نے۔

92/2 ص 94 عیسی... شفاریز یکطرف۔ سنجیدنی = سنجیدگی۔ ہم یکطرف ہیں = ہم اک طرف ہیں۔ ہر سو ہو (کذا) = ہو سو ہو۔ دادۂ = دادہ

93 ص 96 زخم پر باندھے (کذا) ہیں... بے پروا نمک۔ وجہ ذوق = وجد ذوق۔ چھوڑ کر جاتا = چھوڑ کر جانا۔ مانگے = مانگیں۔ منت نہ کھچونگا = منت وچھوڑونگا۔ خوباں ہے = خوباں ہیں۔ نصارا = اضارا

94/8 ص 97 آہ... اثر ہوتے تک = ہونے (ہر شعر میں ن کے ساتھ) ساتھ دن = سات دن۔

95/7 ص 97 آئی... پارہ (کذا)... درمیان اشک۔ اشارا = اشارہ۔ طپیدن = تپیدن۔

96/9 ص 99 گر... دعا نہ مانگ۔ جنبش نشاط (بساط؟) = جنبش نشاط۔ برگ دعا = برگ حنا۔ اس کی = اُس کی۔ پایمال = پائمال۔

97/7 ص 101 بدر... ہلال۔ رخ سے ترے = رخسار سے داغ مہ = داغ شب۔ ورنہ تھا = ورنہ ہے۔

98/11 ص 100 ہے... وفائے گل۔ رہ گیا = مرگیا۔ گل جیب = گل وجیب۔ اسے = اُسے۔

99/7 ص 101 ہوں... خیال۔

100/9 ص 102 بہر... سے رقم ایجاد گل = ہے۔ حسرتیں کرتی ہے = حسرتیں کرتی ہیں۔

101/6 ص 103 گرچہ... تنگ دل۔ شوق پروا = شوق بے پروا۔ نشہ = نشہ

102/7 ص 104 اثر کمندی... نارسا معلوم۔

103/7 ص 106 ازانجا... یار ہیں ہم۔ لاچار = کذا۔ محمل آرائے = محفل آرائے۔

104/10 ص 104 بسکہ... میخانہ ہم۔ ہر موج ایک = ہر موج یک۔ تصویر چاک = تصویر خاک۔ جوں شمع خلوتخانہ = جوں شمع ماتمخانہ۔

105/6 ص 106 جس دم کہ... نفس تمام۔ بہ گلوے = بہ گلوئے۔ یوہیں = یونہی۔

106/7 ص 105 رہتے... بیدردانہ ہم۔ شعلہ ہا = شعلہا۔ پر (پُر؟) موہوم = پرموہوم۔

107/9 ص 108 خوش... فنا کروں۔

108/10 ص 109 وہ... وصال کہاں۔ خوباں ہی = اک شخص کے۔ مضایقہ = مضائقہ۔

109/10 ص 111 آنسو... ہوا کہوں۔ مگر اوسے = مگر اسے تو اوسے = تو اسے۔

110/5 ص 112 ہم... مے پرستی ایک دن۔ غرۂ اوج = غرۂ رفعت۔ دھول دھپہ = دھول دھپا۔ لاوے = لائے۔ نغمہ ہائے = نغمہائے شیوا = شیوہ۔

111/10 ص 113 مانع دشت... تدبیر نہیں۔ جادۂ غیر نگہ = جادۂ غیر از نگہ سبزے میں = پردے میں۔ میر کے شعر کا الخ (قطعہ)

112/7 ص 120 طاؤس... رنگ نکالوں۔ شمع سی = شمع کو۔

113/7 عشق... نومید نہیں۔ کہتی ہے = کہتے ہیں۔ جیتی ہے = جیتے ہیں۔ خلق = لوگ۔

ڈریئے (کذا) = ڈر ہے۔

114/7 ص 121 کیا... دل تنگ نکالوں = کس۔ کس پردے میں فریاد کی = اے نالہ میں کس پردے میں۔ بمقدار دل دلتنگ = بمقدار دل تنگ۔ آئینۂ بے زنگ = آئینۂ بے رنگ۔

115/8 ص 118 صاف... گلزار چمن۔ میر آب = میزاب۔ کھِل گئی = کھُل گئی۔ گریۂ عشاق = دیدۂ عاشق ہے۔

116/7 ص 119 جوں... میں ہوں جمع نگاہیں = سے۔ کاکل میں پڑی = کاکل میں پڑیں۔ آئینہ کے = آئینہ کی۔ حسرت کش یک = حیرت کش یک۔ شوق تراسی ہیں = تراشے ہے۔

117/7 ص 121 سودائے... کشیدہ ہوں۔ خونابہٗ = خوں نابہٗ۔ گذشتن = گزشتن۔ ہوں گرمی الخ اس غزل میں نہیں، غزل 119 میں ہے۔

118/7 ص 123 برگ... کوہکن کی فکر میں۔ موج دود = موج درد۔

119/9 ص 122 خون درجگر... رسیدہ ہوں۔ پائے ہوس = پائے ہوس، اس قسم کی غلطی ح میں بکثرت۔

120/8 ص 123 بقدر... گریباں ہیں۔ اتفاق جسم = اتفاق چشم۔ نیمہر = ناہید۔

121/8 ص 112 جہاں... قدم دیکھتے ہیں۔ کسو کو = کسی کو۔ یک قد = اک قد۔ تماشا کہ = تماشا کر آئینہ سازی = آئینہ داری۔ نالہ بی (کذا) = نالہ لے۔

122/7 ص 114 جس جا کہ... درمیاں نہیں = جائیکہ۔ وہاں = واں۔

123/8 ص 124 فتادگی... استوار رکھتے ہیں۔ گذشتگاں = گزشتگاں۔ زلف ناز = زلف باز۔ اوس کافر = اس کافر۔

124/8 ص 116 سرشک... جانے میں۔

125/7 ص 115 میں ترحم... بیدادیاں۔ اپنی بیکسی کی = اپنے دردل کی۔ اون کو = ان کو۔

126 ص 126 ظاہرا... گیرا نہیں۔ حسرت کش دامن یہ = دامان کے حسرت پہ۔ سیلان = طوفان۔ ایک امروز = یک امروز۔ ذوق = شغل۔ بعد از ضبط = بعد ضبط۔ طلسم دہر = طلسم دیر۔

127/8 ص 127 ضبط... دیگر نہیں۔ ن کا شعر ”ہوگئی ہے غیر کی شیریں الخ“ اس میں ہے (بیانی = زبانی)۔

128/7 ص 124 پانو میں... حنا باندھتے ہیں۔ پاؤں

129/5 ص 124 اے نوا... بکف چلتا ہوں میں۔ یک طرف = اک طرف۔ آب = آپ دوالی = دیوالی۔

130/7 ص 118 تیرے توسن... صبا باندھتے ہیں۔ نشہ = نشۂ۔

131/7 ص 120 تن بہ نید... نداده رکھتے ہیں۔ سرپاے بپاے = سرے بپاے۔ بیہدہ = بیہودہ۔ دل = دلے

132/10 دیوانگی... زنار بھی نہیں۔ ہمارے جیب = ہماری جیب۔ ملنا ترا اگر = ملنا اگر ترا۔ یک طرف = اک طرف۔ ہے سر = سر ہے۔

133/7 ص 125 بغفلت... مخمور ملتے ہیں۔ آئینہ پرواز تسلی = آینہ پرواز تسکیں

134/6 ص 116 فزوں... کشتن میں۔ سواد = سویدا۔ بیربطی شور = دیوانگیہا۔

135/7 مزے... نظر میں خاک نہیں۔ آب صرف = اب صرف۔

136/5 ص 128 دیکھیے... ضبط افسردگاں۔ مہراز بہر = بہر جان۔ خاطر آرزدگاں = خاطر افسردگاں۔

137/7 ص 126 بیدماغی... تنہائی نہیں۔ چیونٹی کے پر = مور کے پر ہیں۔

138/7 ص 125 ہوئی... تدبیریں۔ کھینچی ہے = کھینچی ہیں۔ ہجوم سادہ لوجی = درشتی تامل۔ غبار آلودہ ہیں = غبار آلودہ میں۔ کریں ہیں = کرے ہیں۔

139/10 ص 109 غنچۂ... دکھا کہ یوں۔ خاموشی = کذا۔ میںنے = میں نے۔

140/10 ص 147 وارستہ... محبت ہی کیو نہ ہو۔ کسو سے = کسی سے۔ گلا = گلہ۔ ہر چند عمر = عمر عزیز۔ بہانۂ بیکی (کذا) دلی = بہانۂ بیگانگی۔

141/7 ص 144 بے درد... فرو نہ ہو۔

142/9 ص 143 حسد پیانہ ہے... تماشا ہو = سے۔ وہ دل = دل۔ لاجس سے = لایعنی۔ خرام ناز آجاوے = خرام اہتزاز آو 31 عیش معاصی = ذوق معاصی (حاشیۂ ح ''پہلے ذوق کی جگہ عیش تھا'')

143/8 ص 145 مبادا... نواگم ہو۔ فرو ہوتا ہے سرسجدے میں = جبیں میں درلباس سجدہ۔ حسن یک = حسن اسد یک۔

144/10 ص 146 رنگ... وفا گرو۔ آئینہ ہا = آئینہا۔

145/6 ص 156 رفتار... قدم باندھ۔ جوں سبحہ = جو سبحہ۔ تمنائے پری ہے = کذا۔ ہمت (کذا) = تہمت۔ آئینہ پہ = آئینہ بہ۔ دیباچہ = دیباچہؑ۔

146/9 ص 155 جز... خفتگاں نہ پوچھ۔ پادشاہی = بادشاہی۔ عشق ناز = عشق باز۔ ہمرہاں = ہمزباں۔ گرمیؑ (کذا) = گرمئی)

147/5 ص 157 خلق... ناخواندہ۔ دیکھ کر بادہ پرستوں کی دل افسردگیاں = میکدے میں زدل افسردگی بادہ کشاں۔ برجاماندہ = ہرجاماندہ۔

148/5 ص 157 بس... پوشیدہ۔ مے کی (کذا) = مے ہے۔

149/7 ص 158 جوش... مجھ سے حسن... بیدل نہ پوچھ = نشہ ہائے۔ قطرہ سے میخانہ = قطرہ ہی میخانہ ہے۔ نشۂ محفل = کذا۔

150/80 ص 158 شکوہ... کا سمجھ۔ ہر تپش = مر تپش۔ توڑ = طور۔ عناں گسل = عنا گسل۔ آئینہ دار = آئینہ وار۔ خفتہ ہوں = خفتہ ہو۔ نغمۂ بیدلاں = نغمۂ بیدلی۔ گریہ کو ماجرا = گریۂ ماجرا۔

151/7 ص 155 از مہر... دل ہے آئینہ۔ پرنشاں = پُرفشاں۔

152/10 ص 159 کلفت... مدعا سمجھ بے نیازرہ = بے نیازِ رہ۔ نشہ = کذا۔ نازرہ = نازِ رہ۔

153/10 ص 160 دل ہی... درباں اٹھائیے۔ دوکان = کذا۔

154/100 مسجد... خرابات چاہیے۔ ایک اور شخص = اک اور شخص۔ ایگ گونہ = اک گونہ۔ نشو ونما الخ (قطعہ) کے بعد اشعار ذیل:

ہے رنگ الخ، سرپائے الخ (کھچیے۔ یہ کیجیے بھی پڑھا جاسکتا ہے = چاہیے)، یعنی الخ

155/9 ص 162 بساط... خون وہ بھی۔ یک صید = اک صید۔ یک موج = اک موج۔ سونچا = سوچا۔

156/7 ص 160 ہے نرم... لبوں سے۔ غصۂ کم فرصتی = وعدہ کم فرصتی۔

157/7 ص 161 غم... اٹھانے کی۔ وو ہی طاقت = مری طاقت۔ بتاں = بتوں۔ آساں ہے = پنہاں ہے۔

158/6 ص 207 پھونکنا... اسرافیل کی۔

$\frac{159}{5}$ ص 208 کیا... کاہلی سے لطف و جور = لطف جور

$\frac{160}{8}$ ص 163 حاصل... خرامی۔ سے فراغت = سے بھی فراغت۔

$\frac{161}{1}$ ص 208 نگاہ... ناتوانائی۔ دستزد = دسترد۔ بیدمان = بیدماغان۔ محوناز = عرض ناز۔

$\frac{162}{9}$ ص 163 کیا تنگ... جہان ہے۔ بوسا = بوسہ۔ دلّی = دہلی۔ حال انکہ = حالانکہ۔ غمی (کذا) = غم سے۔

$\frac{163}{12}$ ص 164 درد... بیقراری ہائے ہائے۔ محبت مل گئی = محبت مل گئے۔ اٹھالیتا = اٹھالیتے۔

$\frac{164}{7}$ ص 165 سرگشتگی... یاس ہے۔ تر (کذا) = تپ۔ غرورحسن = غرورِ حُسن۔ ہریک = ہراک۔

$\frac{165}{8}$ ص 166 گر'خاموشی'... حال ہے = خامشی۔ سمجھنی = سمجھنا۔ خرج = خرچ۔ آجائیو کہیں = آجائیو اسد۔ شوق = ذوق۔ دردکہ = دردکر۔

$\frac{166}{7}$ ص 166 نظر... ادبی ہے۔ میں کس کی یہ = میں کس کے یہ۔ جنون یاس = جنون و یاس۔

$\frac{167}{9}$ ص 210 بزم... نور ہے۔ بسکہ چشم الخ ش میں نہیں۔ افتادگی = افتادگی ہی۔ نشہ (کذا) بیماری = نشہ پیمائی۔ پاسباں معذور = پاسباں مجبور۔ واں سے ہے تکلیف سے ہے وہاں تکلیف۔ اوس = اس جگہ۔

$\frac{168}{11}$ ص 186 بس کہ... زنہار ہے۔ جلوۂ رخسار = صافی رخسار۔ شوریدہ ذوق = شوریدہ ناز۔ جوش سودا کب حریف = یکطرف سودا و یکسو۔ یاں تک حسرت = اس کو حسرت۔

$\frac{169}{11}$ ص 187 تغافل... پیدا ہے۔ ب میں اس زمین کی 3 غزلیں ہیں اور ش میں 2۔ غزل 169 کا مطلع بالا اور اشعار ذیل غزل 1 میں ہیں: تصرف وحشیوں الخ (لیلا = لیلیٰ)، محبت طرز پیوند الخ، کیا یکسر الخ (نیاز = بناز)؛ اشعار ذیل غزل 2 (ص 188) میں ہیں: اثر سوز الخ، تصور بہر الخ (طپیدن = کذا)، مجھے شبہائے الخ، ترے نوکر الخ، بسعی غیر الخ۔ شعر ذیل: خزاں کیا الخ (ص 189) حب میں ہے۔

$\frac{170}{5}$ ص 215 بیخود... بیتاب ہوگئی۔ کھلی جلوہ = ہوئی جلوہ۔

$\frac{171}{11}$ ص 189 یہ بزم... تکلیف بیجا ہے۔ یہ مطلع اور اشعار ذِیل غزل 3 میں ہیں: نہ لائی الخ (افسوس ملنا = افسوس سودن)، نشاط دیدہ الخ (روے برروے = بوسۂ روے)، نہ سووے الخ، بستیہائے الخ (بھی صید = دربند)، نگہ معمار الخ (بکف = کفِ)، اسد یاس الخ (آبیار ہر

تمنا= آبیار آرزو)۔ اشعار ذیل دوسری غزل میں ہیں: نہاں الخ، عزیز وا لخ، اشعار ذیل حب میں ہیں: مری ہستی الخ، وفائے دلبراں الخ۔

172/10 عشق... وحشت ہی سہی، چھیڑ خوباں سے= یار سے چھیڑ

173/9 ص 167 رفتار... اضطراب ہے۔ بھاگنے گوں = بھاگنے کی گوں۔ جادادہ= جاداد۔

174/13 ص 168 ہے... بجا مجھے۔ یہ پروۂ= یہ پردۂ۔ کسو پہ= کسی پہ

175/10 دیکھتا... آجائے ہے۔ ٹہرا= ٹھہرا۔ اوتنا= اتنا

176/6 ص 211 اے... آشامی تری۔

177/7 گرم... نہالی نے مجھے۔ نسیہ= نسیۂ۔

178/7 ص 226 فرصت... آرائی ہے۔ ہر رنگ جنوں= ہر رنگ تپش۔ ماہتابی بکفِ= گل مہتاب (بکفُ)۔ ب کے مقطع: باغ خاموشی الخ کی جگہ اگ رہا ہے الخ (سے سبزہ= پہ سبزہ) جو ب میں نہیں، لیکن ن میں ہے۔

179/9 ص 312 ربط... صدا ہے۔ بندا= بندہ۔

180/5 ص 217 خدایا... لقب کاٹے۔ میں نے= کذا۔

181/9 ص 212 گر... فضا ہے۔ یک بام= یک نام۔

182/7 ص 200 داغ... بدنداں ہے۔ عشق کار= کارِ عشق۔ ہرزہ گرد ہے= ہرزہ گردی۔ رنداں= زنداں۔ وحشت انجمن ہے گل دیکھ لالے کا عالم= گل بکوہ از لالہ بزم ساز بیتابی۔ مجمر کے= محو ہا۔ بے گہر صدف= از گہر صدف

183/14 پھر... بیقراری ہے۔ چشم دلال (قطعہ) وو ہی صد= وہی صد۔ سر رشتہ= سر رشتہ۔ بیقراری کا حکم= اشکباری کا حکم۔

184/8 ص 216 ہر رنگ... ساز ہے مجھے۔

185/9 ص 169 کہوں... شعلہ رویاں کی۔ گر جاوے= گر جائے۔ کیونکہ (کیونکے)= کذا۔

186/7 ص 170 جنوں... گو شادمانی کی= گر۔ کماں ہم= کہاں ہم۔

187/8 ص 171 نکوہش... دلبر کی۔ بجز دیوانگی الخ ش میں نہیں۔ نشۂ= نشۂ۔ جایا= جانا۔

188/5 ص 216 نگاہ ناز... شرارت کی= یار۔ آشنا ہووے= آشنا ہوے۔ تپ= تب۔ یہ

نبض = کیا نبض۔

$\frac{189}{7}$ ص 213 ضبط... گیر ہے، ہر نہال شمع میں اک = از نہال شمع پیدا۔ نکیں = مکیں۔

$\frac{190}{6}$ ص 218 خبر... عدو جانے۔ بکسوت = نہ کسوت۔ زباں سے عرض الخ ش میں نہیں۔

$\frac{191}{7}$ ص 214 ذوق خودداری... تسخیر ہے = بے پروا۔ پرواز عرض = عرض سواد۔ غافل از = غفلت۔

$\frac{192}{7}$ ص 219 دیکھ... رام ہے۔ بخشے = بخشی۔

$\frac{193}{5}$ ص 241 سوختگاں... داغ ہے۔ نار = ناز – وائے = عذر۔

$\frac{194}{10}$ بے اعتدالیوں... ہم ہوئے۔ آپ ہم اپنی = آپ ہی اپنی۔ وہم سے = بیم سے۔ او تنے = اتنے۔

$\frac{195}{8}$ ص 178 نشۂ مے... کشتہ ہے۔ داغ ربط ہم = داغ ہمدیگر۔

$\frac{196}{}$ ص 221 صبح... شام ہے۔ بسکہ ہے = بسکہ ہیں۔ محو مکیں = صرف مکیں۔

$\frac{197}{8}$ ص 184 چشم خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے = میفروش نشہ زار ناز۔ تو کہوے کہ = گویا موج۔ عشاق ساز = عشاق سارا۔ بال و پر = ہال پر۔ خار خار خاطر = خار در پیراہن۔ نغمہ ہے کانوں میں اس کے نالۂ مرغ اسیر = نالۂ دل نغمہ ریزاں ہے بمضراب خیال۔ غیر از وحشت مجنوں نہیں = کو جز وحشت مجنوں اسد۔ لیلی معنی اسد = بسکہ لیلائے سخن۔

$\frac{198}{7}$ ص 172 آ... قرار نہیں ہے۔ تیری بزم = تری بزم۔ کیا ہے عہد تو = عہد تو کیا ہے۔

$\frac{199}{5}$ ص 217 ہوا... سادہ آتا ہے۔ گذشتن = گزشتن۔ ہر یک = ہر اک۔

$\frac{200}{5}$ ص 218 بفکر... زانو ہے۔ کوشوں = کوشاں۔ لاوے = لائے۔

$\frac{201}{7}$ ص 172 ہجوم... حاصل ہے۔ غنچۂ گل = غنچۂ دل۔

$\frac{202}{11}$ ص 174 ہمزباں... تو مجھے۔ ب میں اس زمین کی دو غزلیں، دوسری ص 175 میں ہے۔ اس مطلع کے علاوہ اشعار ذیل: یاد الخ، خاک الخ، اضطراب الخ، چاہیے الخ (ناز = یار)، کثرت الخ (عاقبت = غالب) پہلی غزل، اور اشعار ذیل دوسری میں ہیں: باعث الخ (سر دیا = کر دیا)، پابدامن الخ، دیکھنا الخ، ہوں سراپا الخ، ساز الخ۔

$\frac{203}{7}$ ص 175 نہ ہوئی۔ تسلی نہ سہی۔ لگا لو یعنی = لگائے ہی بنی۔

$\frac{204}{6}$ ص 176 دل... نہالی ہے۔تار جادہ = تار جادۂ۔ اوٹھنا = اٹھنا۔
$\frac{205}{7}$ عجب... ہم آگے۔ پانو = پاؤں
$\frac{206}{7}$ ص 177 تغافل... عالی ہے۔ عجز نالی = عجز مالی۔ سیہ مستی = سیہ مستی ہے۔
$\frac{207}{11}$ ص 173 تشنۂ... پانی مانگے۔ برنگ سے گل نے = رنگ نے گل سے۔ خط ہے = خط سے۔ پرواز (؟) = پرداز۔
$\frac{208}{6}$ ص 219 کاوش... افسوں ہے مجھے۔ نعل = لعل۔ واشگفتن = در شگفتن۔ دیکھ لی = دیکھ لے۔
$\frac{209}{6}$ ص 179 گلشن... خوش آئی ہے۔
$\frac{210}{7}$ جس زخم... تدبیر رفو کی۔ صاحب = یاں تو۔ صد حیف الخ (قطعہ) کے بعد دشنے الخ۔
$\frac{211}{7}$ ص 180 یوں... گر دیار کے۔ رہتے ہیں ہم = رہتے ہم۔
$\frac{212}{8}$ ص 240 اگر... جوشیدنی جانے۔ بہار اُس = بہار اِس۔ زندہ دار = زندہ وار۔ پیچک میں = در پیچک۔ مسی کہ (مستیکہ ؟) = شوقیکہ۔ تماشا ہے = تماشائے۔
$\frac{213}{7}$ ص 183 عاشق... جانا نہ چاہیے۔ مل جائے گا بوسہ = مل ہی جائے گا بوسہ۔ گذر گئے = گزر گئے۔ جادو = جادہ۔
$\frac{214}{11}$ چاہیے خوباں کو جتنا چاہیے = اچھوں۔ اودھر = ادھر۔ چاہتے ہیں الخ۔ (قطعہ) اس شعر کے بعد غافل الخ۔
$\frac{215}{7}$ ص 185 خواب جمعیت مجمل ہے پریشاں مجھ سے = مخمل۔ چشمک = حسمک۔
$\frac{216}{9}$ ص 224 جوہر... بدل آسودہ ہے۔ یکسر = چندیں۔ پنبۂ مینائے مے = پنبۂ مینائی ہی۔
$\frac{217}{9}$ ص 185 ہر قدم دوری... نمایاں مجھ سے۔ بہتر = خوشتر۔ دود کی طرح = درد کی طرح۔
$\frac{218}{8}$ اے خوشا... وا کرے۔ حلقۂ گرداب = صفحۂ گرداب۔ گر برسا = گو برسا۔ یک خم = یکقلم۔
$\frac{219}{7}$ ص 184 چاک۔ بعریانی کرے۔ صبح کے = صبح کی۔ پاوے = پائے۔ کہ گر کہیے = اگر کہیے۔ دل مایوس = دل نومید۔
$\frac{220}{8}$ وہ آکے... اضطراب تو دے۔ پانو = پاؤں۔ ذرا = زرا۔
$\frac{221}{9}$ ص 223 عذار... گریاں ہے۔ ہجوم ضبط فغاں سے مری زباں خموش = زباں بکام خموشا ز فرط تلخی ضبط۔ بستہ (کذا) = پستہ۔ فزا ہے = فزائے۔ کہ بخیہ جلوۂ آثار (آثار

مشکوک)=نشان برش شمشیر۔غنچۂ خاطر=غنچۂ دلہا۔اسد جہاں کہ علی الخ کی جگہ ش میں دوسرا مقطع ''اسد کو زیست الخ''

$\frac{222}{7}$ ص 189 عیادت... بازار بستر ہے۔نور چشم وامانہا= نورالعین وامانہا۔اضطرار= اضطراب۔شام تنہائی = وحشت شبہا۔بذوق الخ اور ن کا مقطع کہوں کیا الخ ش میں نہیں۔

$\frac{223}{5}$ ص 190 خطر... گردن نہ <u>ہوجاوے</u> = ہوجائے۔سوزن ے (سے؟) = سوزن ہے۔دوری = دوزی۔

$\frac{224}{6}$ ص 227 نوائے... بیتاب ہوجاوے۔دخل تصرف کر= اعجاز پیدا کر۔مشق = عجز۔ آب گل = آب وگل۔

$\frac{225}{9}$ فریاد... لے نہیں ے۔سی = سی تو۔غم نہ رہوے = غم نہ ہووے۔

$\frac{226}{7}$ ص 222 بہار... ماتم ہے۔درہم = برہم۔ن کے اشعار نہ پوچھ الخ (اوس = اِس) اور بہت دنوں الخ 226 میں ہیں۔

$\frac{227}{8}$ ص 223 شفق... رنگیں ہے۔برنگ پرتو خور = سے پرتو خورشید ص 223 کی غزل کے علاوہ 227 میں اشعار ذیل: کبھی تو اس سر شوریدہ الخ اور اسد ہے نزع میں الخ ش میں ہیں۔

$\frac{228}{7}$ ص 191 <u>دل</u> سراپا وقف سودائے نگاہ تیز ہے۔وہ مژبرآہ روبانیدن از دل۔مست تغافل = محو تغافل۔ان ستم کیشوں الخ ش میں نہیں۔اوس کافر = اِس کافر۔

$\frac{229}{8}$ ص 227 تا چند... بتخانہ کھینچے۔کرتے ہوئے تصویر یار آئے ہے حیا = خودنامہ بن کے جائے اس آشنا کے پاس (وہ شعر جس کا یہ مصرع اہے، ب کی اس غزل میں ہے جو ''تا چند.... بتخانہ کھینچے'' کے بعد ہے۔'ش کی غزل 230 - پرواز آشیانہ الخ 229 میں نہیں، 230 میں ہے۔

$\frac{230}{8}$ ص 228 داماں... تماشہ کھینچے۔نشہ = نشۂ۔غبار چشم = غبار راہ۔

$\frac{231}{9}$ ص 192 تر... سامانی مجھے۔محال = مجال۔جوش پر افشانی = جوش پریشانی۔231 کے دو شعر ''کیوں نہ ہو الخ'' (صید = محو) اور ''میرے غمخانے الخ'' ن کی غزل: ''دیکھ کر در پردہ گرم دامن افشانی مجھے'' میں ہیں جو ب سے غیر حاضر ہے۔

$\frac{232}{8}$ ص 194 یاد... یارب مجھے۔

$\frac{233}{8}$ کبھی نیکی... آجائے ہے مجھ سے۔کھچنا = کھنچنا۔کب یہ فتنہ = کب یہ ظلم۔ٹھہرا =

ٹھہرا۔ داستان شوق = داستان عشق۔

$\frac{234}{6}$ ص 229 مژہ... جلوۂ ادراک باقی ہے۔ شست وشوے = شت وشو سے۔ خندہ یعنی = عقدہ یعنی۔ تمنا ہوگئی = کذا۔

$\frac{235}{7}$ ص 229 بس کہ... وحشتناک ہے۔ صید انداز = ناز یک صید۔ فتراک بیتابی = آشفتہ فتراکی۔

$\frac{236}{5}$ ص 195 از بسکہ... علامت ہے۔ بہ پیچ = یہ پیچ۔ کیونکہ = کذا۔ ورطۂ سلامت = ورطۂ ملامت۔ بجانوں = نہ جانوں۔ کیونکہ = کذا۔

$\frac{237}{11}$ ص 230 شکل... بنایا ہے مجھے۔ رنگ دکھایا = چشم دکھایا۔ سم (کذا) = ستم۔ کانٹوں سے = کانٹوں میں۔

$\frac{238}{7}$ رونے سے... بیباک ہوگئے۔ اسباب = آلات۔ پوچھے ہے کیا وجود الخ ش میں نہیں۔ گلا = گلہ۔

$\frac{239}{8}$ ص 196 شوخی... آبیار نغمہ ہے۔ وہاں = واں۔

$\frac{240}{7}$ ص 197 خود فروشیہاے ہستی بسکہ جاے خندہ ہے۔ ہر شکست = تا شکست۔ دل میں = دلہا۔ عرض ناز شوخی دنداں = شوخی اظہار دندانہا۔ ہے عدم میں غنچہ محو عبرت = ہیں عدم میں غنچہ ہا عبرتکش۔ شورش باطن = سوزش باطن۔

$\frac{241}{5}$ ص 197 حسن... متاع جلوہ ہے۔

$\frac{242}{9}$ ص 198 جب تک... پیدا کرے کوئی۔ جوں درد میرے = ہاں درد بن کے۔ لیلا (قافیہ، دوسری جگہ قافیہ نہیں، تو لیلیٰ) = کذا۔

$\frac{243}{8}$ ص 231 جنوں... 'تدبیر' بہتر ہے = زنجیر۔ دلبستگی = دلتنگی۔ تدبیر غفلت = تدبیرِ غفلت۔ خود آراے = خود آرائی۔ تمنا ہے اسد = تمناے اسد۔

$\frac{244}{9}$ ص 199 وحشت... انشا کرے کوئی۔

$\frac{245}{8}$ ص 199 باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے۔ ب کا باغ تجھ بن الخ اور ن کا زندگی میں الخ 245 میں نہیں۔

$\frac{246}{6}$ ص 200 کوہ... صدا ہو جایئے۔ پر یہ ہے = پر ہے یہ۔ کر (کذا) ہمہ = گر ہمہ۔

247/6 ص 232 گریہ سرشاری شوق بیاباں زدہ ہے=شوقے بہ بیاباں۔ دل بر= دلے بر۔
248/7 ص 232 خواب... نظر پنہاں ہے۔ بیضہ مژہ سے= بیضۂ مژگاں۔
249/6 ص 233 مستی... ہلاک ہے۔
250/9 ص 202 غم... آئیں ہے۔ کردگاں لبریز= کردگانِ عشق۔ رسوائے آئیں= رسوائے آئیں۔ عقد= عقدہ۔ کی خواب= کا خواب۔ پسینا= پسینہ۔

251/17 مدت... یہاں کیسے ہوئے۔ بھر رہا ہوں= بھر رہا ہے۔ نالہ ہائے= نالہائے۔ ڈھونڈھے (کذا) پھر کسو= مانگے ہے پھر کسی۔ مانگے ہے کھر کسو= چاہے ہے پھر کسی۔ ناز کو چاہیے= ناز کوتا کے۔ ش میں جی الخ پھر دل میں الخ سے قبل ہے۔ پہ کسو= پہ کسی۔
252/6 ص 202 دیکھتا... آمادہ ہے۔ کھینچے ہے انگلی= رکھتا ہے انگلی۔
253/7 ص 233 نظر پرستی... خود آرائی= وخود آرائی۔ گذشتن= گزشتن۔
254/7 ص 234 کوشش... شکنی ہے۔ پامرد= پامزد۔ بے نگہی= ہے نگہی۔
255/5 ص 238 کاشانہ... بدانداختنی ہے۔ اور وہاں= چارہ گر۔ حوصلہ پرداز= حوصلہ فگار۔ تماشائے= بتماشائے۔

256/6 گلستاں... مضموں ہے۔ عدم الخ ش میں نہیں۔ ایجاد= ایجاء۔ ہجوم گریہ= رجوع گریہ۔
257/9 ص 203 منت... اختیار ہے۔ بہ آب= پرآب۔ 256 میں ب کی اس زمین کی دوسری غزل (ص 204) کے دو شعر: دل مدعی الخ اور پیچ الخ شامل ہیں۔
258/9 ص 236 گدائے طاقت... زباں تجھ سے۔ اسد طلسم قفس میں رہے قیامت ہے= اسد بموسم گل در طلسم کنج قفس۔

259/9 ص 203 جس جا... زلف یار ہے۔ گذر= گزر
260/7 ص 237 حکم... آرمیدن منع ہے۔ طوفان بہا= طوفان ہے۔
261/6 ص 238 چارسوے... صاحبد کافی مفت ہے۔ جو سمجھیں= جو کہویں۔ دست ویالی (کذا)= دست وپائے۔ نقد الخ ش میں نہیں۔
262/7 ص 237 قتل... تدبیر آوے... اُس بیاباں= اِس بیاباں۔ بعیر (کذا)= تعمیر۔
263/10 ص 238 تا چند... سے بر آوے۔ نالہ ہے= نالہ سے۔ زاہد کہ= زاہد کو۔ بعریانی

زخم = بعریانی داغ۔ ن کا شعر ہوں میں بھی تماشائی الخ بھی ش میں ہے۔

$\frac{264}{6}$ ص 204 خموشیں... ادا نکلتی ہے۔ ہوتی ہے شبنم = آتی ہے شبنم۔

$\frac{265}{7}$ ص 239 بیتابی... تسلی ہے۔ غافل = موج۔ کردن ہمہ = گردن ہمہ۔ گیراں = گیری۔

$\frac{266}{10}$ ص 180 بنقص ظاہری... پنہاں ہے۔ سواد سنگستاں = سواد سنبلستاں۔ حجاب ناز = نجاب یار۔ ہوئی یہ کثرت غم سے تلف = اسد یہ فرط غم نے کی تلف۔ اس زمین میں ب میں 3 غزلیں۔ 266 میں د 43 غزل کے اشعار: غبار دشت الخ، زبس دوش الخ اور اسد بند الخ موجود ہیں اور غزل 3 کا شعر ذیل بھی ہے: رہا بیقدر الخ (ص 182)۔

$\frac{267}{10}$ ص 205 آئینہ... تماشا کہیں جسے۔

$\frac{268}{8}$ ص 181 تمام اجزاے عالم صید دام چشم گریاں ہے = جہاں زندان موجستان دلہاے پریشاں۔ صاحبدلاں = صاحبداں۔ نقطے میں = درنقطہ۔ ب کی غزل 3 کے اشعار: ہجوم نالہ الخ، کجاے الخ، تکلف ساز الخ، تماشا سرخوش الخ، تکلف برطرف الخ اور ن کا شعر دل و دیں الخ 268 میں ہے۔

قصیدہ ص 302 جوش تمنا = درد دو عالم۔ نشہ = کذا۔ ص 303 ستایش = ستائش۔ پریشاں ہے = پریشاں ہیں۔ اوٹھے = اٹھے۔ یاس پیانہ = پاس پیانہ۔ نقش نمکیں = نقش تمکیں۔ پرپروانہ = پر پرواز ص 304 ہر صبح = مہ صبح۔ جلوہ تحریر الخ (ص 305) نسبت الخ سے ش میں قبل ہے۔ ص 305 اس کی گلچیں = اس کے گلچیں۔ دامن زیں = دامن دیں۔ بجیر تکدہ = بکسر تکدہ۔ بادشہا = کذا۔ پذیر = کذا ص 306 آستاں پر تیرے = آستاں پر ترے۔ در کے کئی = در کے لیے۔ آرایش = آرائش۔ شپیر = شبیر۔ جہاں تک چلے = جہاں تک چکے۔ توحید قضا = توحید فضا۔ گل ولالۂ گل و سنبل۔

4) ذیل کی 8 غزلیں حش ون میں ہیں، مگر ب میں نہیں:

$\frac{1}{13}$ ستایش... رضواں کا بعنوان ''از باندہ فرستادند'' ورق 3 ب و 4 الف کھودنے پر گھاس (کذا) کے ہے = گھاس کے ہے کھودنے پر۔ سوتے = سوئے۔

$\frac{2}{13}$ ہوس = کیا کیا، ورق 9 الف۔ فایدا = مدعا۔ شعلۂ خس = شعلۂ حسن۔ قیمت دل = شیشۂ دل۔ کیا کس نے الخ (قطعہ)۔

$\frac{3}{11}$ آبرو... کہ گلشن میں نہیں بعنوان ''از بانده رسید'' ورق 43 الف۔ کہ گلشن = جو گلشن۔ جوں خوں کہ = جو خوں کہ۔ موجۂ صہبا کی = موج مے کی آج۔ ناتوانی کی نمود = ناتوانی کی نمو۔ درد سے خالی = درد سے فارغ۔

$\frac{4}{10}$ ذکر... منظور نہیں ورق 43 الف وب۔

$\frac{5}{8}$ نالہ... ایجاد نہیں ورق 43 ب۔ ن کے دو شعر سبد الخ ش میں نہیں۔ دلتنگی زنداں = بیمہری یاراں۔ اوستاد = استاد (یہی چاہیے)۔ رہگذر = کذا۔ کرتی ہے اثبات = کذا۔

$\frac{6}{12}$ واں... پے ہم ہے ہم کو ورق 61 الف۔ بولا = بولے۔ ناچار = کذا۔ کھلتا غالب = کھلتا یعنی۔ مقطع الخ ش میں نہیں۔ لیے جاتی ہے الخ کا ذکر ہو چکا ہے۔

$\frac{7}{13}$ ظلمت... جوش ہے ورق 61 الف۔ اے شوق ہاں = اے شوق یاں۔ سرور و سور = سرور و شور۔ تسلیم و (ومشکوک) = تسلیم۔ لطف خرام الخ ش میں نہیں۔

$\frac{8}{8}$ کب سنے ہے وہ کہانی میری ورق 61 الف وب۔ سنے ہے وہ = وہ سنتا ہے۔ خونابہ = خوں نابہ۔

5) ش کا مجہول الاسم کاتب کچھ باتوں میں (سہو سے قطع نظر) پابند قاعدہ معلوم ہوتا ہے، اور کچھ میں نہیں:

(1) الف مضموم ابتدا میں ہو تو اظہار ختمہ کے لیے ہر جگہ و، مگر غزل 252 میں انگلی بدون و۔

(2) دھپا غزل 110 میں دھپہ، مگر فارسی عربی کے کچھ الفاظ جو ہائے مختفی سے لکھے جاتے ہیں: یا تو التزاماً الف سے ہیں، یا کبھی ہ اور کبھی الف سے: پردا 9 (پردہ 112)، ارادا 25، مزا 93، نقشا حش 1، گلا 238، بندا 179، بوسا 162 (بوسہ 220)، شیوا 110، ذرا (دراصل ذرہ) 220۔ واضح رہے کہ (2) یا (3) میں الفاظ کی اس شکل سے بحث نہیں، جو تراکیب فارسی میں ہے، یا قافیہ ہونے کی صورت میں ہے۔

(3) ہیولٰی (حش 1) ہر جگہ ہیولا ہے، اور قویٰ جو صرف ایک جگہ آیا ہے قوا ہے 108، لیکن اعمٰی 179 (ی پر الف نہیں)، اور دعوی 40 (ی پر الف نہیں)، ملتے ہیں۔

(4) بہ تنگی 3، تا بہ کے 225 (تا بکے 225)، بہ کیفیت 263، بامید 16، بآغوش 207، بیزم 171 — پادشاہی 146، بادشہ قصیدہ ورق 101۔

(5) ٹ دو طرح ملتی ہے: ٹ 8، 14، ت 33، 38۔

(6) فارسی میں ج والفاظ اب بھی ذ سے لکھے جاتے ہیں، وہ باستثنائے تذرو (تذرو 173) ذ سے ہیں۔ زرا اور وہ گزارش (5) بھی جوز سے ہے ذ سے مرقوم ہیں۔

(7) ش میں طپیدن 37، غلطیدن 4 اور طشت 53 ہیں، لیکن مقدم الذکر کا حاصل مصدر تپش التزاماً ت سے ہے۔

(8) کاتب نے ک فارسی وعربی میں فرق نہیں کیا۔

(9) پنوچھ 1، کلا 3، لنکا 3، ندی 11، مہوا 15، نمیرے 66، نکچھ 154 مگر نہ ہوا 15، نہ دبا 15، نہ بھولا 20، نہ بخشی بھی ہیں۔

(10) دھنواں 65، دھنوے سے 85، یو ہیں 105، مانگے (مانگیں) 93، باندھے (باندھیں) 93، سونچ 155، میئنے 139 (میں نے)، گھاس حش 1، پانو 220،

(11) خورشید 99، دوکانِ آتش باز 10، عموماً پیچتاب مگر ایک جگہ پیچ وتاب 236، سمجھیو 201، رہیو 111، ستاو 162، ووہی 183، وہی 169۔

(12) ٹہرا 232، کیونکہ 139 (کیونکے)، تجسے 243، تجکو 221، مجھکو 221، تجھ سا 267، تجھسے 217، مجھسے 217، یہاں (یاں) 77، وہاں (واں) 122، ساتھ (سات) 94، تڑپھنا 33، ڈھونڈھنا 251، پگھلا 175، ٹھنڈا 162۔

(13) رتبہ میں 56، اے شعلہ 88، نشہ (کذا) کے 54 بمیر دے میں 13، کارخانے سے 11، زمانے سے حش 1، معاملے میں 40، ریختے کا 111۔

(14) نگہ 29، تہہ 106، جولانگہ 15، یہہ 18، کہہ 24، توجہ 47، گنہ 38، نگہ 39، یہ 58، تہ 171۔

(15) شعلہ ہا 106، خندہ ہا 98، میخانہ ہا 61، غمزہ ہا 92۔ جلوہ ہا 198، نامہ ہا 120، عقدہ ہا 125 (عقدہا 81) مژہ ہا 21، نالہ ہا 227، بخیہ ہا 134، آئینہ ہا 144، اندیشہ ہا 79، نسخہ ہا 14، پارہ ہا 68۔

(16) موئے آتشدیدہ 1، مژہ ہائے دراز 21 ایسی ترکیبوں میں ی پر ہمزہ نہیں۔

(17) جوے شیر 1، نورہاے راز 21، اس قسم کی ترکیبوں میں عموماً ی پر ہمزہ نہیں، لیکن سودائے انتظار 66، پائے پارہ 115، جلوہ ہائے معانی 198، بہائے مے 238، جوپائے خس 201، حفائے کف 227، سوئے دل 256 موجود ہیں۔

(18) نازکی وحشت 253، فسردگی انتظار 249، دعوی تمکین 253، درازی رگ 227، نازکی طبع

226، پےَ مژہ 207، مئے ذات 154، پے خامہ 207، ے عشرت 155۔

(19) دیئے قصیدہ ورق 109، لیے ایضا، ڈالیے 267، چاہئے 257، ہوئے 251، کھینچئے 230، ڈریئے 113، کھچیے 229، ہوے 205، چاہیے 202، آئے 156۔

(20) زشتی و نیکی 131، لالہ وگل 237، آئینہ واقلیم 266 میں وادری بدون ہمزہ۔

(21) نکتہ سرائی طبع 108، تشدید و ہمزہ کے ساتھ، مگر سختی راہ 48 ان کے بغیر۔

(22) بوریئے 186، شئے 225، پایدار 163، پایمال 96، نشۂ 149، (مگر نشہ بدون ہمزہ) 101، 149، 152، 167، جرات 44، جرأت 7، جاے کہ (جائیکہ) 253، آرایش 27، آسایش 102 (حاصل مصدر بدون ہمزہ)، مۂ نو (ہمزہ (غلط) 112، تۂ میدی (ہمزہ غلط) 111، مگر مہ اور تو کی صحیح شکلیں بھی۔

(23) مایل 9، سایل 9 (سائل 194)، حایل 47، زایل 256، لایق 47، فایدہ 229، مایدہ 13، دایم 104، مضایقہ 108، طایر 109، شقایق 116، شمایل 135، علایق 200، کاینات 162۔

(24) ایک (اک) 69، میرے (مرے) تیری (تری) 267۔ دوالی 129 جوں 117۔

6) ش کا زمانۂ کتابت اس کتاب میں درج نہیں، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ اس میں کوئی چیز مأۃ سیزدہم کے عشرۂ چہارم کے نصف اوّل سے قبل کی لکھی ہوئی اور 1245ھ کے بعد کی نہ ہو۔

دیوان غالب کے دو نسخے (حصۂ 12 معاصر)

ص 15 میں شعر ذیل ان اشعار کے ساتھ درج ہے جو غالب کے دیوان مروجہ میں نہیں، مگر یہ اس میں موجود ہے، نسخۂ حمیدیہ سے یہ البتہ غیر حاضر ہے۔ اس مقالے میں اغلاط طباعت بھی، جن کی تصحیح کبھی اور کی جائے گی:

دے ادائے فلک دل حسرت پرست کی　　　آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

○

(معاصر: حصہ 13-12/1952)

حواشی مرتب

1 بنام عبدالرزاق شاکر

مکتوباتِ غالب

کم ازانم کہ در معذرتم بایدزد بیش ازانی کہ دہی خجلت تقصیر مرا

ندانم خامہ آہنگِ گذارش مدحِ اخلاق کہ دارد کہ درمیدان تحریر از نقطہ ہزار جا پشتِ دست برزمین میگذارد۔ قاعدۂ نجو وفرورفتگان شرم کسی سراز پشت پا برنداشتن است وآداب سایہ درپیشگاہِ سطوت آفتاب خودرا موجود نپنداشتن۔ اعتماد کدام طاقت راسروبرگِ ذریعۂ عرض سخن گردانم وتبیروی چہ نسبت جرأت فضولی گفتگو بہم رسانم حقا کہ اگر وسعت حوصلۂ کرم درضمیر نگذشتی بدین وحشت عنان خودداری تلخیصی واگراندیشہ بشگری امیدعفو ویدل نگشتی این چنین بی محابا خون لفظ وآبروی معنی نرنختمی۔

فرمانروای کشور آگہی، ملا ذومطاع رہی، سلامت۔ بعد تقدیم ستایش وتسلیم نمایش معروض اینکہ میر صاحب شفیق، میر کرم علی صاحب اغلب اوقات عذر قدم رنجہ فرمایی مخدوم از جانب مخدوم، ادا می فرمایند، واین ناستودہ صورت ونکوہیدہ معنی رابزبان گہرفشان جناب می ستایند... بران پای دردناک تر ازدل زحمت خرام توان پسندید، یادرتصور نیز متحمل صدمۂ این قیامت... بس است کہ چون من ننگِ آفرینش رادرصدر بزم قبول می نشانند، واین چنین کج مج زبان ہیچمدان۔ میدانند، چہ ناسپاسی ست درعرض این مباہات برخودنبالیدن و چہ حق ناشناسی ست درتلافی... دیدہ برکف پانمالیدن۔ اینکہ دیردیر بخدمت میرسم، نہ ازآنست کہ شوق سلسلہ جنبان نباشد، بلکہ نارسایی دلیل نارساییست، ووااماندگی عذرخواہ واماندگی۔ وفور ناتوانی سراپای مراصدشکنی برروی ہم چیدہ است، وپیکر ناتوان من ازہجوم افتادگی صورت دیبا گردیدہ، تازگی اینکہ درین خشک سال طاقت تاریخ سفر برابرگشت، وکام وناکام چون عمرخویش ناخوش گذشت، بس کہ اضمحلال افعال طبیعی منجر بسکوت قوای نفسانی ست (1) دل را... ملال، ودماغ راازفکرسخن

سرگرانی ست پیش ازینکہ بحکم ہوای دل فریفتۂ کارخانہ ہای رنگ و بو و بے پرواخرام فراخی ہاے آرزو بودم سیہ مستانہ رحیق شعلہ بہ پیانہ می بودم

یادباد آن روزگاران کاعتباری داشتیم آہ آتشناک و چشم اشکباری داشتیم

اکنون آن شرر کاری شوق کجا کہ جگر را از شعلۂ درون معزول ندارد، وآن جوش بہار اندیشہ کو کہ لالہ وگل از بن ب استعداد کف خاکم سر برآرد۔ اینکہ ہنوز برقی از جیب خیال در درخشیدن ست، برافروختن چراغیست وقت خموش گردیدن۔ بالجملہ تحسین این چنین فکر نارسا وستایش این چنین رند بے سروپا تمہید مراسم رافت است، وتکمیل مراتب عنایت آری، ہیچ راہمہ پذرفتن، وبدرانیک خطاب فرمودن آیین غریب نوازی ست، وازنوازش غریب نیست۔

دو مسودۂ نثر کہ سعی تحریر ہریکی رابتقریبی جداگانہ کسوت پیوند حرف و رقم کشیدہ است، ازنظر خواہد گذشت، وبرتو نگاہ قبول منشور سرفرازی راقم خواہد گشت۔ سواد نخستین نامہ ایست شرحش اینکہ درمبادی بسیچ سفر مشرق بہ فیروز پور کہ جاگیر عمو صاحب قبلہ فخرالدولہ دلاورالملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ است، بخدمت عم ممدوح گذرانیدہ بودم۔ فخرالعلما مولوی محمد فضل حق نام دوستے دردارالخلافت تمکن داشت کہ من از فرط استعجال فرصت تودیع نیافتہ... پدرود ناشدہ، بمنزل مقصود شتافتہ بودم و درآنجارسیدہ پوزشنامہ بخدمت کثیرالافادتش نگاشتم وہوالہذا: عالم اعلم۔

... دومین مسودہ ایست کہ درلکھنؤ بتکلیف سبحان علی خان و میر نیاز حسین خان و دیگر دوستان جدید... عرضداشت برای معتمدالدولہ بتحریر آمدہ است۔ ہرچند اکابر آن سرکار تقریب یار فروشیہا برانگیختہ برنگ تعارف بحضور امیر ممدوح ریختند و ملازمت قراریافت، اما، چون درباب معانقہ وقت نخستین ملازمت ازآن طرف سخنہا رفت، آن معاملۂ ذہنی درخارج صورت وجود نگرفت، چہ بندہ رادل ازفکر امور مرجوعہ ریش وسفری دراز و مطلبی دشوار درپیش، مستغنیانہ پاس ناموس خاکساری ورزیدم، ودامن از اختلاط آن نودولتان بے مدار برچیدم (3) اگرچہ نقش آن ہوس از سینہ محواست، امارقم آن درسفینہ باقیست، چنانچہ رقم زدکلک ہزیان نگارمیگردد... مطرح مراحم...

(4) ... مخدوما مکرما، من دانم و دل کہ بدین حسن اتفاق چہ قدر شادمانی میکنم، یعنی دعای

بے اثر از طرزِ قبول بیگانہ کہ چون نالۂ دلہای بیداد، اہل ہوس راہ بجاي نمی برد، اینک در خاتمۂ این عبودیت نامہ تشریف قبول یافت، ہم نقش مدعاے خاطر مشتاق بکرسی نشست، وہم زحمت تفرقۂ وفاق ونفاق ازمیان برخاست، امید کہ آثار این دعای بری از ریا عاید بروزگار خجستہ آثار جناب سامی مدظلۂ باد۔

قبلۂ جان ودل سلامت آداب کورنش بجا آوردہ بعرض حال خودمی گراید الحمدللہ کہ زحمت صداع وحمی ازہقام باندہ در طبع اثری ازخود نہ گذاشتہ، ضعف اگر باقیست تردد نیست، چہ این رفیقے ست کہ از وطن کمر بموافقت من زار بستہ است، ہم پایۂ حق گزارلیش قوی ست وہم سایۂ وفادارلیش کارفرمای مزاج ثانوی۔ آہ ازین گردونک موسوم بہ لڑھیا کہ ازمن ضعیف الخلقت ترافتادہ است، دوشنبہ ازموڈھا برآمدہ چلہ تارا دوازدہ کردہ (5) فاصلہ داشت، آن آہستہ خرام بلکہ مخرام دریک روزاین قدرراہ نتوانست برید، ناچار شبے دردہی اتفاق مبیت افتاد۔ سہ شنبہ آخر شب روان شدیم، من خود دو پہر روز برآمدہ، درسرای چلہ تارارسیدم وآن ہیچ مخرام ساعتی از شب گذشتہ، رسید، ہمان زمان مکتوبی در سواد ظلمت لیل کہ ہنوز ملازمان رہی چراغ نیفروختہ بودند، رقم زدم، قطع نظراز مقراض وآرائیش عنوان عذر ناتمامی تحریر قبول باد۔

خلاصۂ ماجرا اینکہ آخراز بیداد گردون دون ستوہ آمدہ خودرا بدریا انداختم یعنی ہم ازین مقام کشتی بکرایہ گرفتم واسپ وآدم ومتاع ہمہ دروی گنجیدیم وبسم اللہ مجریہا ومرسہا برخواندہ، سفینہ در رود جمن راندہ ام منظور اینکہ بہ الہ آباد رسیدہ توقفی را کہ در بنارس میخواستم کرد ہم درین بقعہ کاربندم وروزی چند آسایش کردہ مایحتاج بہ امضار سانیدہ رہ گہراشوم ودیگر جز مرشد آباد بنگالہ در ہیچ جاتوقف نگزینیم حال سفر کشتی نیزدرین دوسہ روز مجہول نخواہد نماند۔ کشتی بانان میگویند کہ اینک روز سوم درالہ آباد رسیدہ خواہد شد، آیندہ میتوان دید۔ غرضیکہ روز چہارشنبہ قریب دوپہر در کشتی نشستہ دل باخدا، نہ باناخدابستہ ام۔ مرزا منفعل صاحب فرمودہ بودند کہ مکتوب موسومۂ ملازمان جناب مفتی صاحب بہ تھانہ دار چلاتارا حوالہ باید کرد کہ اوخواہد رسانید، اتفاقاً آخر روز درکار وان سرای چلہ تارادر انتظار گردونک اسباب وواماندگان راہ نشستہ بودم کہ ناگاہ تھانہ داراین خرابہ درسرای ذر رسید وخرامان خرامان ہرسوگشتن آغاز کرد۔ در باب ارسال نامہ ازوی اعانت جستم، اگرچہ پذیرفت، اما پذیرفتنی سخت سفیہانہ، چنانکہ طبع اباکرد وگزارانہ شد مکتوب بہ

اودادن۔ رہروی مجہول الاحوال چون نام جناب شنید نامہ بعجز ازمن طلب کرد، سطری چند عجالۃً در تاریکی نوشتہ، تسلیمش کردم، غالب کہ از نظر خواہد گذشت۔ اما عبودیت نامۂ ہذا کہ گردون بان مذکور حامل آنست اگر زود خواہد رسید، زمان رسیدن او باہنگام ورود عاصی بہ کلکتہ مقارن خواہد افتاد چہ درکم ازین عرصہ از چلہ تارا بہ باندار سیدنش باشد کہ ممکن نباشد۔ واللہ علی کل شیء قدیر۔ بخدمت جناب شاہ غلام زکریا صاحب و خان صاحب عمیم الاحسان انعام احمد خان صاحب و جناب محمد صالح علی خان المشتہر بہ مرزائی صاحب سلامہای نیازافشان اشتیاق بار پذیرفتہ باد۔

(6) مشتمل برہجوالہ آباد وصفت بنارس۔

این شکایت نامۂ آوارگی ہای من است قصۂ درد جدائی ہا جدا خواہم نوشت

قبلۂ روان وخرد و کعبۂ جسم و جانِ اسد، سلامت۔ پس از ادای مراسم گرد سر گردیدن و گزارش مراتب تمنای قدم بوسیدن، معروض اینکہ اگر دوروز پیش ازین (از) حاضران غائب بودہ ایم، اکنون از) غائبان حاضریم، بسکہ در عالم خیال ہر لحہ دران انجمن جادار، انیک دل از ذوق ہمکلامی جناب گوش ولب از شوق ہرزہ نوائی درخروش آمدہ است۔ ناچار گریبان تحریر بدریدن وخوں نابۂ گفتگو بچکیدن میدہم۔ دیوانہ ام، ہرچہ گویم معافم، ودردمندم، ہرچہ نویسم مرفوع القلم۔ شاعری موقوف، وتکلف برطرف، از واردات غالبی آنچہ باب اظہار و بایستہ، گفتار است ایں است۔ مغلوب سطوت شرکا غالب حزین کاندرتنش ز ضعف توان گفت جان نبود

گویند زندہ تابہ بنارس رسیدہ است مارا این گیاہ ضعیف این گمان نبود۔

آنچہ تا منزل چلہ تارا گذشت در دو عرضداشت کہ یکی... گردونیان و یکی بسفارت شخصی ناآشنای مجہول الاحوال مرسل گردیدہ است، بتحریر رسیدہ، خوش آنکہ یکی ازان... نارسائی طالع بیزم قبول نگاہ رسیدہ باشد۔ بہر رنگ ازان معبر کشتی بکرایہ گرفتم و با آدم و چار وادران نشستہ، از پیچ وتاب ریح معدہ وامعا درکشاکش ودل از... حرارت غریبہ حمی برآتش۔ روز ہفتم بویرانہ... ورود افتاد۔ آہ ازالہٰ آباد ولعنت خدا برآن خرابہ باد کہ نہ دروی دوائی درخور بیمار، ونہ متاعی شایستۂ مردم بزم... مرد و زنش ناپیدا و مہر وآرزم، ز طبع پیر و جوانش گم۔ سوادش سرمایۂ روسیاہی آفاق و خراب آبادش مرز دو منزلہ... چہ ناانصافی ست این وادی ہولناک را شہر نامیدن وچہ بے حیائی

ست آدم زاد را درین دامگاه غول آرمیدن۔ صحن جہنم بدین... بومش مقابل می نہند پر از آتش است، و ہوای زمہریر ازین اندوہ کہ بصر صر آن برودتکدہ اش نسبت می دہند، خیلی ناخوش۔ چون شنیدہ است کہ بدان را بہ نیکان می بخشند، خود را بہزار امیدواری، بلکہ بصد ہزار خواری در پہلوی بنارس انداختہ است و گنگ را بطریق شفاعت سویش روان ساختہ۔ ہر چند بسوی این روسیاہ نگریستن برطبع نازک بنارس گرانست، اما بدین پشت گرمی دلش آب میخورد (7) کہ پای گنگ درمیانست بخدا کہ اگر بازگشت از کلکتہ منحصر درراہ الہ آباد باشد بہ ترک وطن گویم، وراہ معاودت نہ پویم بالجملہ یک شبا روز دران دیولاخ بجرم فقدان بار برداری زندانی بود۔ روز دگر چون بہل کرایہ پیدا شد، سحرگاہان برساحل گنگ رسیدہ، زود چون باد از آب گذشتم، و بپای شوق سوی بنارس گرم پویہ گشتم۔ روز ورود بنارس بادی جانفزا و نسیمی ... آسا از جہت مشرق وزید، جانم را توان و دلم را روان بخشید۔ اعجاز آن مشت ہوا غبارم را چون علم فتح برافراشت و اہتزاز آن نسیم اثر ضعف درمن نگذاشت خوشا سواد بنارس کہ اگر از فرط دلنشینی سویدای عالمش خوانم بجاست وحبذا اطراف آن معمورہ کہ اگر از جوش سبزہ و گل بہشت روی زمینش دانم رواست۔ ہوایش... خدمت جان درکالبد اموات دمیدن و ذرہ ذرۂ خاکش راچون جوہر آہن ربا منصب پیکان خار از پای رہروان کشیدن گنگ اگر سر بہ پایش نسودی، درنظر ما این قدر گرامی نبودی، وخورشید اگر بردیوار و درش نگذشتی بدین گونہ روغان و تابناک مگشتی۔ بعرض روانی طوفان خروش کنکش خانہ ساکنان ملاء اعلیٰ سیلابی است، وبجلوہ گاہ پری چہرگان سبزہ رنگ... کینان خانہای قدسیان ماہتابی۔ اگر از کثرت عمارت قاف تا قافش سخن رانم، سراسر دیر سار مستانست، واگر از... سبزہ وگل اطرافش فصلی فروخوانم، در بیابان بہارستان:

تعالی اللہ بنارس چشم بددور — بہشت خرم و فردوس معمور

خس و خارش گلستانست گویی — غبارش جوہر جانست گویی

سروش پای تخت بت پرستاں — سراپایش زیارت گاہ مستان

بنارس را کسی گفتا کہ چین است — ز موج گنگ چینش برجبین است

بخوش پرکاری طرز و جودش — ز دہلی میرسد ہردم درودش

بنارس راتوانی دید در خواب — کہ می گردد زنہرش در دہن آب

حسودش گفتن آیین ادب نیست ولیکن غبطہ گر باشد عجب نیست
فرنگستان حسن بی نقاب است زخاکش ذرہ ذرہ آفتاب است
بتانش راہیولیٰ شعلۂ طور سراپا نور ایزد چشم بد دور
میانہا نازک ودلہا توانا زناداتی بکارخویش دانا
تبسم بسکہ درلب ہا طبیعیت دہن ہا رشک گل ہای ربیع ست
بلند افتاد تمکین بنارس بود براوج او اندیشہ نارس

بحکم وفور دلفریبی این تماشا گاہ غم غربتم از دل فراموش است، و بہ ہجوم نشاط نالۂ ناقوس این صنم کدہ دل از اہتزاز درخروش۔ ذوق آن قدر سرمست بادۂ تماشاگشت کہ بیخودانہ (8) دامن برباد وطن افشاندہ، و کیفیت نظارۂ اینجا سجدی دل را فروگرفت کہ دہلی را جز برطاق نسیان جانماند... این مقدمۂ سترگ درپیش، دل از بیم شماتت اعدا ریش نبودی، بی محابا ترک دین کردمی وسبحہ بگسستمی، وقشقہ فروکشیدمی، و زنار فروبستمی، تابدین وضع چندان برکنار گنگ نشستمی کہ گرد آلایش ہستی از خود فروشستمی، و چون قطرہ بدریا پیوستمی۔ بمجرد ورود این ارم آباد بے این کہ چارہ گراشود یا داروئی خوردہ شود، زحمت تشویش عوارض جدیدہ از میان برخاستہ، بلکہ دعوی می توانم کرد کہ پارۂ دراصل مرض نیز کاستہ است۔ ہرچہ از مرکبات معمول فراہم آوردہ میشود، علت وجود آن حزم واحتیاط استقبال است، ورنہ ایدون نہ تلافی ماضی منظور است، نہ رعایت حال۔ قبلہ گاہا، بخاطر اقدس نگذرد کہ غالب از خیرہ سری و پریشان نظری در بنارس ہم چونگس بعسل و خرد رحل فروماندہ باشد حاشا ثم حاشا چون من فلک زدہ راسر و برگ اقامت کجا و دل و دماغ تماشا کو، مگر ضرورت گرد آوردن بعض داروہا کہ حاجت بدان اکثر است وفراہم کردن پارۂ از رخت سفر کہ زمستان را درخوراست اتفاق قیام افتاد۔ پنج روز درسرای نیرنگ آباد کہ درعرف عام بہ سرای نورنگ آباد مشہور است، بے حاصلی گذشت، و بعد ازان مکانی درہمان محلہ عقب ہمان کاروان سرا پیدا گشت دران کاشانۂ تنگ وتارتر از گور بخیل رخت سفر کشادہ ایم، و پہلو بہ بسترِ افتادگی نہادہ۔ ہر چند بہم سرشتن نباتات۔ ساعت ممکن است، اما رقعہ بر رقعہ دوختن طیلسان آوارگی مہلتی میخواہد، لااقل کم از چہار ہفتہ درین سامان این ہفتۂ بغفلت بسررفتہ نیم درہمان ایام محسوب خواہد گشت، ہنوز درمیانۂ دشت و دریا مشوش درمیان آب و آتشم گاہ بخاطر می رسد کہ

تا عظیم آباد بخشکی باید پوید، واز آنجا کشتی بکرایہ باید گرفت، وگاہی دل ہوامیکند کہ ہم ازین جابراہ دریا باید رفت، اکنوں از جناب چشم آں دارم کہ بغمخواری آوارگان دشت بلا پردازند، ونوازش نامہ عجالۃً درڈاک انگریزی روان سازند، چنانکہ حالات مزاج اقدس از عبارتش بتفصیل جلوۂ ظہور دہد، علی الرغم در آغاز صحیفہ خیر عافیتی مرقوم باشد چہ عالم الغیب والشہادت آگاہست کہ دل اغلب اوقات بجانب مخدوم نگران می باشد انشاء اللہ العزیز عریضہ کہ بپاسخ آن گرامی منشور سعادت رقم کردہ... (9) حاوی تاریخ روز رحیل وتعیین وضع وطریق سبیل خواہد بود۔ ہر چند و رباب استدعای نامہ ابراہیم بیش از بیش است، امادل از شرم گمنامی و ہیچ کسی بہزار دشنہ ریش است چہ در زاویۂ کہ فرود آمدہ ام، کلبۂ پیرہ زنے ست کہ خودش بروغن چراغ محتاج است، و خرابہ اش فارغ از پرس وجو۔ چون دہ ویران از بیم خراج نہ بازار نامی در پہلویش، نہ قصر محتشمی در برابرش عنوان نامہ بہ چہ نام ونشان پیرایۂ قبول یابد، ونامہ براگر خود پیک خیال باشد، آخر بہ کدام درہوای سراغش شتابد جناب مخدومی مکتوب الیہ سنجد اسپروہ، برعنوانش بدین طغرای رقم خواہند کشید کہ درمحلۂ نورنگ آباد عقب سرای نورنگ آباد قریب حویلی گوسی خان سامان درحویلی مٹھالی ومیان رمضان بمطالعۂ اسداللہ غریب الوطن تازہ وارد برسد، باشد کہ قاصدان ڈاک انگریزی چون تیردعای مستجاب بہدف غلط نکنند، عذرہذیان سرائی و پریشان نوائی در صدرعریضہ معروض ست، اکنون اگر باز فصلی ازان باب خواندہ شود، آن عذر بدتر از گناہ راباز دفترے درازتر ازین طومار برای اعادۂ معذرت فضولی درکار خواہد بود۔

پیشانی عفوئرا بُرچین نہ سازد جرم ما آیینہ کی برہم خورد از زشتی تمثالہا عمرودولت بعضای عرصہ جاوید درتزاید دو باد، وعشرتکدۂ حیات ابدی توامان باد۔ بخدمت حضرت شاہ محمد زکریا صاحب وخان صاحب... صاحب ومرزایی صاحب نیازمندیہا وآرزومندیہا بہرہ یاب رنگ قبول باد۔(10)

جناب فیض مآب قبلہ وکعبۂ نشاٗ تیں، مدظلہ العالی۔ روزگاریست کہ نفس از سوز فراق قبلۂ راستان شعلہ خیز وجبین خیال بہوای آن آستان سجدہ ریز است۔ وای کہ میانہ من وآبی کہ آتش خطرناک شوق بدان فردتوان نشاند ہفت دریا حائل است، واز سنگ آن درگاہ کہ مہر نماز عبودیتش توان گردانید دوری باندازۂ بُعد کعبہ حاصل۔ عطوفت رقم نامہ درایام خاک نشینی ہای

بنارس چشم بخت را نوری و بخت چشم را عروجی بخشیده بود سعادت تحریر جواب آن را جملۂ مغتنمات فرصت انگاشته و ورقی بخدمت خدام ذوی الاحترام نگاشته، ہم براہ خشکی عزم عظیم آباد کرد باجملہ بدستیاری میامن فیض انفاس بزرگان چون گرد راہ در کوہ بیابان افتان و خیزان در ہرگام از خارو خارہ سینہ بردم بر تیغ مالان، گاہ از شدت پردلیہا افسردہ و رنجور و گاہ از تالم گردش ایام ستم رسیدہ و نالان، روز سہ شنبہ چہارم شعبان پارۂ از روز برآمدہ در کلکتہ رسید۔ غریب نوار یہای وہاب بے منت را نازم کہ در چنین مقام خانہ چنانکہ باید و ہرگونہ راحت و آسایش را بکار آید، ہم او را بمقدار خاطر آزادگان فضایی، وہم اندروی مانند دہان آزدنیا طلبان بیت الخلایی، ہم در گوشۂ صحن پر از آب شیرین چاہی وہم بطرف بامش درخور اہل تنعم آرامگاہی، بی آنکہ جستجو رود، یا گفتگویی شود، بی زحمت و بی منت بکرایۂ شش روپیہ ماہانہ بہم رسید، وآدم و چارواراتکیہ گاہ راحت گردید۔ دوروز از رنج راہ آسودہ، منشور لامع النور را مشعل راہ مدعا ساختہ، و در کشتی نشستہ آہنگ ہوگلی بندر کردم بدر نواب صاحب.. نخست روبسوی ایوانی کہ ضریح جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا در و بود، آوردم وزیا... چوں بگوشۂ بساط قرب مخدومی رسیدم از فرط عنایت برخاستند... در انتظار تو روز ہا گذشت چون از کیفیت منشاء انتظار پرسیدہ شد، این معنی گل... نواب صاحب رسا ماہ اند، وبی ذریعہ، ملاقات صوری روشناس معنوی گردا ماہ۔ روز ملاقات... درمیان نیامد، دوسہ ساعت نشستہ برخاستم و بہ غم کدہ معاودت کردم، بعد دو روز کہ دوبارہ... مبیت افتاد، دو روز و یک شب صحبتہا ماند، و پرس وجو ہا بمیان آمد۔ حال مقدمہ مفصل گفتہ... دل نکردہ اند کہ بدان خرسند توان گشت و ناامیدی نیز نہ بخشیدہ اند کہ از سر این کار توان گذشت۔

جہان بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی مرا بر آرزو ہای ثنائی خندہ می آبد... آشفتگی بخت نژند... (11) باید وید کہ درین روز ہا نواب صاحب ممدوح را با کلکٹر ہوگلی در خصوص زمینی کہ وقف امامبارہ است معارضہ بلکہ مجادلہ درپیش است و دل سرگرم فکر امور خویش۔ این حرف (نہ) تنہا نواب صاحب گفتہ اند، بلکہ از خارج متوالی و متواتر مسموع گشتہ ہمہ را ماتمی حسرت دنیا دیدم چون بہ عشرت کدۂ گبر و مسلمان رفتم" مرگ نواب احمد بخش خان بہادر بسمع اقدس رسیدہ باشد، شگرف اتفاق و طرفہ ماجراست ہر چند انعدام پیکر عنصری نواب نفس مقدمہ را چنانکہ سود ندارد، زیان ہم ندارد، آما از خود رفتہ ام این دو کیفیت باشم یکی آنکہ بمی کہ در مستقبل داشتم ہم ایدون

برای من حالی گشت، یعنی، دست بگدایی پیش برادران دراز کردن۔ دیگر آنکہ مسرتی کہ بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنہا بدان ناز کردن۔

خطا بخش عیب پوش من سلامت، بندۂ تازہ خریدۂ جناب را در فضای سخن دو لغزش واقعہ گشتہ، یکی اینکہ غزلی کہ از بنارس فرستادہ ام و مطلع آن انیست۔

ای بصدمۂ آہی بردست زماباری   این قدر گران نبود و نالۂ زیباری

امید کہ جناب سر مطلع مذکور را محو فرمودہ، این مطلع را بدل ما تخلل آن دو مصرعہ سازند۔ دوم اینکہ قصیدۂ کہ در مدح آغا میر گفتہ ام خدا میداند کہ برای خاندان من طرفہ داغ بدنامی ست، ولطف اینکہ آن یکصد ودہ شعر را از صفحہ حک ساختن نمی توانم۔ چون نواب مرشد آباد نیم سید زادہ است، این قصیدہ را بنام وی شہرت دہم، گو بملازمتش نارسیدہ... لیکن مداح بودن من ہمایوں جاہ را بر من ناگوار نیست۔ توقع کہ تا زمانی کہ اشعار موضح اسم ممدوح را... آن قصیدہ را بکس نمایند و عیب خردان را چون بزرگان بپوشند و نوازشنامہ کہ عنوانش باید کہ چنیں باشد: شہر کلکتہ، قریب چیت بازار در سملیا بازار نزدیک تالاب کرد... بمطالعۂ اسد برسد۔ زیادہ جز آرزوی قدم بوس چہ عرضہ دارد۔ محمد اسداللہ۔

دوسہ روز گذشتہ باشد کہ کتابتی از غمکدۂ راقم رسیدہ بود۔ طرازی از نقش خط و خال شاہد مدعا داشت... را انشا کردۂ و پارۂ از اخبار این داوری گاہ بہ طمع سیرابی تحریر بران افزودہ، اہدای خدمت بندگان حضور... ساختہ ام، چنانکہ از نظر گذشتہ باشد۔ امروز کہ روز دوشنبہ است از ہفتۂ نخستین رجب آخر روز کتابتی۔ دست کار فرما کہ شمہ از حالش در عریضہ ہای سابق سمت تحریر یافتہ، رسیدہ، چون بیاضش سود آگہی داشت رو عرضداشت فرستادہ آمد۔ خدایگانا، حق خدا کہ یارم از کارم غافل نبود، خود را از چاہ جو بیہا (12) معاف نداشتہ، آری بر من از من مہربانتر است، و مراسم داد خواہی را قاعدہ دانتر داین کہ تا امروز خبری بمن بازنداد، ہم بغرور یکدلی و یگانگی بود، نہ از راہ دوری و دیوانگی، اینک مکتوب وی آینہ دار گرانمان مانگی ہای اوست۔ امید کہ غالب خستہ را جویای خبر دانستہ، آن نکنند کہ ہفتہ ہفتہ و ماہ ماہ گذرد، و بنامہ یاد نیارند۔ دیگر عرضہ دارد کہ نامہ رواں گشتہ را پیش از سہ روز گذشتہ، و درین عرصہ کہ رسیدن این صحیفہ خبری تازہ پدید نیامدہ، و ہر چہ نوشتنی بود، در مکتوب پیشین باستیفا رقم گشتہ بفضولی نہ سند، و زیادہ ازین حدِ ادب ندید۔ محمد اسداللہ۔

حضرت قبلہ گاہی و ولی نعمی مدظلہ العالی گرد سری گردد و جان بخاک آں کف پا میفشاند و نمید اند چہ عرضہ دارد، واز پردۂ کدام رقم سر برآرد، نہ سپاس یاد آوری نہایت پذیرد، نہ شکر قدر افزایی باندازۂ تحریر پرپروز جناب منشی عاشق علی خان بہادر کتابچی بمن فرستادند، چون عنوانش بشکافتن رسید نوری ازان پردہ بدرخشید، چون نیک نگرستم سواد مکتوب خدایگانی بود کہ بخان ممدوح دراشعار خاکساریہای این مشت غبار جلوۂ رقم داشت۔ بالجملہ ملازمان شان بدین ننگ آفرینش نوشتہ بودند کہ وقتی قرار دہ، ومرابیا گاہان تاسرت از سپہر بگذرانم ونور خویش بکد ورتکدہ ات برافشانم پاسخ بپوزش گزاردم، و دیگر خود بسباط بوس رسیدم۔ ہر چند درآمد و شد دفتر خانہ تعارفی باحباب ممدوح... بدولت خانۂ قبلہ و کعبہ نواب علی اکبر خان اتفاق معانقہ نیز افتادہ بود، اما ایدون... نقش موالات بکرسی نشست۔ جناب ممدوحی لحیٔ سخن بمذاق اہل وحدت وجود میرانند... ازشیوۂ اخلاق شمع و چراغ انجمن مولوی ولایت حسن وطرز رسایی مذاق مہر سپہر معنی آشنایی نواب علی اکبر خان طباطبائی منت خدام قبلہ گاہی بردل و جان و بازای ہرگونہ لطفی کہ از صحبت برنان بری داشتم۔ ہذامن برکتہ البرامکہ، برزبان بود، ایدون آبروی دیگر برافزود، وشوکتی تازہ روی نمود۔حق خدا کہ اگر درنوردا این آوارگی بشمار رسیدمی، خستگی مرامرہم و شکستگی مرامومیایی از کجاپدید آمدی۔ اگر سررشتۂ انصاف از کف ندہم، دانم کہ از عہدۂ سپاس میر کرم علی کہ مرا بخاک آن آستان رہنمونی کردہ اند، وبدان سرمنزل خضر راہم گردیدہ، بیرون آمدن نتوانم، چہ جامی آن کہ مدح ملازمان گویم حاشاثم حاشا خاموشی از ثنای تو حد ثنای تست، حالی کہ درخور نگارش بود، در عرائض سابق... خویش ہر یک از نظر خواہد گذشت، وآیینہ دار شیوۂ تسلیم خواہد شد۔ درین جزو زمان جز انیک خامۂ نیاز بصفحہ... (13) بہم ندارد و پردہ از روی کاری برنیفتادہ، جواب تفقد نامۂ میر احمد علی خاں صاحب بپاس این معنی کہ درنوردشقۂ حضور... سمت ارسال یافت، بعنایت خواجہ تاشان من بخدمت مکتوب الیہ رسیدہ باد۔ برضمیر میر خدام عالیمقام مخفی مباد کہ این 15 بتاریخ ششم شعبان روز سہ شنبہ رقم کردہ ہمان روز بتوسط میر صفات علی خان بخدمت لالہ کانچی مل، باندوی فرستادہ آمد، خداتوفیق بمکتوب فروپیچیدن وفرستادیش عطادارد۔

حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مدظلہ العالی کورنش بجامی آرد، وعرض میدارد، پیش ازین عرائض سمت ارسال یافتہ، دانم کہ ہر یک بزمان خویش از نظر گذشتہ، آیینہ دار صورِ مدعا گردیدہ باشد، تتمۂ

حالی کہ تعلق بدان اوراق دارد، اینکہ چون جناب منشی عاشق علی خان صاحب بہادر مرانوید قدم خویش دادن، خود پیش جستم، و برشتافتم۔ عنایت فرمودند "ہذا من برکتہ ابسرا مکہ" گویان برخاستم، و بکدورت خانۂ خویش رسیدم پس از چند روز روز یکشنبہ ناگاہ بی آنکہ مرا آگہی دادہ باشند، ہنگامی کہ من بخانہ نبودم جناب ممدوح در رسیدند، چون باز آمدم، وشنیدآب گردیدم و براہ تلافی قطرہ زدم، و بخدمت شان رسیدم نواب علی اکبر خان بہادر بہ ہوگلی تشریف دارند وعدہ بود کہ ترا خواہم ماند... یادنکردہ اند گزارش جناب قبلہ گاہی وابستہ بزبان حضور است، غالب کہ پس از امور شادی... آمد مولوی ولایت حسن صاحب مکرر بذورہ رفتہ اند، صحبت دست دادہ بود، درنورد گفتگو میفرمودند کہ ... کرد و برخویش نہادہ شد، پیش ازین معروض رای ملازمان گشتہ کہ راجہ بنارس... ملازمت نواب گوورنر جنرل بہادر استدعا کرد، پذرفتہ شد و بار عام قرار یافت۔ اما... میان نماند، کس خبر نیافت یعنی بروز آدینہ چہار دہم فروری چون وقت برخاستن عملہ صاحب... سکرتر کہ من ازبدگان اویم، بنایب میرمنشی کہ درغیب میرمنشی کارروائی میکند... اہل بار صلا باید زد کہ روز دوشنبہ کہ روز بار است، بوقت معین خودرا بردر بارگاہ رسانند۔ دران میان کتابتی مشعر این ماجرا بمن فرستاد۔ فردای آن شب کہ شنبہ بود خودرا بملازمت صاحب رسانیدم، وتمنای ملازمت کردم۔ از غایتِ تفقد پذرفت وعنایتی بسزا فرمود... نام مرا در صف اصحاب الیمین... ہم برکرسی اعتبار نشاند واز حسن اتفاقات آنکہ لمبرا از راجہ بھوپت سنگھ جانشین راجہ کلیان سنگھ عظیم آبادی از پدر اوست، ولمبر 3 از سفیر شاہ دہلی و چہارم از سفیر شاہ اودھ وپنجم از وکیل ہمایوں جاہ (14) نواب مرشدآباد و ششم از وکیل جودپور وہفتم از وکیل وجے پور وہشتم از وکیل راجہ نیپال است، ونہم از قبلہ وکعبۂ من جناب علی اکبر خان بہادر دام اقبالہٗ، ودہم از بندہ قراریافت، شرح این مسرت کہ مرادرانجمن بار پہلوی کسی جادادہ اند کہ وی راازمجموع اعیان بنگالہ برگزیدہ ام، تا کجا تخیر یرآید، لیکن، آوخ کہ نواب از ہوگلی نیامد، ومعذرتی گفتہ فرستاد مختصر مفید چون عنایت منعم دربارۂ خود بیش ازبیش دیدم، خلعت آرزو کردم لختی بخود فرورفت وسر برداشت، وبزبان دلفریب گفت ای فلانی این وقت گنجایی آن نداشت نام کسی درجریدۂ اہل بار افزودہ شودول تراجستہ ایم وخاطر ترارعایت کردہ، واین ہم نمی گوییم کہ خلعت نمی توانیم دہانید، اما درین وقت کفیل گرانمایگی خلعت نتوان شد، وخودبنگر کہ عم تو کہ از متوسلان وسرداران سرکار بودگاہی درین سررشتہ خلعت

نیافتہ۔ وبعد تقرر جاگیر بدہ ماہ درگذشتہ، اکنون جال ترا بشرح وبسط بکونسل عرضہ داشتن و خلعتی درخور نام بزرگانت گرفتن صورت نمی بندد۔ حال آنکہ تو امری شگرف بر سر خلعت افزودۂ بیارام وشکیبا شو، تاوقت رخصت فراز رسد، آن زمان خلعت گرانمایہ باضمیمۂ خطاب بہادری کہ تمنا کردۂ۔

(تحقیق 1962)

''مکتوباتِ غالب کے بیشتر خطوط غیر مطبوعہ ہیں۔ یہ خطوط باقساط شائع ہوں گے اور آخری قسط کے ساتھ مقدمہ وحواشی ہوں گے۔'' [قاضی عبدالودود]

○

غالب کے فارسی خطوط

(ایک نیا مجموعہ)

غالب کے فارسی خطوط کا ایک نیا مجموعہ دستیاب ہوا ہے جس میں تین قسموں کے خطوط ہیں:

(1) بالکل نئے خطوط

(2) پرانے خطوط معتد بہ اختلاف متن کے ساتھ۔

(3) پرانے خطوط جن کا متن یا تو وہی ہے، جو 'پنج آہنگ' میں ہے، یا اختلاف ہے تو اتنا کم کہ نہ ہونے کے برابر۔

ایک آدھ کو چھوڑ کر سب خطوط محمد علی خاں کے نام سے ہیں، جو سراج الدین علی خاں، قاضی القضات کلکتہ کے بھائی تھے، اور جن کا فارسی گو شاعر کی حیثیت سے کسی بھوپالی تذکرے میں ذکر ہے۔[1] اس مجموعے سے واقفیت سے پیشتر میں نے 'جہانِ غالب' میں ان سے متعلق ایک نوٹ بھی لکھا تھا۔ غالب سے ان کی ملاقات باندہ میں ہوئی، اور کل خطوط انھیں وہیں بھیجے گئے۔ سب، خطوط، ایک کو چھوڑ کر دوران سفر میں لکھے گئے تھے۔ یہ مجموعہ بدقسمتی سے کرم خوردہ ہے، اس کے بعض الفاظ اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے۔ اس سے غالب کے بارے میں بہت سی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ کچھ امور کی جو پہلے سے ہمارے علم میں تھے، تصدیق ہوتی ہے، اور بعض کی تکذیب ذیل میں اس کے کچھ مطالب بعض عبارات اور دو مکمل خط پیش کیے جاتے ہیں:

(1) غالب نے کہیں لکھا ہے کہ میں نے آغا میر کی مدح میں قصیدہ نہیں لکھا، صرف نثر لکھی تھی۔ اس مجموعے کے ایک خط سے پتہ ملتا ہے کہ انھوں نے 110 ابیات کا ایک قصیدہ ان کی شان میں کہا تھا، جس کی بعض ابیات میں ان کا نام بھی آیا تھا۔ اس کی ایک نقل محمد علی خاں کے پاس تھی۔ غالب انھیں لکھتے ہیں کہ یہ قصیدہ میرے خاندان کے لیے باعث ننگ ہے، لیکن اسے

ضائع بھی نہیں کرسکتا۔ ابھی تک ہمایوں جاہ نواب مرشد آباد سے ملاقات کا موقع نہیں ملا، مگر چاہتا ہوں کہ اسے ان کے نام کردوں۔ جب تک وہ اشعار جن میں آغا میر کا نام آیا ہے ان کی طرف اشارہ ہے، بدل نہ دوں، یہ قصیدہ کسی کو نہ دکھائیں۔ بعد کو اس قصیدے کے ممدوح، نصیرالدین حیدر قرار پائے۔ اس کی ردیف 'رفتم' ہے اور قوافی 'عنواں، گریباں' وغیرہ ہیں۔

(2) غالب جس زمانے میں باندہ گئے تھے، وہاں ان کے ماموں کے بیٹے، اوزبک جان (اس مجموعے میں یہی نام ہے، اورنگ خاں، نہیں) مقیم تھے اور یہ ذوالفقار بہادر نواب باندہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ باندہ میں غالب اوزبک جان ہی کے ساتھ رہے۔ وہاں ذوالفقار بہادر نے انھیں دو ہزار روپے امین چند سے دلوائے تھے۔ یہ شخص ممکن ہے مہاجن ہو، اور اس نے روپے قرض دیئے ہوں، لیکن، غالب کی کسی تحریر میں روپے کی واپسی کا ذکر نہیں۔ اس مجموعے کے بعض خطوط، اس پر البتہ مشعر ہیں کہ نواب سے (یا ان کے ذریعہ کسی اور شخص سے) مزید رقم وصول کرنے کی فکر میں تھے۔ ظاہراً یہ کوشش ناکام رہی۔

(3) غالبؔ محمد علی خاں کو اپنا بزرگ سمجھتے تھے، اور اپنے حالات سے انھیں بالتفصیل مطلع کرتے رہتے تھے۔ غالبؔ نے انھیں اپنی مالی پریشانیوں کی کیفیت لکھی تو انھوں نے انھیں دو سو روپے بھجوا دیئے۔

(4) باندہ سے کلکتہ جاتے ہوئے، غالب الہ آباد میں 24 گھنٹے ٹھہرے تھے۔ اس جگہ سے اتنے مختصر قیام ہی میں اس قدر بیزار ہوئے کہ ایک خط میں یہ لکھتے ہیں کہ اگر کلکتہ پہنچ کر وطن سے واپسی کا کوئی اور راستہ نہ ہو تو میں ترک وطن کے لیے آمادہ ہوں۔

(5) الہ آباد غالب کے نزدیک جہنم تھا تو بنارس[1] بہشت۔ وہاں پہلے سرائے نیرنگ آباد مشہور بہ برائے نورنگ آباد ٹھہرے، اس کے بعد اسی سرائے کے پیچھے حویلی مٹھائی ومیاں رمضان میں جو ایک مبتذل سی جگہ تھی مقیم ہوئے۔ ایک خط میں جو ورود بنارس کے چند ہی دن بعد کا ہے، لکھتے ہیں کہ یہاں کم از کم چار ہفتے ٹھہروں گا۔ سیر وتماشا کا دماغ کسے، غرض یہ ہے کہ ضروری دوائیں فراہم کروں اور جاڑے کے لیے کپڑے وغیرہ بنواؤں۔ اس خط میں 'مثنوی چراغ دیر' کے چند اشعار بھی ہیں۔

---

[1] تعالی اللہ بنارس چشم بددور بہشت خرم وفردوس معمور (مثنوی 'چراغ دیر')

(6) گورنر جنرل کے دربار عام میں شرکت کا دعوت نامہ غالب کو ملا تھا، اور ان کا 'لمبر' (لام کے ساتھ) دسواں تھا، نواں علی اکبر خاں طباطبائی کا تھا۔ غالب نے خلعت اور خطاب خان بہادر کی خواہش ظاہر کی تھی۔ سکریٹری نے جواب دیا کہ فی الحال ممکن نہیں، مگر ممکن ہے کہ آئندہ اس کی صورت نکل آئے۔ اسی نے ان سے یہ بھی کہا کہ نصراللہ بیگ خاں کے چچا جا گیر ملنے کے دس ماہ بعد مر گئے تھے اور انھیں کبھی اس کا موقع نہ ملا کہ خلعت پائیں۔

(7) مرگِ نواب احمد بخش خاں بہادر بسمعِ اقدس رسیدہ باشد... انعدام پیکر عنصری نواب نفس مقدمہ را چناں کہ سود ندارد، زیاں ہم ندارد، اما از خود رفتۂ ایں دو کیفیت باشم یکی آں کہ بیمی کہ در مستقبل داشتم ہم ایدوں برائے من حال گشت یعنی دست گدائی پیش برادراں دراز کردن دیگر آں کہ مسرتی کہ بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنہا بداں ناز کردن۔

(8) قصیدہ کہ در مدح خدام جناب ناظم الملک مسٹر فرانس ہاکنس بہادر ہیبت جنگ از رگِ کلک فرو ریختہ است، رقم میگردد، اس قصیدے کا مطلع یہ ہے:

یافت آئینہ بخت تو ز دولت پرداز
جلوہ ہا سازکن ای دہلی و برخویش بناز

کلیات میں یہ قصیدہ ایک[۲] دوسرے شخص کی مدح میں ہے۔

(9) غالب کلکتہ میں چھ روپے ماہوار مکان کا کرایہ ادا کرتے تھے۔ کلیات [نثر غالب] کے ایک خط میں غالباً دس روپے مذکور ہے۔[2]

(10) اکبرآباد سے ڈھائی سو روپوں کی ایک ہنڈی کلکتہ میں ملی، ماں نے بھجوائی ہوگی۔

1۔ پوشیدہ نماند کہ چوں بہ کلکتہ رسیدم گروہا گروہ مردم در من افتادند و نکتہ چینی و آہوگری آغاز کردند جمعیتی خاص از برای پراگندگی ساختند، و تابکین من برخیزند، جمہر باہم نشستند۔ از ہر سو گرد آمدہ آں بزم را مشاعرہ نام نہادند و از تمہید ایں صحبت بر من منتی تمام نہادند۔ در صحبت دوم زمینی کہ مقطع غزل حکیم ہمام خبر ازاں مید ہد طرح شد، و ہو ہذا:

۲۔ چارلس مٹکاف

درمیانِ من و دلدار ہمام ست حجاب[3]
دارم امید کہ آں ہم زیاں برخیزد

دہ دوازدہ بیت درہمیں ردیف وقوافی ام رگ کلک فرد رتختم، وبمشاعرہ برخواندم۔ پس از ہفتہ خبر رسید کہ بیدانشی بیتی از ابیات مراخردہ گرفتہ، وخودرا درنظر اہل معنی رسوا ساختہ است۔ بیت انیست:

جز دے از عالم واز ہمہ عالم بیشم
ہمچو موی کہ بتاں راز میاں برخیزد

ایراد آں کہ لفظ ہمہ را بالفظ عالم کہ مفرد است، ترکیب نتواں داد، زیرا کہ عالم خود مجموعہ است، ودر چار شربت ونہر الفصاحت حری[4] (خبری؟) ازاں ندارد۔ دیگر آں کہ لفظ بیش تا کہ لفظ تر درآخر آں نیارند، شائستہ آں نیست کہ تلفظ بداں جائم باشد، یعنی بیشتر باید گفت، وبیش تنہا نتواں گفت۔ دیگر آں کہ رستن موی برکمر معشوق عقلا..... دیگر آں کہ رستن موی وسبزہ راتعبیر ببرخاستن نتواں کرد۔ بالجملہ چوں براعتراضات نگاہ کردم ومعترض رابمیزانِ نظر سنجیدم... کہ طرف شوم، وزحمت گفتگو برخود روادارم۔ اما ازانجا کہ جانب حق گرفتن وخاص از برای حق ستیزہ کردن... لختی بہم برآمد ودرصحبت سومیں متعہد پاسخ آں اعتراضات شدم... کارخودکردہ بود، وحق پشتگرمی اہل حق بصورت شائستہ بظہور آمدہ، یعنی دراں روز ہاگرانمایۂ ازاعیان عجم بسفارت از ایران رسیدہ وبتکلیف...... آرایان مشاعرہ وارد آں انجمن گردیدہ بود، اشعار ہمگناں شنید وچوں نوبت بمن رسید، باوجود ناآشنائیہا بمن پرداخت وخودرا مشتاق من وانمود مگر ایرانیانی کہ پیش ازوی بہ کلکتہ بودند مرابنغز گفتاری پیش وی ستودہ بودند۔ چوں کلامم شنید، وتخلصم دریافت فرمود کہ غلبہ ازتست، حقا کہ برہمگناں غالبی واسم بامسمائی۔ آں گاہ روبسوی مجلسیاں کرد وگفت یاراں، درمیانۂ شما ایں نفس گداختۂ خونیں نوا غنیمت است۔ زنہار ایں راگرامی دارید کہ قطع نظر ازشعر وشاعری عالم بزبان پارسیت۔ ہم درعرض آں گفتگو اشہب نطقم توسنی کرد ودرمیدان داوری گرد فتنہ برانگیخت۔ چوں لب بپاسخ اعتراضات کشودم سفیر ممدوح بامن ہمزباں شد، ومرا بیشتر

---

[3] 'شعر العجم' میں یہ شعر اس طرح درج ہے:
درمیان من ودلدار حجاب است ہمام وقت آن است کہ ایں پردہ بیکسو فکنم

[4] چیزے؟ (ادارہ)

ستود، و برآناں خندیدن گرفت۔ چنانکہ بیتی از اساتذہ کہ بر اثبات مدعای من گواہ گزرانیدہ بود، اینک بخاطر دارم، از انجملہ بیتی است از حافظ علیہ الرحمۃ مشعر جواز ترکیب لفظ ہمہ بالفاظ عالم:

گر من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

دیگر مطلعیست از مصلح الدین سعدی علیہ الرحمہ:

بجہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم ازوست
عاشقم برہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست

دیگر بیتی است از حضرت مولانا نورالدین ظہوری علیہ الرحمۃ و انغفراں در جواز تمامی لفظ بیش بی اضافۂ لفظ تر:

کم از آنم کہ درِ معذرتم باید دید
بیش ازانی کہ دہی خجلت تقصیر مرا

دیگر بیتی است از استاد در اثبات مترادف بودن برخاستن باردئیدن چنانکہ میگوید:

ازرخ خطِ مشک سود برخاست
آتش بنشست، دود برخاست

مختصر قصہ صحبت بپایاں رسید، دہرکس بجاے خود رفت۔ حاضر منداں (منداں؟) آں بقعہ چہ شاعر و چہ غیر شاعر شوریدہ تر گشتند، و برمن بشوریدند، و رونق خویش در شکست من دیدند و بیتی از غزلم در نظر نہادند و داد عیب جوئی وانصافی دادند بیت این است۔

شور اشکی بفشار بن مژگاں دارم
طعنہ بربی سروسامانی طوفاں زدۂ

تحت شہرت افگندند کہ کسرۂ زدہ مضاف الیہ میجوید، چوں جواب یافتند کہ زدہ راکسرۂ اضافی نیست۔ یای وحدتست وبس، بخود فرو رفتند و گفتند زدہ جز بمعنی مفعول نیامد، و اینجا مفعول واقع شدہ۔ چوں جواب ایں ایراد در مثنویکہ[۵] بعد ازیں مرقوم خواہد شد، بشرح و بسط مرقوم گشتہ

۵ 'باد مخالف' مشہور ہے کہ جب مرزا نے یہ مثنوی پڑھی تو اس کا بھی مذاق اڑایا گیا اور یہ فقرہ چسپاں کیا گیا کہ "بیچے از صلحارا باد مخالف درشکم پیچید" (سعدی) (ر۔خ)

ایراد آں دریں محل فضولی دانستم، برجادۂ مدعا باز آمدم۔ بندگی ہم ازاں گروہ پیش نواب سید علی اکبر خاں رفت، وگلہ آغاز کرد کہ اسداللہ دہلوی کہ از نیاز مندانِ شماست درانجمنہا شوخی میکند، و ادب نگاہ نمی دارد۔ وردعوی..... درخشم سبکتاز، درمشاعرۂ ماہمہ رانکوہیدہ۔ مگر ہم در آں صحبتی کہ بیانش گذشت بزبانم گذشتہ بود کہ آوخ مخاطب صحیحی و پارسی دان مسلم درمیاں نیست، تا عیار معترض فراگرفتی و بدردل معترض دارسیدی۔ ہم بزرگی کہ شکایتی من بنواب علی اکبر خاں بہادر بردہ بود، ایں کلمہ دردمندانہ را آب وتاب شگرف داد دیباچہ نکوہش فرد آورد۔ نواب علی اکبر خاں پندم دادند وسرزنشم کردند وگفتند دیمک اے فلاں مگر بسخن پروری وشعرگوئی آمدۂ ہشیار کہ رہ دشوار است درہزن بسیار۔ گفتم چہ کنم تاملامت راسزاوار نباشم، گفتم (گفتند؟)[6] دعوی بگذارد باہمگناں بساز۔ گفتم دعوی گذاشتم۔ امابساختن ندانم کہ چہ میخواہد۔ گفتند برخیمہ بمعذرت بشتاب، تا دل خلق از تو نرمد۔ گفتم طریق پوزش و رسم وراہ عذرخواہی ہم بفرمائید۔ گفتند فصلی در عذر بنویس، وآں ورق رابمن نفرست، تابحضرات بنمایم ورنگ ملال از مرأت قلوب بزدائم۔ چوں سخن از تہہ دل بود، ہم بدل فرورفت۔ مثنوی گفتم وآں را آشتی نامہ نام نہادم و بخدمت ناصح محسن مدظلہ العالی فرستادم۔[7]

(2) جو ہرجان گرامی فدای خاک پای حضرت قبلہ گاہی دلیعمی باد مدظلہ العالی۔ یکم جمادی الثانی روز یکشنبہ کودک باروبستاں وقیدی بزنداں وغالب مستہام بوطن رسیدند۔ ندانند کہ کوتہ قلمی ازکم خدمتیست، بلکہ اندیشہ درکمین آں بود کہ بعد رفع کسل و درستی، حواس نقد حرف ورقم باپای نگاہ حضرت قبلہ گاہی فشاندہ شود۔ خدایگانہ، حال دادگاہ دہلی این ست کہ آنجاروز مردم از چشم بیوفائیاں سیاہتر حاکم معزول معتکف زاویہ خمول و فرماندہ حال لا ابالی و مزاج.....نہ اورادست کشادہ ونہ ایں رااستقلال تمام دادہ، آہ بعادۂ جاہ امیدوار وایں را ازبیم سرعت زوال دولت حال پریشانی، ہرچہ ازیں عالمست خاصاں رابگمانست و عاماں رابزباں، ورنہ سرایں رشتہ بہیچکس پدیدار نیست۔ بالجملہ..... عقدۂ کاربدست کس نیست۔ آوازۂ آمد آمد داوراں بالانشیں دلی میداد وپشتی گرم میکرد۔ اکنوں شنیدہ..... کہ پیشتازان قافلہ راکہ تابنارس رسیدہ

---

[6] محل 'گفتند' ہی کا متقاضی ہے۔ (ر۔خ)

[7] کلیات میں بنام 'بادمخالف' یہ مثنوی اس خط کے آخر میں مندرج ہے۔

بووند، فرمان رجعت رسید، ہمگناں برگشتند وبپای تخت رفتند ونهفت..... بسال دگر یافتاد۔ من بندہ کہ درینجا رسیدم ہرزہ ہر سود دیدم وفرماندہاں را دیدم، قصیدہ بخدمت مسٹر فرانسس ہاکنس گذشت ومطبوع طبع نکتہ دانش گشت۔ انجمیاں (مشکوک) بامن حکایت کردند کہ ایں داور فریدوں فرتا امروز ہیچ یک از اعیان دہلی التفات واختلاط نکردہ، آری، خلاف واقع نیست، چہ روز نخستین ملازمت تا یک ساعت نجومی ما (مشکوک) بخواندہ قصیدہ و پرسیدن اخبار کلکتہ و بازجستن وجہ تظلم ملتفت ماند۔ مختصر مفید، بزعم خویشتن سخن فہم است۔ چہ خوش بودی، اگر لختی معاملہ فہم واداشناس نیم بودی۔ ندانم طالع چہ در سر دارد، درماں اپریل 1821 رپورٹ مقدمہ من از دہلی بصدر رسید، وہمدراں ماہ جوابش صادر گردید۔ اتفاق چناں افتاد کہ رسیدن حکم صدر وہنگامۂ معزولی حاکم و پریشانی شیرازۂ اوراق دفتر ہمہ در یک جزو زماں واقع شد۔ رمیدگی بخت من دراں پراگندگی خاص ہماں صفحہ رابی نام ونشاں ساختہ کہ طراز کامیابی غالب سیہ روز داشت۔ اہل دفتر بفرمان دادرد فترہا جستند دورقہا گردانیدند و آں ورق دست بہم ندادہ۔ صاحب سکرتر رسیدنی دہلی بمن میگفت کہ حالیا دریں مقدمہ بصدر بنشستہ ایم ومثای[8] (مشکوک) آں حکم از صدر طلبیدہ..... تاوقت کار در رسد وگم گردیدہ فراز آید۔ اینست خلاصۂ پراگندگیہای حال غالب شوریدہ بخت کہ بداماں نامۂ ہذار از برگ خامہ ریختہ آمد نخستیں برتے کہ۔ بہ مجرد ورود برنظارہ ریخت۔ مشاہدۂ روش ماند و بود برادر بود سلمہ اللہ تعالیٰ کہ از شدت علالت۔ رسیدہ وہر قطرۂ خوں درتنش از جوش سودا سویدا گردیدہ۔ حالیکہ بے دانشاں اوراصحیح خیال کردہ بوونند، حاشا کہ افاقت بودہ باشد۔ ہمانا کہ زنگی ازفنون جنوں بود۔ عبارت مختصر، پیش ازیں درصحیفۂ حقیر تحریر رفت اندیشہ میسنجید اگرایں حال زائل گردد، ومرض بصحت مبدّل شود چہ شگفت، وایدوں کو حالت ظاہری مرض خبر میدہد وفطرت شفای بیمار رانمی پذیرد[9] (مشکوک) بعین الیقین دانستہ ام کہ مرزا یوسف تاخواہد زیست، بیمار خواہد بود و بس۔ دیگر دودی کہ از رہگذار اندیشہ برخاست، معائنہ تب وتاب ہنگامۂ بے ربطی حکامست، چنانکہ در..... صحیفہ معروض شد، وائے برمن کہ بخت مرا بدیار ہای خوش آب وہوای ایران نرسانید۔ ہی آں آتشکدہ ہای

8۔ غالباً نثنی یعنی کاپی

9۔ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ (ر۔خ)

یزد؎..... وخودرا..... میخانہای شیراز۔ گرفتم کہ بداں بہارستاں نرسیدم جنت البلاد بنگالہ چہ کم بود کہ بالش بدیں خارزارم آمد..... گردہ پر شکوہ دریں غولستان آرمید۔ وللہ درقائل ؎۱۱

غالب چوں زیں دامگہ بدرجستم من — آخر زچہ بود ایں چنیں برگشتن
باید کہ کنم ہزار نفریں برخویش — اما بزبانِ جادۂ راہِ وطن

قبلہ گاہا، چوں ہنوز از کثرت آشوب پریشانی نگارش عریضہ بخدمت نواب ہمایوں القاب و دیگر احباب نیفتادہ امید کہ رسیدن این عریضہ بریاران مجہول ماند تا بشکنجۂ شکایتم نکشند۔ زیادہ حدادب بعز یزاں ماہ رجب رسیدہ باد۔ معروضہ پانزدھم جمادی الثانی 1245 ہجری۔

○

(ماہِ نو، کراچی، جنوری، فروری 1969)

حواشی مرتب

1 تذکرہ 'صبح گلشن' از سید محمد علی حسن خان بھوپالی کی طرف اشارہ ہے یہ تذکرہ 1295ھ میں بھوپال میں چھپا۔ بعد میں مجتبیٰ برزآبادی نے تصحیح و حواشی کے ساتھ ایران سے شائع کرایا۔

2 مکتوب بنام مولوی محمد علی خاں صدر امین باندہ

؎ اس سلسلے میں 'کلیات فارسی' کے یہ دو اشعار دلچسپی سے خالی نہیں۔

غالبؔ از خاک کدورت خیز ہندم دل گرفت — اصفہاں ہی یزدہی شیراز ہی تبریز ہی
غالب از آب و ہوائے ہندبسمل گشت نطق — خیز تا خود را بہ اصفاہان و شیراز افگنم

؎۱۱ وللہ من درّ قال (؟) ملاحظہ ہو مثنوی 'ابر گہر بار'

غالب نے اردو میں خط و کتابت کب سے شروع کی؟

غالب نے اردو میں خط و کتابت کب سے شروع کی؟ اس سوال کا جواب سب سے پہلے حالی کی 'یادگارِ غالب' میں تلاش کرنا چاہیے۔ حالی لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ مرزا 1850 تک ہمیشہ فارسی میں خط و کتابت کرتے تھے مگر سنہ مذکور میں جب کہ وہ تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور کیے گئے اور ہمہ تن 'مہرِ نیم روز' کے لکھنے میں مصروف ہوگئے۔ اُس وقت بہ ضرورت اُن کو اردو میں خط و کتابت کرنی پڑی ہوگی۔ وہ فارسی نثر میں اور اکثر فارسی خطوط جن میں قوتِ متخیلہ کا عمل اور شاعری کا عنصر نظم سے بھی کسی قدر غالب معلوم ہوتا ہے، نہایت کاوش سے لکھتے تھے۔ پس جب ان کی ہمت مہر نیم روز کی ترتیب و انشا میں مصروف تھی، ضرور ہے کہ اُس وقت ان کو فارسی زبان میں خط و کتابت کرنی اور وہ بھی اپنی طرزِ خاص میں شاق ہوئی ہوگی۔ اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ انھوں نے غالباً 50 کے بعد سے اردو زبان میں خط لکھنے شروع کیے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''زبان فارسی میں خطوں کا لکھنا پہلے سے متروک ہے۔ پیرانہ سری اور ضعف کے صدموں سے محنت پژوہی اور جگر کاوی کی قوت مجھ میں نہ رہی۔''

حالی نے غالب[1] کا جو قول نقل کیا ہے، وہ غدر کے بعد کا ہے اور اس سے صرف اسی قدر

---

[1] غالب کا قول ایک خط سے ماخوذ ہے جو شاکر کے نام عود ہندی میں ہے۔ اس خط پر کوئی تاریخ ثبت نہیں، لیکن شاکر غالباً غدر کے بعد غالب کے شاگرد ہوئے ہیں، اور اس خط میں 'شدت نسیان' اور جاں کنی کے خیالات، کا ذکر ہے۔ یہ باتیں غدر کے بعد کی ہیں۔

ثابت ہوتا ہے کہ ضعف پیری کی وجہ سے غالب نے فارسی میں خط لکھنا ترک کر دیا تھا۔ اردو میں پہلے پہل کب خط لکھا اور کیوں لکھا اس کے متعلق کسی نتیجے پر پہنچنے میں اس سے مطلق مدد نہیں ملتی۔ حالی کا یہ دعویٰ کہ اردو میں اس وقت خط لکھنا شروع کیا جب وہ 'مہر نیم روز' کی تصنیف میں مصروف تھے محض قیاس پر مبنی ہے اور کوئی ایسی روایت جو اس کی مؤید ہو موجود نہیں۔ اس سے قطع نظر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب بہ ظاہر 'مہر نیم روز' کی تصنیف اواسط[۲] 50ء سے شروع ہوئی تو حالی نے یہ کیوں لکھا کہ غالب غالباً 50ء کے بعد سے اردو میں خط لکھنے لگے ہیں۔ یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ حالی کی 'ہمیشہ' سے کیا مراد ہے۔ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ 50ء تک غالب نے کبھی اردو میں خط لکھا ہی نہیں، یا ان کا یہ مطلب ہے کہ عموماً فارسی میں لیکن کبھی کبھی اردو میں بھی لکھا کرتے تھے۔ حالی نے 'یادگارِ غالب' میں ایک جگہ ہمیشہ کو عموماً[۳] کے معنی میں استعمال کیا ہے، لیکن اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اس موقع پر بھی ان کا یہی مطلب ہے۔ ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے۔ اقتباس بالا میں شاید[۴] ہی کوئی بات حالی نے قطعی طور پر کہی ہو۔ 'معلوم ہوتا ہے'، 'غالباً'، 'قیاس چاہتا ہے' اور اس قسم کے دوسرے الفاظ جابجا ملتے ہیں۔

غلام رسول صاحب مہؔر کی رائے[۵] میں ''غالب 1850 سے قبل اردو میں خط و کتابت

---

۲ مہر نیم روز 'کلیات نثر غالب' طبع اوّل ص 132

۳ ''ان کے گھر میں کتاب کا کہیں نشان نہ تھا۔ ہمیشہ کرائے کی کتابیں منگوا لیتے تھے اور ان کو دیکھ کر واپس کر دیتے تھے'' یادگارِ غالب شائع کردہٗ دائرۂ ادبیہ'' ص 68، اسی کتاب میں ص 19 پر ''کبھی کوئی کتاب نہیں خریدتے تھے۔ الا ماشاء اللہ۔''

۴ نادر خطوطِ غالب مرتبہ جناب رسا ہمدانی میں مرتبا کے پردادا، کرامت کے نام کا ایک خط ہے۔ جناب رسا مقدمۂ نادر خطوط ص 13 تا 15 میں خط 1 کے متعلق مدعی ہیں کہ یہ پہلا خط اردو کا ہے۔ (یہ اور کرامت کے نام کے دوسرے خط جعلی ہیں۔ تبصرۂ نادر خطوط نوشتہ راقم جنوری 1943 کے معاصر میں ملاحظہ ہو) بعد کو اپنے ایک مضمون میں جو اپریل 44ء کے ندیم میں چھپا ہے۔ بغیر کسی ثبوت کے انھوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ خط جو یکم جنوری 1851 کا ہے، حالی کی نظر سے گزرا تھا، اور حالؔی نے اسی کو دیکھ کر یادگار غالب میں تحریر کیا تھا کہ اردو میں خط و کتا. تما 50ء کے بعد سے شروع ہوئی۔

۵ طبع ثانی میں مہؔر صاحب نے اپنی رائے میں ترمیم کی ہے۔

شروع کر چکے تھے لیکن چونکہ اس زمانے میں اردو نثر کو اہل علم بلند پایہ نہیں دیتے تھے، اس لیے وہ خط محفوظ نہ رہ سکے۔ لیکن جیسے جیسے اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا۔ غالبؔ کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی'' (غالب طبع اوّل ص 308) انھوں نے اردو کے ایک خط کا بھی ذکر کیا ہے جو ان کے نزدیک یکم دسمبر 1845 کے کچھ بعد لکھا گیا ہے۔ مہر صاحب حالی کے اس نظریے کو کہ مہر نیم روز کی تصنیف میں مصروفیت اردو میں خط وکتابت شروع کرنے کا باعث ہوئی تسلیم نہیں کرتے۔ مہر نیم روز کوئی ضخیم کتاب نہیں اور کئی سال کی مدت میں لکھی گئی ہے۔ غالب کے فارسی خطوط اردو کے خطوط کی طرح تکلفات سے عموماً آزاد ہیں، اوران کے لکھنے میں زیادہ کاوش نہیں کی گئی۔ اس کتاب کی تصنیف غالب سے 'قادرالکلام اور مشاق نثر نگار' کو فارسی خط لکھنے سے مانع نہیں ہوسکتی۔ ص 307 و ص 308۔

امتیاز علی خاں صاحب عرشی اسے ناممکن نہیں سمجھتے کہ غالب نے 50ء سے قبل بھی اردو میں مراسلت کی ہو، لیکن وہ اس کے قائل نہیں کہ اس سنہ سے قبل کا کوئی اردو خط موجود ہے۔ یہ امکان بھی محض فلسفیانہ امکان ہے، ورنہ ان کا اصلی خیال[6] یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے 50ء سے پہلے اردو میں کوئی خط لکھا ہی نہیں۔ 'مہر نیم روز' کے معاملے میں وہ حالی کے ہم نوا ہیں۔ (دیباچہ مکاتیب غالبؔ طبع ثانی ص 138 و 145)

مہیش پرشاد صاحب نے کوئی رائے ظاہر نہیں کی، لیکن انھوں نے ایک خط کا زمانہ تحریر اگست 49ء متعین کیا ہے۔ (خطوطِ غالب ص 2)

سوال زیر بحث کا تشفی بخش جواب حاصل کرنے کے لیے غالبؔ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کرنا مناسب ہوگا:

1۔ تقریباً 1805 تک

غالب نے دو ایک جگہ بے فخریہ لکھ دیا ہے کہ میری زبان فارسی ہے مگر یہ ان کا اصلی خیال

---

[6] دیباچہ ص 145 ''1850ء..... تک۔ میرزا صاحب تقریباً اس زبان (یعنی فارسی) میں خامہ فرسائی کرتے رہے۔ 'تقریباً' سے عرشی صاحب کی کیا مراد ہے؟

[7] تقریظِ گلشن بے خار و نامۂ غالب

نہیں۔ فارسی سے اُن کا تعلق کس قسم کا ہے اس کے بارے میں ان کی حقیقی رائے قاطع برہان میں ملتی ہے:

> ''نیازے آرم و پوزش مے گسترم تا مردم نہ گویند کہ خود ہندوستان زابودن و ہندوستان زایان دیگر را..... مسلم نہ داشتن وخود علم پندار زباں دانی افراشتن چہ معنی دارد۔ گویم مے گویم کہ نیائے من از ماوراء النہر بود و پدرم در دہلی پیکر پذیرفت و من در آگرہ منشور ہستی یافتم، حاشا کہ خود را از اہل زباں گیرم۔ زباں دانی من بہ فترۂ سہ فروزۂ خدا آرید و سہ گوہر ازل آوردست۔'' (قاطع طبع ثانی ص121)۔

فارسی غالب کی مادری زبان نہ تھی، اسے انھوں نے استاد ہی سے سیکھا تھا۔ اپنی تعلیم کے ابتدائی زمانے میں وہ لکھنا پڑھنا جاننے پر بھی فارسی سے ناواقف رہے ہوں گے، اور ایسا زمانہ بھی ہوگا جب وہ فارسی اتنی کم جانتے ہوں کہ اس زبان میں خط نہ لکھ سکتے ہوں۔ اس زمانے کا کوئی خط موجود نہیں اور نہ اس کی شہادت پیش کی جاسکتی ہے کہ کسی کو خط لکھا، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ خط لکھے ہوں اور وہ اردو میں ہوں۔ غالب نے شعر بھی پہلے اردو میں کہے ہیں، پھر فارسی میں۔

2۔ اواسط 59ء تک

اِس دور میں غالب نے رفتہ رفتہ فارسی پر قدرت حاصل کی، اور کچھ مدت کی مشق کے بعد صاحب طرز انشا پرواز قرار پائے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس دور کے آخر میں غالب کی عمر 50 سے اوپر تھی، اور ان کے قوائے جسمانی کا انحطاط شروع ہو چکا تھا۔ زمانے کی روش کے مطابق غالب نے عموماً فارسی میں خط لکھے ہوں گے، لیکن کبھی کبھی اردو میں لکھنے کی بھی ضرورت پیش آئی ہوگی۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

(1) غالب سے سروکار رکھنے والوں میں ایسے لوگ جو لکھنا پڑھنا جاننے کے باوجود فارسی سے بالکل ناواقف ہوں یا اس سے کافی واقفیت نہ رکھتے ہوں ضرور ہو گے، اور وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں سے مراسلت بھی ہوئی ہوگی۔ انھیں فارسی میں خط لکھنے کے معنی یہ ہوتے کہ خواہ مخواہ ترجمہ کرانے کی زحمت دی جائے۔ ناچار اردو ہی میں خط لکھنا پڑا ہوگا۔ اِسی طرح کبھی کبھی ناخواندہ

لوگوں کو بھی خط لکھنے کی ضرورت پڑی ہوگی، اور انھیں بھی فارسی کی جگہ اردو میں خط لکھا ہوگا۔ غالبؔ کی زوجہ امراؤ[8] بیگم، گمان غالب ہے کہ ناخواندہ ہوں۔ بنارس وکلکتہ سے جو خط غالب نے انھیں بھیجے تھے اور جن کا ذکر چھج مل[9] کے نام کے خطوں میں ہے، وہ کس زبان میں ہوں گے؟

(2) 'پنج آہنگ' کے ڈیڑھ دو سو خطوں میں بہت کم خط ایسے ہیں جن میں غالب نے انشا پردازی کا کمال دکھانے کی کوشش نہ کی ہو۔ ایسے خط 'محنت پژدہی اور جگر کاوی' کے بغیر نہیں لکھے جاسکتے۔ کم از کم غالب کے لیے یہ ممکن نہ تھا اور اس کا خود انھیں اعتراف ہے۔ (خط بہ نام شاکر) ان کی زندگی میں ایسے لمحات جب وہ محنت سے گھبراتے ہوں ضرور ہوں گے۔ ایسی صورت میں اگر مراسلت کی ضرورت پیش آئی ہو تو اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ یا تو 'سرسری' اور 'عامیانہ'[10] فارسی میں خط لکھیں، یا اردو کو نوازیں۔ پنج آہنگ میں ایسے[11] خط جن میں 'شاعری کا عنصر' کم یا مفقود ہے ضرور ہیں۔ لیکن ایسے خط نہیں جو 'قلم سنبھال کر' نہ لکھے گئے ہوں۔ 'سرسری' اور 'عامیانہ' فارسی پر غالب کا اردو کو ترجیح دینا بالکل قرینِ قیاس ہے۔ اس لیے کہ معمولی فارسی لکھنا ان کے ادبی شکوہ کے منافی تھا، اور اردو ایسی زبان ہی نہ تھی جس میں کسی کو

---

8. ایسی شریف خواتین جو بالکل پڑھی لکھی نہیں یا صرف قرآن مجید پڑھ سکتی ہیں اب بھی موجود ہیں، اور غالبؔ کے زمانے میں آج کل کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوں گی۔ غالبؔ رام پور سے غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں ''یہ تم کیا لکھتے ہو کہ گھر میں خط جلد جلد لکھا کرو۔ تم کو جو خط لکھتا ہوں گویا تمھاری استانی جی کو لکھتا ہوں۔ کیا تم سے اتنا نہیں ہوتا کہ جاؤ اور پڑھ کر سناؤ۔'' (خط نمبر 13) خط پڑھ کر سنا دینے کی ہدایت خط نمبر 11 و 19 میں بھی ہے۔ ثاقبؔ کے نام کے خط نمبر 9 میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ غالب کا یہ عام انداز تھا۔ خط 18 بہ نام غلام نجف خاں میں یہ عبارت ہے ''لڑکے بہ خیر و عافیت ہیں۔ اپنی استانی سے کہہ دینا۔ میرزا شہاب الدین خاں کو دعا۔ نواب ضیاء الدین خاں کو سلام۔ میرا رقعہ ان دونوں صاحبوں کو پڑھا دینا۔'' امراؤ بیگم اگر خط پڑھ سکتیں تو ان کے بارے میں بھی یہ ہوتا کہ خط پڑھوا دینا۔ امراؤ بیگم کے خطوط بہ نام کلب علی خاں خود امراؤ بیگم کے لکھے ہوئے نہیں (عرشی صاحب کا خط بنام راقم)

9. پنج آہنگ ص 74......

10. عود ہندی الہ آباد ص

11. شفاء الملک حکیم حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی خطوط ہیں جن کی عبارت بالکل معمولی ہے۔

یہ امید ہو کہ غالب یا کوئی اور شخص انشاپردازی کا کمال دکھا سکے گا۔ غالب حسام الدین حیدر[12] خاں نامی کو لکھتے ہیں:

''جواب ایں نامہ سرسری بنظیر نہ پہلوی و دری، واسخ خواہم کہ روش بہ سخ دانم ہر آئینہ ناموس سخن وری مرازیاں دارد...... امید کہ ملازمان (؟) بندۂ خودرا دریں کشاکش نہ پسندنظر۔'' (پنج آہنگ ص 114 وص 115)

اردو خطوں اور اردو زبان کے متعلق غالب کی رائے ہے ''کوئی رقعہ ایسا ہوگا جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہو۔'' (خطوطِ غالب ص 30) ''میں اردو میں اپنا کمال کیا ظاہر کرسکتا ہوں؟ اس میں گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے؟'' (خطوط 391)۔

اس دور کے اواخر میں انحطاط قویٰ کی وجہ سے اردو خطوں کی تعداد بڑھ گئی ہوگی اس زمانے کے کم ازکم دو خط موجود بھی ہیں۔ پہلا خط اردوئے معلیٰ میں ہے مگر اس پر تاریخ ثبت نہیں۔ خطوط غالب (ص 1 و 2) میں مہیش پرشاد صاحب نے داخلی شہادت کی بنا پر اس کا زمانۂ تحریر اگست 1849 بتایا ہے۔ تبصرۂ خطوط غالب میں جو معاصر نے شائع کیا تھا، میں نے اس کے متعلق لکھا تھا: ''غالب نے دیوان تفتہ کا دیباچہ تحریر کیا تھا، تفتہ کو اپنی تعریف امید سے کم نظر آئی، غالب سے شکایت کی تو غالب نے دیباچے کا ایک فقرہ بدل دیا۔ خط (میں اسی... کی اطلاع ہے۔ اس کا زمانہ مرتب نے اسعد الاخبار، آگرہ کے 20 اگست کے پرچے سے... متعین کیا ہے'' اس لیے کہ اس میں غالب کی تقریظ[13] کا ذکر ہے'' ذیل میں 'اسعد الاخبار' کے دو اقتباس اور جناب عرشی کے خط کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے۔ ان سے جو نتائج نکلتے ہیں ان سے مرتب کے بتائے ہوئے زمانے کی قطعی طور پر تغلیط ہوتی ہے:

(1) دیوان[14] تفتہ جو اس مطبع میں چھپا ہے ربع سے زیادہ چھپ چکا ہے وہ بھی اس موسم سرما

---

[12] نامی غالب سے فارسی میں ایک خط کا جواب لکھوانا چاہتے تھے۔ غالب کی طبیعت شاعرانہ نثر لکھنے پر اس وقت مائل نہ تھی، انھوں نے بہانہ کردیا کہ خط اس کا مستحق نہیں کہ اس کا جواب 'پہلوی و دری' میں دیا جائے نثر کے بدلے 4 رباعیاں بھیجتا ہوں۔ اپنی طرزِ خاص میں نثر لکھنے سے رباعیاں لکھنے میں زیادہ سہولت نظر آئی ہوگی۔ (عود ہندی صفحہ 223)

[13] خط میں دیباچے کا ذکر ہے اور پنج آہنگ میں بھی دیباچہ ہی لکھا ہے۔ دیوان میں یہ دیباچہ تقریظ کے نام سے چھپا ہے۔ اگر اس طرف اشارہ کردیا جاتا تو بہتر تھا۔

[14] یہ اقتباس مرتب نے نقل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس میں تقریظ کا ذکر ہی نہیں۔

میں انشاء اللہ تعالیٰ تمام ہوگا۔ اس کی ضخامت 45 جزو کے قریب ہے اور قیمت چار روپیہ بعد اختتام کے پانچ ہو جائیں گے۔ اکثر شائقانِ سخن نے اس کی درخواست مع زرِ ثمن داخل مطبع کی ہے کیونکہ وہ دیوان عجب فصاحت خیز اور لطف انگیز ہے۔ اکثر اشخاص اس کے طبع ہونے کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے ہیں۔ خصوصاً اسداللہ خاں غالب دہلوی تو اس کے بہت ثنا خواں ہیں۔ 'اسعد الاخبار' 20 اگست 1849 مطابق 29 رمضان 1265ھ

(2) ان دنوں میں دیوان تفتہ سکندر آبادی اس مطبع میں چھپنا شروع ہوا ہے اور یہ وہی دیوان ہے جس کا اشتہار اخبار ہذا میں اواخر 1847 میں دیا گیا تھا۔ بہ سبب عدیم الفرصتی کے اب تک ملتوی رہا۔ اب اس کی تدبیر کی گئی ہے۔' اسعد الاخبار' 18 دسمبر 1848 مطابق 21 محرم 1265ھ۔

(3) تفتہ کے دو دیوان[15] ہیں۔ ان میں سے پہلے کے شروع میں میرزا صاحب کی تقریظ ہے۔ اس کا چھاپا اواخر 1265ھ میں شروع ہوا اور اوائل 1267ھ میں انجام کو پہنچا۔ تقریظ میں تاریخ نہیں دی۔ جس صفحے پر یہ ختم ہوتی ہے اس کی باقی ماندہ جگہ ہے' حقیر کا قطعۂ آغاز طباعت ہے جس سے 1265 برآمد ہوتے ہیں۔''

اِن اقتباسات سے حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں:

1۔ دیوان اور اُس کی تقریظ غالباً اواخر 40ء ہی میں صاحبِ مطبع کے پاس پہنچ گئی تھی، اگر یہ قیاس صحیح ہے تو تقریظ 47ء یا اس سے بھی قبل کی لکھی ہوئی ہے۔

2۔ دیوانِ تفتہ کا چھاپا اوائل 1265ھ (اواخر 48ھ میں شروع ہو گیا تھا۔ (جناب عرشی[16] نے 'اواخر' سہواً لکھا ہے)۔

3۔ 20 اگست 48ء تک 12 جز کے قریب چھپ چکا تھا۔

4۔ تقریظ آغازِ دیوان میں ہے، اور اس کے آخری صفحے میں حقیر کا قطعۂ تاریخ، اس لیے دیوان کا یہ حصہ سب سے پہلے چھپا، اور اس کا زمانۂ انطباع اواخر 48ء ہے۔

---

[15] دو نہیں، تین دیوان ہیں۔

[16] سہو دراصل کارپردازانِ مطبع کا ہے۔ رمضان 65ھ تک ایک ربع چھپ چکا تھا۔ یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اس کا چھاپا اواخر 65ھ میں شروع ہوا؟ تقطیع بڑی تھی، 4 صفحوں سے زیادہ ایک پتھر میں نہیں آتے ہوں گے۔ ایک ربع 11 جز ہی ہوں تو 44 پتھر کی ضرورت ہوئی ہوگی۔

یہ متحقق ہوجانے کے بعد کہ تقریظ کا زمانۂ انطباع اواخر 48ء ہے۔ یہ قطعی طور پر معلوم ہوگیا کہ غالب نے اسے اواخر 48ء سے پیشتر لکھا ہوگا۔ اس کے بعد یہ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ خط اگست 49ء میں تحریر ہوا۔''

عرشی صاحب نے دیباچۂ مکاتیب غالب طبع ثانی میں (ص 141 تا ص 143) میرے بیان پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ اور خط زیرِ بحث کے زمانۂ کتابت کے متعلق بالکل مختلف رائے ظاہر کی ہے۔ عرشی صاحب کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے:

(1) تقریظ سرِ ورق کے دوسرے رخ سے شروع ہوتی ہے اور سرِ ورق پر مہتمم مطبع نے لکھا ہے:

''ایں نسخۂ..... دیوان تفتہ در مطبع اسعدالاخبار..... بہ اواخر 1165ھ شروع گردیدہ باوصف انواع موانع وعوائق دراوائل 1267ھ اختتام رسید۔''

(2) 20 اگست کے اسعد الاخبار میں بہ ظاہر تقریظ ہی کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ غالب کی پسندیدگی کا ذکر پہلی بار اواسط 49ء میں ہوا، لازماً اس کا اظہار اسی زمانے میں کیا گیا ہوگا۔ (یعنی یہ کہ تقریظ اسی زمانے کی لکھی ہوئی ہے)۔

(3) غالب نے 10 فروری 49ء اور 20 اگست سنہء مذکور ہی کی درمیانی مدت میں یہ تقریظ لکھی اس لیے کہ 10 فروری 49ء کو فارسی خط میں غالب نے تفتہ کو لکھا ہے:

''ازاں دوہزار بیت کہ نوشتہ اند کہ دراکبر آباد گفتہ ام، ماہم در اوراقِ اخبار اکبرآباد غزلے مشاہدہ کردہ ایم خوش گفتہ اند وبہ راہے کہ مامی خواستیم رفتہ اند۔''

10 فروری تک غالب نے یہ دو ہزار اشعار نہیں دیکھے تھے۔ غالب اظہار رائے میں بڑے محتاط تھے۔ تفتہ نے ان اشعار کی اصلاح کے بعد تقریظ کی درخواست کی ہوگی۔

(4) تقریظ کی ترمیم اواخر 1850 میں تقریظ کے چھاپے جانے سے کچھ قبل ہوئی۔ غالب اس زمانے میں زیادہ تر اردو میں خط لکھنے لگے تھے، ترمیم کی اطلاع اردو خط کے ذریعے دی۔

میری گزارش حسب ذیل ہے:

(1) عرشی صاحب نے دیوان تفتہ کے متعلق جو خط مجھے لکھا تھا اس میں سرورق کا حال نہ تھا، ورنہ میں کبھی یہ دعویٰ نہ کرتا کہ تقریظ دیوان سے پہلے اواخر 48ء میں چھپی تھی۔ سرورق کی عبارت سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تقریظ اواخر 50ء میں طبع ہوئی، اور اس میں ترمیم اس سے

قبل ہو چکی تھی۔ کس قدر قبل؟ اس پر یہ عبارت مطلق روشنی نہیں ڈالتی۔

(2) دیوان تفتہ کا اشتہار اسعد الاخبار میں پہلی بار اواخر 47ء میں چھپا تھا۔ میری نظر سے 11 دسمبر 48ء سے قبل کے پرچے نہیں گزرے، اس لیے مجھے علم نہیں کہ اشتہار اوّل میں غالب کے متعلق کچھ تھا یا نہیں۔ عرشی صاحب 20 اگست 49ء کے پرچے میں جو اشتہار ہے اس کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے تقریظ کی طرف اشارہ ہوا ہی نہیں۔ مزید تحقیق سے یہ ثابت بھی ہو جائے جب بھی یہ لازم نہیں کہ تقریظ کے دیکھتے ہی صاحب مطبع نے اس کا ذکر کر دیا ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صاحب مطبع کو تقریظ کا علم 20 اگست 49ء کو یا اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ یہ تقریظ اصلی تھی یا ترمیم شدہ، اشتہار اس کے بارے میں ساکت ہے۔ یہ بھی قطعی نہیں کہ تقریظ ہی کی طرف اشارہ ہے، مگر قیاس یہی چاہتا ہے۔

(3) اواخر 47ء میں دیوان کا اشتہار چھپا تھا مگر دیوان اس وقت کس شکل میں تھا اس کا مطلق علم نہیں۔ قیاس چاہتا ہے کہ مکمل ہو، اور اس میں زیادہ ردّ و بدل[1] کی گنجایش نہ ہو۔ اس صورت میں یہ دو ہزار اشعار دیوان دوم میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اس کے خلاف بھی ہو تو تقریظ ایسی نہیں کہ اس کے لکھنے سے قبل کل کلام کا مطالعہ ضروری ہو۔ تفتہ غالب کے شاگرد تھے، اور غالب اس سے واقف تھے کہ شاعری میں تفتہ کا کیا پایہ ہے۔ تقریظ کے لیے یہ بالکل کافی تھا۔ ذیل میں تقریظ کی وہ عبارت جس کا تعلق کلامِ تفتہ سے ہے نقل کی جاتی ہے:

> ”رہ رو را بہ رہ گزارے مرغزارے در نظر آوردہ و در بیابانے بہ خیابانے در آوردہ اند کہ دراں تماشا گاہ تا بہ پو یہ نیم گام زند موج سبزہ را بیند تا بہ کمر رسیدہ، و..... گوشۂ دستار را نگر داز گرانی بارِ گل خمیدہ..... ہمانا رہ گزارے کہ بہ سبزہ زارے انگشت نما شدہ و بیابانے کہ بہ خیابانے روشناس آمدہ ہمیں غالیہ اندودہ سواد مردمک مداد و ہمیں ریحاں رقم صحیفۂ مشکیں سواد است کہ در نظر داشتہ ایم و نی (؟) بے نوا را بہ دیباچہ نگاری آں گماشتہ۔ یارب این سخن پیوند دانش مند درفن فرزانگی یگانہ دورِ آئین یگانگی فرزانہ آسمانِ سخن را ماہِ دو ہفتہ، منشی ہر گوپال تفتہ کہ ایں فہرست گنج خانۂ راز راقم کردہ، اوست و ایں مجموعۂ سوز و گداز

[1] متفرقات سے بحث نہیں

فراہم آوردۂ او، چہ مایہ درجہ و دل باہم آمیختہ باشد تا ایں نقش بدیع انگیختہ باشد۔
سخن عشق و عشق سخن کلامِ حسن و حسن کلام را بہ یک عدد سر شتند تا چار آمیخیج، ہستی
شیوا بیانی سرانجام یافت کہ ہمدمی نفس و تشنگی جگر کہ در سخن بہ سخن داشت بہ مناسبت
برشتگی حسن گفتار تفتہ نام یافت۔ وادا شناساں شناسند و آزہ داناں دانند کہ
با آں کہ خامہ در کف سخن و راز فراوانی آز ورزش سخن لا ابالی پوے و بے پروا خرام
است، سخن بہ نغزی و خوبی و روانی در نفسِ خویش تمام است..... لاجرم با چنیں
دمِ مرم کہ ہیچ گہ دلش را از گفتار سر نہ دار و سینہ مست مے سخن تفتہ از خود رفتہ
در سخن ہائے آمدہ ہم آورو نہ دارد۔ زیں پس..... عدد اردن حق ستائش خوبی سخن
بہ درجہ وراں عدد ارم۔" (پنج آہنگ ص 39 و 40)[۱۸]

تعریف یا تو بہت عام لفظوں میں ہے یا ایسی ہے کہ تفتہ کا کلام اس کا بالکل مستحق نہیں۔
غالب یہی الفاظ ہر اس شاعر کے لیے جسے وہ ناراض نہ کرنا چاہتے ہوں استعمال کر سکتے تھے۔
اظہار رائے میں 'بڑے محتاط ہونے سے اگر عرشی صاحب کا یہ مطلب ہے کہ غالب نپی تلی' بے لاگ
رائے ظاہر کیا کرتے تھے، تو اس سے اختلاف کی بہت کچھ گنجائش ہے۔ جہاں تک معاصرین کا
تعلق ہے ان کی ناقدانہ رائیں زیادہ تر مصلحتِ وقت کی تابع نظر آتی ہیں۔ مثالیں بہت دی
جاسکتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے صرف چند پر اکتفا کیا جاتا ہے:

[میرزا رحیم الدین بہادر] حیا کے متعلق لکھا ہے:
"سخنش را ارزندگی سیمائے کلام الملوک ملوک الکلام است و فکرش را از
درخشندگی فروغ جوہر الہام" (پنج آہنگ ص 38)
امیر حسن خاں بسمل کو خاقانی پایہ، کہہ کر مخاطب کیا ہے۔" (ص 99)
قلق کی شاعری کے متعلق لکھا ہے۔ "امیر خسرو و سعدی و جامی کی روش کو
سرحدِ کمال کو پہنچایا ہے۔"[1] (خطوطِ غالب ص 152)
شفق، ہاشمی اور عسکری کی شاعری۔ "متاخرین یعنی صائب و کلیم وقدسی کے

۱۸ پنج آہنگ اشاعت اوّل کسی صاحب کے پاس ہو تو بہ ازراہِ مہربانی یہ بتائیں کہ دیوان تفتہ کا دیباچہ اس میں ہے یا نہیں۔

انداز کو آسمان پر لے گئے ہیں۔" (ایضاً، ص 152)

(4) عرشی صاحب کی رائے میں تقریظ کی ترمیم اواخر 50ء میں تقریظ کے چھاپے جانے سے کچھ قبل ہوئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تقریظ اگست 49ء میں یا اس سے بھی کچھ پہلے تفتہ کے پاس پہنچ گئی اور باوجود اس کے کہ وہ اس سے مطمئن نہ تھے، انھوں نے اسے بعض اصحاب کو دکھا بھی دیا، لیکن غالبؔ سے ترمیم کی درخواست برس ڈیڑھ برس کے بعد کی۔ عرشی صاحب کے پاس اس کا ثبوت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خط جس میں ترمیم کا ذکر ہے اردو میں ہے۔ یہ رائے کہ غالب 1850 سے قبل اردو میں خط نہیں لکھتے تھے پہلے ہی قائم کر لی گئی تھی، خط زیر بحث کا زمانۂ تحریر 1850 سے قبل قرار نہ دینا ناگزیر تھا۔ ترمیم جیسا کہ خود غالب نے لکھا ہے بہت کم تھی۔ غالبؔ نے صرف ایک فقرہ بدل دیا تھا۔ میرے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ تقریظ کی ترمیم اس کی تصنیف کے برس ڈیڑھ برس بعد ہوئی۔ میری رائے میں تقریظ کی ترمیم اس کی تصنیف کے کچھ ہی بعد ہوئی، اور اسی زمانے میں خط بھی لکھا گیا۔ یہ زمانہ 20 اگست 49ء سے قبل ہے لیکن یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کس قدر قبل ہے۔[19]

دوسرا خط جواہر سنگھ جوہر خلف لالا چھج مل کے نام کا ہے۔ خطوطِ غالبؔ میں جوہر کے نام سے جو تین خط ہیں ان میں یہ پہلا ہے۔ خط یہ ہے:

> "خط تمھارا پہنچا..... قطعے جو تم کو مطلوب تھے اس (کذا) کے حصول میں جو کوشش ہیرا سنگھ نے کی ہے میں تم سے نہیں کہہ سکتا..... پانچ پانچ اور چار چار رُپے اور دو رُپے کو قطعے مول لیے اور بنوائے..... دوڑتا پھرا۔ حکیم صاحب پاس کئی بار جا کر حضور والا کا قطعہ لایا۔ اب دوڑ رہا ہے ولیعہد بہادر کے قطعے کے واسطے۔ یقین ہے کہ دو چار دن میں وہ بھی ہاتھ آئے اور بعد اس قطعے

---

[19] تفتہ کے نام کے خط 2 (خطوط ص 2 و 3) کا زمانۂ تحریر مہیش پرشاد صاحب نے اگست 50ء لکھا ہے۔ میں نے غالب کے ان الفاظ کی بنا پر کہ "جب تمھارا دیوان چھاپا جائے گا یہ قطعہ بھی چھپ جائے گا" یہ رائے ظاہر کی تھی کہ عجب نہیں یہ خط 50ء سے پہلے کا ہو۔ عرشی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ قطعہ جس کا ذکر اس خط میں ہے۔ دیوان تفتہ میں موجود ہے، اور 50ء کا لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مہیش پرشاد صاحب کے قول کی صحت میں جو شبہ میں نے ظاہر کیا تھا اس کے لیے کوئی سبب نہیں۔

کے آنے کے وہ سب کو یکجا کر کے تمھارے پاس بھیج دے گا۔ مدد میں بھی اس کی کر رہا ہوں، لیکن اس نے بڑی مشقت کی..... کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اسی ہفتے میں بھیجوں گا.....''

مہر صاحب نے غالب کے ایک فارسی خط کی مدد سے اس خط کا زمانۂ کتابت 1845 کے لگ بھگ مقرر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''فارسی مکاتیب میں ایک خط..... جوہر کے نام ہے جس میں..... لنگی کی فرمائش کی ہے۔ اس خط کے آخر میں مطبوعہ پنج آہنگ میں یکم دسمبر 1848 مطابق چہارم محرم 1251ھ ثبت ہے۔ ہجری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی..... کم ازکم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو 1251ھ کے بجائے 1261 رکھا جائے تو عیسوی تاریخ 1845 ہونی چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کے اردوئے معلیٰ کے ایک خط میں بھی..... لنگی کا تقاضا موجود ہے..... یہ دونوں خط لازماً ایک دوسرے سے قریب کے زمانے میں لکھے گئے ہوں گے۔'' (غالب طبع اوّل ص 308)

پنج آہنگ غدر سے قبل دو بار طبع ہوئی تھی، لیکن غدر کے بعد کلیات نثر میں شامل کر لی گئی۔ کلیات پہلی بار غالب کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا۔ اس کی پہلی اشاعت میں 'آوینہ یکم دسمبر 1848 چہارم محرم 1215 ہجری' مرقوم ہے۔ 1215ھ دراصل 1265 ہے، اور اس طرح عیسوی اور ہجری تاریخوں اور سنین میں مطابقت ہو جاتی ہے۔ مہر صاحب نے 1251ھ کلیات کی تیسری اشاعت میں دیکھا ہوگا۔ دونوں سنین کو بدلنے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ ان کا یہ قول کہ فارسی اور اردو خط لازماً ایک دوسرے سے قریب زمانے میں لکھے گئے ہیں البتہ قابلِ قبول ہے۔

عرشی صاحب کی رائے میں خط زیر بحث کا زمانہ تحریر کیا ہے، اس کا ٹھیک پتا نہیں ملتا ان کا بیان حسب ذیل ہے:

''پنج آہنگ اور اردوئے معلیٰ میں چھ خط جوہر کے نام پائے جاتے ہیں۔ (اس کے بعد خطوں کی فہرست دی ہے)..... ان میں سے پہلے اور تیسرے

خط میں ساڑھے تین سال، چوتھے اور پانچویں میں آٹھ مہینے اور پانچویں اور چھٹے میں دس سال سے زیادہ کا فرق ہے۔ کم تر مدت تیسرے اور چوتھے مکتوب کے درمیان ہے جو تین ماہ ہوتی ہے۔ اب محولہ بالا مکتوب..... کی اصل عبارت ملاحظہ ہو.....، کیوں صاحب وہ ہماری لنگی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تم نے لکھا تھا کہ اس ہفتے نہ بھیجوں گا، اس عبارت کا جملہ بہت دن ہوئے، غور طلب ہے چونکہ میرزا صاحب کے فارسی خطوط نمبری 2 اور 4 میں ہے شکایت کی گئی ہے کہ بہت دنوں سے تمھارا خط نہیں آیا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جوہر خطوں کے جواب میں بے حد سست تھے اور ان کے نام کے خطوط کے درمیانی وقفے ہمیں معلوم ہیں۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں ہے کہ انھوں نے لنگی بھیجنے میں ڈیڑھ دو برس گزار دیے ہوں۔

یہاں ایک اور امر قابل بیان ہے۔ جہاں تک میں نے جستجو کی ہے بہ استثنائے نواب فردوس مکاں ایسا کوئی مکتوب الیہ نہیں ہے جس کو میرزا صاحب فارسی میں خط لکھتے ہوں اور پھر فارسی مراسلت کے درمیان میں کوئی اور خط اسے لکھا ہو۔ جب وہ کسی سے اردو میں مراسلت شروع کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اس کو فارسی خط نہیں لکھتے۔ جوہر کے نام 48ء میں ایک اور اس کے بعد 52ء میں دو فارسی خط لکھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ درمیان میں اردو کا خط کیوں تحریر کیا گیا۔

اس خط میں میرزا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہیرا سنگھ نے بڑی کوشش سے بادشاہ کے ہاتھ کے قطعے مہیا کر لیے ہیں۔ اب ولی عہد کے دستخطی قطعات کی فکر میں ہے۔ میں بھی اس کی مدد کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک ولی عہد سے مراد میرزا فتح الملک ہیں جو 1849 میں دارا بخت کے انتقال کے بعد ولیعہد اور 1854 میں میرزا صاحب کے شاگرد ہوئے تھے۔ اس لیے ان کے دستخطی قطعوں کی تحصیل میں میرزا صاحب نے مدد دی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر لنگی کے تقاضے والے اردو خط کو فارسی کے خط مؤرخہ اگست 1850ء کے بعد کا ماننا

ہوں اور ایک دو اور تقاضائی خطوں کو گم شدہ تصور کرتا ہوں۔"

(دیباچہ ص 128 تا 140)

میں عرض کر چکا ہوں کہ خط زیر بحث کے زمانہ تحریر کے متعلق عرشی صاحب کی اصلی رائے کا پتا نہیں ملتا۔ اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:

عرشی صاحب فرماتے ہیں کہ جوہر نے لنگی بھیجنے میں ڈیڑھ دو برس گزار دیے ہوں گے۔ فارسی خط کی تاریخ تحریر یکم دسمبر 48ء ہے، عرشی صاحب کے بتائے ہوئے حساب سے اردو خط کی آخری تاریخ 21 مئی 50ء ہو سکتی ہے، گو اس کا بھی امکان رہتا ہے کہ اس سے مہینوں قبل لکھا گیا ہو۔ ان کے اس قول سے کہ غالب اردو خط لکھنے کے بعد فارسی خط نہیں لکھتے۔ یہ نتیجہ نکلتا ہے اور خود انھوں نے نکالا بھی ہے کہ اردو خط اگست 53ء والے فارسی خط کے بعد کا ہے۔ آخر میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ خط اس زمانے کا ہے جب غالب میرزا فتح الملک کے نوکر ہو چکے تھے۔ یہ مسلم ہے کہ ملازمت کا زمانہ 1854 تا 1856 ہے۔ خط کے زمانۂ کتابت کے متعلق اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے ظاہر ہے، گو خود انھوں نے صراحۃً نہیں لکھا کہ اس حساب سے خط کا زمانۂ تحریر کیا ہے۔

خطوں کے درمیانی وقفے اور جوہر کی کاہل قلمی کی نسبت جو کچھ عرشی صاحب نے لکھا ہے اس کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خطوط کے درمیانی وقفے محض مطبوعہ خطوں کی مدد سے ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ مطبوعہ مجموعوں میں جو خط ملتے ہیں وہ ان خطوں کے مقابل میں جو شائع نہ ہو سکے یقین ہے کہ بہت کم ہوں۔ جوہر کے والد غالب کے دوست خود جوہر[۲۰] ان کے 'عزیز شاگرد' اور 'مخصوصین' میں تھے (یادگار ص 107 و ص 310) اور مدتوں دہلی سے باہر بھی رہے، غالب نے انھیں 6 سے بہت زیادہ خط لکھے ہوں گے۔ 1848 تا 1864 کے کل خط ہیں کہاں کہ خطوں کے درمیانی وقفوں کا صحیح علم ہو سکے اور اس سے کوئی نتیجہ نکالا جا سکے؟ عرشی صاحب کا قول ہے کہ دو خطوں میں بہت دنوں سے خط نہ آنے کی شکایت ہے۔ ذیل میں

---

۲۰ جوہر اور مے کش کے حق میں غالب کی رُباعی کلیات نظم میں ہے یادگار میں بھی نقل ہوئی ہے:

تا مے کش و جوہر دو سخنور داریم — شان دگر و شوکت دیگر داریم
درمیکدہ پیریم کہ مے کش از ماست — درمعرکہ تیغیم کہ جوہر داریم

دونوں خطوں کی ضروری عبارتیں درج کی جاتی ہیں:

(1) ''دیراست کہ مارا یاد نہ کردہ اند و ما جگر تشنۂ خود را بہ زلالِ خبرے کہ از کنارِ نامۂ موسومۂ رائے چھج مل ترا اود تسکین می دہیم (پنج آہنگ ص 120)

(2) نامۂ شاد یراست تا بہ من رسیدہ است، پاسخ جو نہ بود، ورنہ دریں روز سیاہ نیز نبشتن نامہ دریغ نہ داشتے۔ (ایضاً ص 120 و ص 121)

پہلے خط میں جوہر کی شکایت ہے، لیکن دوسرے میں معاملہ برعکس ہے۔ غالب نے خود جواب نہ دینے کی معذرت پیش کی ہے۔ صرف اس بنا پر کہ ایک خط میں غالب نے دیر سے یاد کرنے کی شکایت کی ہے، عرشی صاحب یہ کہنے میں حق بہ جانب نہیں کہ جوہر جواب میں بیحد سست تھے۔'' غالب نے اپنے لیے بھی وہی 'دیر' کا لفظ استعمال کیا ہے، کیا یہی حکم غالب پر بھی لگایا جاسکتا ہے؟ غالب اس کے زیادہ مستحق ہیں اس لیے کہ غالب جواب نہ دینے کے معترف ہیں اور جوہر کے بارے میں صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ خط لکھنے میں سبقت نہ کی مزید یہ کہ اگر ایک خط میں یاد نہ کرنے کی شکایت ہے تو ایک میں جوہر کے متواتر خطوں کا ذکر ہے۔

''نامۂ ہائے شما پے ہم رسیدہ، پاسخ آں[21] ہا نیز پے ہم بہ پدر بزرگوارِ شما سپردہ شد۔ ایں نامہ کہ امروز می نگارم و دمی خواہم کہ بہ سبیل ڈاک رواں دارم بہ پاسخ دو صحیفۂ باز پسین است نگاشتۂ 22 نومبر درقم زدۂ 26 نومبر کہ ہر دو بہ ہنگام خویش بہ من رسیدہ نخستیں چوں شوقیہ بجواب نہ خواہد، دو میں را پاسخ ازیں است۔ (پنج آہنگ، ص 120)

'بہت دن ہوئے' چند دنوں کے لیے بھی مستعمل ہوسکتا ہے، چند مہینوں کے لیے بھی۔ اور چند برسوں کے لیے بھی۔ مجروحؔ کے نام ایک خط ہے جس میں غالبؔ نے اپنا اور میرن صاحب کا اصلی یا فرضی مکالمہ نقل کیا ہے، اس میں یہ الفاظ محض چند دنوں کے لیے آئے ہیں ''اس کے (مجروح کے) خط کو آئے ہوئے بہت دن ہوئے ہیں، وہ خفا ہوا ہوگا۔ جواب لکھنا ضرور ہے۔'' ''حضرت وہ آپ کے فرزند ہیں، خفا کیا ہوں گے؟'' (خطوط ص 269)

خط زیرِ بحث میں کس مدت کے واسطے استعمال ہوا ہے اس کے فیصلے میں وہ خط جس میں

[21] یہ قطعہ بہ پنج آہنگ میں موجود نہیں۔

لنگی کی فرمائش کی تھی مدد دے سکتا ہے۔ضروری عبارت یہ ہے:

"کلہے از پرست برہ داشتم، حالیاآں را کرم خورد سرم بے کلاہ ماندہ۔ اگر چہ کلہ نمی جویم، امالنگ ابریشمی چناں کہ در پشاور وملتان سازند و اعیانِ آں قلم رو بہ سر پیچند..... و غالب کہ در آں دیار ایں چنیں متاع زود و آساں بہ دست آید، بہ جویند و بہم رسانند و سوے من در ڈاک رواں دارند و قیمت آں برنگارند۔ تا بہانہ خواہند نوشت نہ خواہم ستد..... در فرستادن لنگ در نگ رنگاشتین قیمت تکلف نہ کنند....." (پنج آہنگ ص 120)

غالب کو لنگی کی ضرورت فوری استعمال کے لیے ہے، اسی لیے وہ ایک جگہ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ جلد مل جائے گی اور دوسری جگہ جلد بھیجنے کی تاکید کرتے ہیں۔لنگی کوئی نایاب چیز نہیں۔ غالب قیمت ادا کرنے کو تیار بلکہ اس پر مصر، غالب اور جوہر کے تعلقات بزرگانہ اور خوردانہ۔یقین ہے کہ غالب کا خط ملتے ہی جوہر نے لکھا ہوگا کہ اسی ہفتے بھیجوں گا۔کسی سبب سے وعدہ ایفا نہ ہوا تو غالب نے یاددہانی کی۔میرے لیے یہ باور کرنا بہت مشکل ہے کہ فرمائش اور یاددہانی کے درمیان برس ڈیڑھ برس کا وقفہ ہے۔چند ہفتے بہت ہیں۔

عرشی صاحب کا یہ نظریہ کہ غالب کسی شخص سے اردو میں خط و کتابت شروع کرنے کے بعد اسے فارسی خط نہیں لکھتے تھے، غالب کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے قابل قبول نہیں۔اس قسم کے خودساختہ قاعدوں کی سختی کے ساتھ پابندی ان سے بعید ہے۔یوں بھی بے شمار فارسی خط غائب ہیں، غالب کے عمل کا پتا کیوں کر چلے؟ اس کا اعتراف خود عرشی صاحب کو ہے کہ اس کلیے کا استثنا موجود ہے۔ جہاں ایک مستثنیٰ ہے وہاں ایک اور سہی! غالب جب یوسف علی خاں کو اردو میں خط لکھنے کے بعد فارسی خط لکھ سکتے تھے تو جوہر سے اس طرح مراسلت میں کون سا امر مانع ہوسکتا تھا؟

اب رہا قطعوں کا معاملہ۔عرشی صاحب کے پاس کون سا ثبوت اس دعوے کا ہے کہ ولی عہد سے مرزا فتح الملک ہی مراد ہیں۔دارا بخت دارا بھی خطاط تھے (خم خانۂ جاوید[۲۲] جلد 3 ص 101) ممکن ہے کہ انھیں کے قطعے کی تلاش ہو۔مرزا فتح الملک ہوں جب بھی، یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ قطعے کی تلاش غالب کی نوکری کے بعد کا واقعہ ہے۔میرے نزدیک تو غالب کی اعانت کو

[۲۲] بہ شرط ضرورت معاصرین کی شہادت پیش کی جاسکتی ہے۔

کسی خاص قطعے کی تلاش پر محدود کردینا ہی صحیح نہیں۔ غالب نے اپنی مدد کا ذکر کیا ہے، اس کی تصریح نہیں کی کہ کسی خاص قطعے کے حصول میں مدد دے رہے ہیں۔

میری رائے میں جوہر کے نام کا اردو خط ان کے نام کے فارسی خط مورخہ یکم دسمبر 1848 کے چند ہفتے بعد کا ہے۔ اس کا امکان بھی ہے کہ چند مہینے بعد کا ہو، لیکن میرے لیے یہ باور کرنا کہ لنگی کی فرمائش یہ جوہر کے وعدے اور غالب کی یاددہانی میں پانچ چھ برس کا وقفہ ہے، مشکل نہیں ناممکن ہے۔

3۔ تیسرا دور: بادشاہ کی ملازمت

یعنی جولائی 50ء سے شروع ہوتا ہے۔ 'مہر نیم روز' کی تصنیف کا آغاز اس کے بعد ہی ہوا ہوگا۔ اس کی عبارت میں 'قوتِ متخیلہ' کا عمل بہت زیادہ ہے، اور اس کی تصنیف میں مصروفیت ضرور ہے کہ اردو خطوں کی تعداد میں معتد بہ اضافے کا باعث ہوئی ہو۔ رفتہ رفتہ کس طرح فارسی کم اور اردو زیادہ ہوتی گئی اور آخر میں صرف اردو پر انحصار رہ گیا، اس کی تفصیلات کے لیے مکاتیب غالب طبع ثانی کا دیباچہ (ص 143 تا ص 145) ملاحظہ ہو۔ اس مبحث پر اس سے بہتر بیان میری نظر سے نہیں گزرا، خلاصۂ بحث یہ ہے:

(1) قیاس چاہتا ہے کہ غالب نے فارسی سے پہلے اردو میں خط لکھے ہوں۔

(2) غالب جس زمانے میں بالعموم فارسی میں مراسلت کرتے تھے، کبھی کبھی اردو میں بھی خط لکھا کرتے تھے۔

(3) کم از کم دو خط 1850 سے قبل کے موجود ہیں۔

(مصنف: ستمبر 1944)

حاشیہ مرتب

1 مکتوب بنام نواب سعدالدین شفق

میر صفیر بلگرامی اور میرزا غالب

میرزا غالب کے دوست، شناسا اور شاگرد بہت تھے، لیکن ان میں سے کم ایسے ہیں جنھوں نے میرزا سے اپنی ملاقات اور ان کی طرز بود و ماند کا ذکر تفصیل کے ساتھ لکھا ہو۔ میر فرزند احمد صفیر بلگرامی میرزا کے آخر زمانے میں ان کے شاگرد ہوئے تھے، اور سنہ 1282ھ میں دہلی جا کر ڈھائی مہینے میرزا کے مہمان رہے تھے۔ صفیر مرحوم نے اپنے تذکرے موسوم بہ 'جلوۂ خضر' میں میرزا سے اپنی ملاقات کا حال بالتفصیل درج کیا ہے، اور شعر اردو اور زبان سے متعلق میرزا نے ان کے سامنے جن خیالات کا اظہار کیا تھا انھیں بھی قلم بند کر دیا ہے۔ اس تذکرے کے حصۂ اوّل کی پہلی جلد سنہ 1302ھ میں شائع ہوئی، اور دوسری سنہ 1307ھ میں۔ میرزا کے حالات جلد اول میں صفحہ 218 سے 228 تک درج ہیں۔ میرزا کے خیالات مومن خاں کے حالات کے ذیل میں نقل کیے ہیں، جو (جلد اوّل ص 235 تا 240)۔ دوسری جلد میں پانچ خطوط ہیں جو میرزا نے صفیر مرحوم کو لکھے تھے۔ اس جلد میں اپنے حالات کے ضمن میں قیام دہلی اور میرزا کی اصلاح کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''میں نے حضرت غالب کی ملازمت اور شاگردی کی کیفیت جلد اوّل... میں لکھ دی ہے؛ اب دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا لکھنا ضرور ہے کہ سنہ 1282ھ میں محرم کے مہینے میں حضرت کی ملازمت کے لیے دہلی گیا، اور دو ڈھائی مہینے حاضر رہ کر بہت کچھ فائدہ، اٹھایا... اصلاح کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت شاگرد کا کلام خود اپنی چشم مبارک سے دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے اصلاح دیتے تھے، چنانچہ رسالہ فیض صفیر... حضرت نے کئی روزوں میں خود اپنی آنکھ سے ملاحظہ فرمایا اور جابجا اصلاح دی اور اس کی تقریظ لکھی جو عود

ہندی میں چھپی ہے اور کلام فارسی و اردو کی اصلاح بھی اکثر ہوا کی ہے۔"

میر صفیر مرحوم کے بیان میں بعض باتیں محل نظر معلوم ہوتی ہیں:

(1) میرزا کا دبیر کو بے مثال قرار دینا اور انیس کا ذکر تک نہ کرنا۔

(2) میرزا کی عذا۔ اس کے متعلق حالی اور صفیر کے بیان میں بہت فرق ہے—

(3) فارسی شاعری کی مختلف طرزوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ لفظ بہ لفظ میرزا کے ایک خط سے ماخوذ ہے جو 'اردوئے معلیٰ' میں موجود ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ بجنسہ انھیں الفاظ میں خیالات کا اظہار دوبارہ کیا گیا، اور جو باتیں خط کی تحریر کے وقت یاد نہ آئی تھیں وہ تقریر کے وقت بھی فراموش رہیں۔ مثلاً ناسخ و آتش کے اشعار:

(4) میر صفیر مرحوم ناسخ کے شاگرد کے شاگرد تھے، لیکن ناسخ سے جو عقیدت انھیں تھی وہ ان سے براہِ راست مستفید ہونے والوں میں بھی کسی کو نہ ہوگی۔ جب وہ ناسخ کے متعلق کچھ لکھتے ہیں، تو قصیدے کا انداز آجاتا ہے۔ اس لیے یہ بخوبی ممکن ہے کہ لاشعوری طور پر ناسخ کے متعلق کچھ ایسی باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہوں، جو دراصل غالب کی بہ نسبت خود ان کے ذاتی خیالات سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں۔ اب میر صفیر مرحوم کا بیان ملاحظہ کیجیے—

سنہ 1280 ہجری میں بندہ سید فرزند احمد صفیر اپنی دوسری شادی کے واسطے بلگرام گیا، اور بعد شادی کے اپنے نانا حضرت صاحب عالم صاحب سجادہ نشین مارہرہ ضلع ایٹہ کی خدمت میں حاضر ہوا، رستے میں فرخ آباد پڑا، وہاں جناب ڈپٹی کلب حسین خان بہادر شاہ سے ملاقات کا لطف اٹھایا۔ جب مارہرے پہنچا اور نانا صاحب کی خدمت سے فیض یاب ہوا، وہاں حضرت غالب کا چرچا اور ان کا ذکر بہت پایا۔ نانا صاحب سے اور ان سے ایک ربط خاص تھا، مگر لطف یہ ہے کہ ملاقات کی نوبت عمر بھر نہ آئی میں نے خواہش کی کہ حضرت غالب کا شاگرد ہوں اور ایک عریضہ مع دو غزل فارسی اور دو غزل ہندی کے مارہرے سے روانہ کیا حضرت غالب نے اس کے آٹھویں دن ایک جلد مثنوی ابر گہر بار اور جواب میرے خط کا مجھے بھیجا۔ میں نے ایک مخمس قدسی کی غزل پر بہ فرمائش تفضل حسین خاں (جنھوں نے نعت کہنے والوں کا تذکرہ جمع کیا تھا) لکھا تھا اس کو حضرت غالب کے پاس اصلاح کے لیے بھیج کر بلگرام آیا اور وہاں سے

آرے پہنچا، حضرت غالب نے اس مخمس پر ایک جگہ مقطع میں اصلاح دے کر بھیج دیا۔ جب میں نے 'بوستانِ خیال' کو اردو کر کے اس کی ایک جلد مطبع عظیم المطابع پٹنہ میں چھپوائی، اور اس کا اشتہار بذریعہ اودھ اخبار مشتہر ہوا۔ حضرت غالب نے ایک خط مع اس کی قیمت کے میرے پاس بھیجا، میں نے ایک جلد بھیج دی۔ اس وقت سے خط و کتابت رہی، یہاں تک کہ حضرت کے اشتیاق نے سنہ 1282ھ میں بے اختیار مجھے آرے سے دہلی چلنے کی تحریک کی اور بے شان گمان مارہرے پہنچا اور وہاں سے اپنے منجھلے ماموں حضرت شاہ عالم کے ساتھ مع چند ملازموں کے روانہ دہلی ہوا۔ آموں کا موسم تھا نانا صاحب نے اپنے باغ کے آم ایک ٹوکرا بھر کے قریب دو ہزار کے میرے ساتھ کر دیے۔ میں علی گڑھ سے دہلی روانہ ہوا۔ دس بجے شب کو دہلی پہنچا۔ شب جمنا پار لال قلعے کے نیچے بسر کی، صبح کو جامع مسجد کو باہر سے دیکھتا ہوا محلہ بلی ماران میں حضرت غالب کے پاس پہنچا۔ حضرت برآمدے میں بیٹھے کلی پی رہے تھے، ماموں صاحب بھی حاضر ہوئے، دیکھ کر بشاش ہو گئے، اس کے بعد میں سامنے موجود ہوا پوچھا یہ کون ہیں عرض کیا صفیر۔ ماموں صاحب نے کہا میرا بھانجا۔ بولے ذرا ٹھہر جائیے۔ یہ کہہ کر بدقت ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر اٹھے اور بغل گیر ہوئے، اور برآمدے سے اندر آ کر بیٹھے، گرمی کے دن تھے، صفر کا مہینہ تھا۔ حضرت کا لباس اس وقت یہ تھا، پاجامہ سیاہ بوٹے دار دریس کا، کلی دار نیفہ سرخ ٹرل کا، بدن میں مرزائی، سر کھلا ہوا، رنگ سرخ سفید، منہ پر داڑھی دو انگل کی، آنکھیں بڑی، کان بڑے، قد لمبا، ولایتی صورت، پاؤں کی انگلیاں بہ سبب کثرت شرب کے موٹی ہو کر اینٹھ گئی تھیں، اور یہی سبب تھا کہ کان کی سماعت میں کچھ ثقل آ چلا تھا—

الغرض اندر آ کر بیٹھے، بعد مزاج پرسی کے نانا صاحب کو بہت پوچھا اور کہا افسوس کوئی سبب ایسا نہیں ہوتا جو حضرت کی ملازمت کروں، اتنے میں نواب ضیاء الدین خان بھی تشریف لائے، حضرت نے مجھے ان سے ملایا۔ وہ بھی وجیہ آدمی رئیسوں کی وضع پر تھے، کرتا پہنے خلطہ دار پاجامہ، سر پر ٹوپی، جریب ہاتھ میں بعد اس کے حضرت نے ان سے میرا حال کہا اور فرمایا یہ میری ملاقات کو آرے سے آئے ہیں، اس کے بعد کچھ ان سے سرگوشی ہوئی۔ جب وہ اٹھ گئے اور دوپہر قریب ہوتی تو حضرت اٹھے اور مجھے اور میرے ماموں کو اپنا تمام مکان دکھایا۔ ہر جگہ کا نشان دیتے جاتے تھے کہ یہ مقام فلاں کام کے لیے اور یہ فلاں کام کے واسطے، آخر زینے کے

پاس آئے اور چھت پر چلے ہم لوگ بھی ساتھ تھے اوپر جا کر دیکھا تو بہت بڑی چھت تھی اور اس کے کونے پر ایک کمرہ گلی کے رخ بنا ہوا تھا، لطیفہ۔ فرمایا میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہاں آدھی رات تک دھوپ رہتی ہے یہ کہہ کر ہنسے اور بولے آپ سمجھے، میں نے کہا سمجھا، یعنی گرمی کے دن ہیں دہلی کی گرمی اور تمازت آفتاب سے در و دیوار اس قدر جلتے ہیں کہ آدھی رات تک ان کی گرمی فرو ہوتی ہے، الغرض پھر کوٹھے کے نیچے آئے اور فرمایا اس مکان کے دکھانے سے میرا مطلب یہ تھا کہ میرے مکان میں گنجائش نہیں اور آپ مہمان عزیز ہیں، اس لیے ضیاء الدین خان صاحب کا مکان جو جامع مسجد کے قریب ہے، آپ کے واسطے تجویز ہوا ہے، گو تھوڑا سا دور ہے مگر آرام بہت ملے گا۔ میں نے عرض کی مجھے حضوری ضروری ہے فرمایا کچھ ایسا دور نہیں ہے، یہ کہہ کر اپنے ایک رفیق کو بلایا اور میرے ساتھ کیا، اس مکان میں پہنچے، وہ مکان عالی شان تھا ایک بڑا پھاٹک بر سر سڑک تھا، جس پر ایک بنگلہ خوش نما بنا ہوا اس کے اندر ایک خانہ باغ تر و تازہ، اس کے بعد ایک ایوان عالی شان فرش و فروش سے آراستہ سجا سجایا، اس کی پشت پر محل سرا دونوں بغلوں میں کمرے، غرض بہت خوش آب و ہوا مکان ملا، ہم سب 6 آدمی تھے، اس مکان کے ایک کونے میں سما گئے۔ الغرض ابھی اچھی طرح سے بیٹھے بھی نہ تھے کہ پانچ خوان جن پر خوان پوش خوشنما پڑے تھے انھیں رفیق کے ساتھ آئے، معلوم ہوا کھانا ہے اور ایک خوان میں خوش رنگ وخوش بو تخمی آم تھے میں نے خیال کیا کہ جب یہ آم خود ایسے ہیں پھر میرے ساتھ کے آم بھیجنے کے قابل کب ہیں۔ الغرض کھانا کھایا بہت مزے دار اور خوش گوار تھا، قورمہ، قلیہ، شیر مال، پلاؤ، زردہ، شیر برنج، متنجن، کباب، پراٹھا سب کچھ تھا، بعد کھانے کے آم جو کھانے بیٹھا، صورت حرام نظر آئے بالکل کھٹے، میں پورب کے آم کھائے ہوئے تھا، بڑی نفرت ہوگئی، اپنے ساتھ کے آم نکال کر کھائے اس سے کہیں بہتر پائے، پھر تو میں نے نصف ٹوکرا حضرت غالب کی خدمت میں بھیجا، وہاں سے تھوڑی دیر کے بعد ایک رباعی لکھ کر آئی جس کا آخر مصرع مجھے یاد ہے۔ ''کھانا نہ اسے کہ یہ پرائے ہیں آم' اور سب آم منگا لیے۔ آم کا شوق حضرت کو بہت تھا، الغرض شام کو میں پھر حاضر خدمت ہوا، آموں کی بہت تعریف کی۔ قریب مغرب میں فرودگاہ پر آیا۔ صبح کو فیض صفیر رسالہ تذکیر و تانیث کا لے کر گیا، حضرت نے خود لے کر اسے دیکھا اور بے عینک کے دیکھا اور چار روز میں تمام رسالہ دیکھ ڈالا اور بہت تعریف کی اور اس کی

تقریظ لکھ کر مجھے دی جو اس رسالے کے ساتھ چھپی ہے، اور عود ہندی میں بھی موجود ہے، ہر روز کی ملازمت سے طبیعت بہت محظوظ ہوتی رہی ہے—

ایک دن قریب دوپہر کے پلنگڑی پر بیٹھے ہوئے تھے اور میں قریب پٹی کے حاضر تھا، بولے کیوں حضرت برف کا پانی پیو گے میں نے کہا اگر کوثر کا پانی پینا ہو تو پلوایئے، ہنس کر بولے ضرور۔ اور آدمی کو پکار کر کہا کہ فلاں کوئیں سے پانی لے آؤ، میں نے کہا حضور نے برف کا پانی کہا تھا۔ فرمایا برف ہی کا ہے، غرض پانی آیا، پیا واقعی سرد تھا، فرمایا یہ ایک کنواں ہے جس کا پانی ایسا ہوتا ہے۔ ایک دن ایک صاحب نے مجھے پوچھا اور مذہب کو استفسار کیا، میرے ماموں صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا منھم، اور میری طرف اشارہ کرے فرمایا مِنّا—

ایک دن مرثیے کا ذکر آ گیا فرمانے لگے کہ میں نے بھی ایک مرثیہ شروع کیا تھا، تین بند کہہ کر دیکھا تو واسوخت ہو گیا وہ بند یہ ہیں:

مرثیۂ فرمودہ حضرت غالب

ہاں اے نفس باد سحر شعلہ فشاں ہو
اے دجلۂ خوں چشم ملائک سے رواں ہو
اے زمزمۂ قم لب عیسیٰ پہ فغاں ہو
اے ماتمیان شہ معصوم کہاں ہو
بگڑی بہت بات بنائے نہیں بنتی
اب گھر کو بغیر آگ لگانے نہیں بنتی

تاب سخن و طاقت غوغا نہیں ہم کو
ماتم میں شہ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
گھر پھونکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو
گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
یہ خرگہ نُہ پایہ جو مدت سے بجا ہے
کیا خیمۂ شبیر سے رتبہ میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا
کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زباں کا
کیسا فلک اور مہر جہاں تاب کہاں کا
ہوگا دل بیتاب کسی سوختہ جاں کا
اب قہر میں اور برق میں کچھ فرق نہیں ہے
گرتا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے

پھر فرمایا کہ واقعی یہ حق مرزا 'دبیرؔ' کا ہے، دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا، ایک دن فرمایا کہ آپ کہتے ہوں گے کہ غالب کچھ اچھی اچھی چیزیں کھاتا ہوگا اور میرے کھانے کے لیے معمولی پلاؤ، قورمہ، قلیہ، شیرمال وغیرہ بھیج دیتا ہے، آج آپ میرا کھانا دیکھیے الغرض گیارہ بجے دن کو آپ کا کھانا ایک سینی میں آیا۔ ایک دسترخوان بچھایا گیا اس پر ایک چینی کے پیالے

میں شوربا اور ایک میں بھرا ہوا گھی گرم کیا ہوا، اور ایک تانبے کی رکابی میں پاؤ بھر گوشت کی بوٹیاں اور ایک تانبے کی رکابی میں تین پھلکے روے کے۔ اور ایک رکابی تانبے کی خالی، پھر وہ رفیق آ کر بیٹھے، انھوں نے پھلکوں کے کنارے توڑ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کیے اور خالی رکابی میں رکھے، پھر ایک چمچے سے تھوڑا گھی اور شوربہ لے کر ان ٹکڑوں کو ملایا اور خوب ملا کر حلوے کی طرح بنا کر لقمے کے انداز سے ایک طرف رکابی میں رکھ دیا، اتنے میں حضرت پلنگڑی سے اترے اور دسترخوان پر آبیٹھے۔ پہلے وہ دونوں لقمے نوش جان فرمائے، اس کے بعد آدھا پیالہ شوربا اور آدھا پیالہ گھی کا پی گئے، البتہ آدھ سیر گھی سے کم نہ ہوگا بعد اس کے پھلکوں کے دو چھلکے لے کر شوربا ملا ملا کر کھائے اس پر پھر بقیہ گھی اور شوربا پی لیا اور کھا چکے۔ اور فرمایا بس میرا کھانا یہی ہے۔ شب کو پاؤ بھر بادام مقشر نمک میں تلوا کر کھالیتا ہوں—

ایک دن نواب ضیاء الدین خاں نے میری دعوت کی، بہت تکلف کا کھانا کھلایا، میں ان کھانوں کی تعریف نہیں کرسکتا، بہت دیر تک باتیں ہوا کیں، ایک دن مولوی صدرالدین صاحب آزردہ کے پاس مجھے لے گئے۔ ان کے فیض سے بھی کامیاب ہوا—

ایک دن پنکھے کے میلے میں دس روپے دے کر اپنے عزیزوں کی طرح مجھے بگھی پر بھیجا۔ وہ میلا بھی قابل دید تھا، دہلی کا میلا کیا کہنا ہے۔ میں نے دہلی کی سیر خود اختیاری بھی خوب کی۔ جامع مسجد کو دیکھا۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ تبرکات کی زیارت کی جناب امیر اور حسنین علیہم السلام کے دست مبارک کے قرآن لکھے ہوئے دیکھے۔ خط کوفی میں تھے، چوک کی سیر روز کرتا تھا۔ بازاروں میں پھرتا تھا، مگر دہلی عجب مقام ہے، جہاں کسی کو کسی سے کام نہیں، چیزوں کی خریداری کرو، دام پوچھو، چیز لو، دام دو۔ کسی نے کبھی نہ پوچھا کہ تم کون ہو، کہاں کے رہنے والے ہو، خواجہ امان صاحب مترجم بوستان خیال میری ملاقات کو چند بار تشریف لائے اور بہت تپاک سے ملے، دو مرتبہ مشاعروں میں بھی لے گئے، وہاں کی غزلیں میرے دیوان خم خانہ میں چھپی ہیں۔

غرض دہلی میں رہ کر خوب سیر کی، خوب لطف اٹھائے، آخر رمضان سنہ 1282 ہجری تک آرے چلے آئے، جب تک حضرت غالب کے ہوش و حواس درست رہے خط و کتابت جاری رہی، آخر سنہ 1285 ہجری میں انتقال فرمایا—

کلام معجز نظام ان کا فارسی اور اردو ہر جگہ موجود ہے—

مجھ سے اور حضرت غالب علیہ الرحمۃ سے ایک مرتبہ لکھنؤ اور دہلی کی زبان کے بارے میں گفتگو ہوئی اور سبب اس کا یہ ہوا کہ ان دنوں حضرت اپنے ایک رسالے کا مسودہ اردو زبان کی تحقیق میں لکھوا رہے تھے، جو میں نے اس کے صاف شدہ اجزا ہاتھ میں لے لیے۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا ہاں، اس کو دیکھو یہ ایک چیز میں نے ان دنوں بہ فرمایش ڈائرکٹر صاحب لکھی ہے، اس میں اردو کی مختصر تاریخ اور کچھ قواعد تھے، کوئی پانچ چھ جزو کا رسالہ تھا، جناب ڈائرکٹر صاحب نے مؤلف کے نانا حضرت صاحب عالم کو بھی خط لکھا تھا کہ زبان اردو کی تاریخ اور قواعد میں کوئی کتاب لکھ کر بھیج دیجیے، چنانچہ حضرت نے اس کا اہتمام میرے سپرد کیا تھا۔ مگر میں نے اس کا مسودہ درست کر کے بھیج دیا تھا، پھر خدا جانے کیا ہوا، اسی طرح حضرت غالب کو بھی لکھا تھا، وہ اسی رسالے کو لکھوا رہے تھے، الغرض اسی رسالے کو پڑھنے میں کچھ دہلی و لکھنؤ کی زبان کا ذکر آ گیا۔ فرمایا، میاں اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو زبان کو زبان کر دکھایا تو لکھنؤ نے اور لکھنؤ میں ناسخ نے، ورنہ بولنے کو کون نہیں بول لیتا، اب جس کا جی چاہے تراش خراش روز کرے، مگر میرے نزدیک وہ تراش خراش کی جگہ ہی نہیں چھوڑ گیا ہے، ہاں قواعد لکھ نہیں گیا۔ قواعد جاننے والا اس کے کلام کے مزے پاتا ہے۔ ہماری دلی ہمیشہ اس بات میں پیچھے رہی کہ مضمون کے آگے زبان کی درستی نہ کی اور مضمون میں بھی عاشقانہ کا زیادہ خیال رہا؛ مگر یاد رہے، اس مضمون میں دلی کے برابر میں کسی کو نہیں سمجھتا، پھر ہنس کر فرمانے لگے، اس زبان پر اس کے سوا اور ہوتا کیا۔ میں نے بھی ایک طرزِ خاص ایجاد کیا تھا، جس میں ہر طرح کے مضمون کو نشو و نما ہو سکتا تھا، مگر یاروں نے چلنے نہ دیا اور سچ پوچھو تو یہ ایجاد ناسخ کا ہے، میاں، جب ناسخ کا کلام دہلی میں پہنچا، جیسا تم نے ولی کے دیوان کا حال سنا ہوگا کہ دلی میں آیا تو جیسے نئی چیز پر لوگ گر پڑتے ہیں، اسی طرح اس کے کلام پر گر پڑے، اس وقت فارسی کی شاعری دہلی میں بہت چمکی تھی، مگر اردو کی مداخلت فقط بول چال میں تھی، اس کو مسلسل نظم میں جو دیکھا تو نوخیز اور فارسی داں سب اس کی تقلید پر چلنے لگے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے معلومات کے مطابق رہ سپری کی۔ مگر وہ فقط زبان کو نظم کر دیتا تھا۔ کچھ ایسی دقت نہ ہوئی، پھر بھی جتنے لوگوں نے، ادھر توجہ کی، ہر ایک کی ایک نئی طرز ہو گئی۔ مگر ناسخ کے کلام نے (جس کو علم درکار تھا اور قاعدے کے

پرتو پڑ ڈالا گیا تھا) دہلی میں آکر سب کو حیران کر دیا۔ اور قاعدے کے ساتھ مطلب کا واضح طور سے ادا ہونا، دلوں کو برانگیختہ کرنے لگا، یہاں تک کہ شعرا نے ادھر رغبت کی نگاہ سے دیکھا، اس وقت ہم تین شاعر بامذاق نام برآوردہ تھے، میں اور مومن خان اور ذوق، ذوق نے ادھر کم رغبت کی۔ کیونکہ ان کو اپنے مضمون ہی کے باندھنے میں دقت پڑتی تھی، زبان کی طرف کب خیال کر سکتے ہیں، مگر مومن خان نے خیال کیا۔ پہلے یہ شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ شاہ نصیر کی جو طرز ہے وہ معلوم ہے، مگر مومن خان نے ان کو چھوڑ کر ناسخ کے طرز پر غور کیا اور فارسی کی تراش خراش پر توجہ کی، ادھر میں نے بھی غرض ہم دونوں دہلی کے طرز زبان کو چھوڑ کر ترکیب اور بندش کی درستی میں مصروف ہوئے، مگر جب بہت کچھ کہہ گئے تو دیکھا کہ ہم دونوں کی طرز الگ الگ ہوگئی۔ اور کوئی ناسخ سے نہ ملی۔ میں نے تو میر تقی میر کا انداز اختیار کیا، اور مومن خان اپنے اسی رنگ میں رہے، خلاصہ یہ کہ دہلی کی زبان میں ہر شاعر کے کلام میں اختلاف پاؤ گے اور اختلاف کی وجہ یہی ہے کہ ناسخ نے جن قاعدوں سے زبان کو درست کیا جس کے سبب سے تمام لکھنؤ کی ایک ہی زبان ہوگئی، وہ قاعدے عام نہیں ہوئے کہ ہم تک پہنچتے، ناچار اپنی جودت طبع سے جو کچھ ہوا وہ کیا مگر یاد رہے کہ مضمون دہلی کا اور زبان لکھنؤ کی مستند ہے، ایک تمہارے بحر صاحب فرماتے ہیں:

نہاتا ہے وہ مہ دریا میں کپڑے حور دھوتی ہے

یہ معشوق کی تعریف نہیں ہوئی، بلکہ ایسا غریب معشوق ہے کہ کھڑے گھاٹ کپڑے دھلواتا ہے۔ اسی طرح شعرائے لکھنؤ کے اور چند شعر پڑھے، میں نے عرض کی کہ حضور یہ سب سچ فرمایا مگر اتنا تو خیال کیا جائے کہ شاعر کو مضمون مل جانے اور باندھنے سے کام ہے، عشق و عاشقی ان کی بلا جانے، نہ یہ حقیقی عاشق اور نہ ان کا کوئی حقیقی معشوق، ان کے خیال کو خدا نے ایسی قوت عنایت فرمائی ہے کہ دوسروں کے حالات کو اپنے وہم کے زور سے ایسا باندھ دیتے ہیں کہ ہو بہو جاتا ہے—

ایک حقیقت میں اپنے شعر کی عرض کروں، میں چھپرے میں ایک دوست کی ملاقات کو گیا، وہاں چند اشخاص اور بھی بیٹھے تھے۔ دو آدمی الگ کرسیوں پر تھے، مجھ سے لوگوں نے کہا کچھ شعر پڑھیے، میں نے چند شعر پڑھے، منجملہ ان کے ایک یہ شعر بھی پڑھا:

کس وقت سے ہم جام ہتھیلی پہ لیے ہیں
لو تھوڑی سی رنجش کو زیادہ نہیں کرتے

اس شعر پر وہ دونوں شخص جو کرسیوں پر تھے، آپس میں کہنے لگے، بھئی یہ تو رات کا بالکل واقعہ ہے، جناب پھر پڑھیے گا میں نے پھر پڑھا، ان لوگوں نے اس شعر کو لکھ لیا، اور حقیقت یہ ہے کہ نہ میں شراب پیوں، اور نہ ایسا شرابی شخص میرے پاس تھا۔ جس کے واسطے میں شراب جام میں بھر کر یہ کہتا، فقط وہم وخیال کا یہ کھیل ہے۔ حضور مطلب اس تقریر سے یہ ہے کہ شاعر کے خیال میں جو کچھ آجائے اس کو باندھ دینا چاہیے۔ کیا غریب معشوق نہیں ہوسکتا ہر ایک کا معشوق الگ ہوتا ہے۔ کسی کو گورا پسند ہے، کسی کو سانولا 'معشوق من است آنکہ بہ نزدیک تو زشت است' کا حال ہے۔ یہ سن کر حضرت غالب ہنسے اور فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہے، مگر میاں میں نے غزل گو شعرا کے لیے ایک میزان درست کی ہے، وہ یہ ہے کہ فارسی میں رودکی اور فردوسی سے لے کر خاقانی اور سنائی اور انوری وغیرہم تک ایک گروہ ہے، ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک وضع پر ہے، پھر حضرت سعدی طرزِ خاص کے موجد ہیں سعدی جامی و ہلالی، یہ اشخاص متعددہ ہیں۔ فغانی ایک شیوۂ خاص کا مبدع ہوا، خیالہائے، نازک اور معانی بلند کا۔ اس شیوے کی تکمیل کی ظہوری ونظیری وعرفی ونوعی نے سبحان اللہ قالب سخن میں جان پڑگئی۔ اس روش کو بعد اس کے صاحبان طبع نے سلاست کا پرواز دیا، صائب وکلیم وسلیم وقدسی وشفائی اس زمرے میں ہیں، رودکی واسدی وفردوسی یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی تحریر نے بہ سبب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھیریں۔ خاقانی اس کے اقران، ظہوری اس کے امثال، صائب اس کے نظائر، اب ان میں جس کی طبیعت کو حقانیت کی طرف میلان ہوگیا۔ جس کو بظاہر عشق مجازی کا زینہ آخر، اور حقیقی کا زینہ اول کہہ سکتے ہیں، ان کا کیا پوچھنا اور جو مجازی میں پورے نکلے وہ بھی قدم بقدم ٹھہرے اور ان کے بعد کے درجے والے سب حقیقی میں ہیں۔

اگرچہ شاعران نغز گفتار ز یک جام اند در بزم سخن مست
ولے با بادۂ بعضے حریفاں خمار چشم ساقی نیز پیوست

مشو منکر کہ در اشعار ایں قوم   ورائے شاعری، چیزے دگر ہست

وہ چیز دگر حصے میں پارسیوں کے آئی ہے، ہاں اردو زبان میں اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے، جیسے میر تقی میر:

بدنام ہوگئے جانے بھی دو امتحان کو
رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو

سودا: دکھلایئے لے جا کے تجھے مصر کا بازار
خواہاں نہیں لیکن کوئی واں جنس گراں کا

قائم: قائم اور تجھ سے طلب بوسے کی کیونکر مانوں
ہے تو ناداں مگر اتنا بھی بدآموز نہیں

مومن خاں: تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ناسخ کے یہاں کمتر، آتش کے یہاں بیش تر، یہ تیز نشتر ہیں مجھے کوئی ان کا شعر اس وقت یاد نہیں، میں نے التماس کیا کہ میں ان لوگوں کے شعر عرض کروں، فرمایا، ہاں پڑھو:

ناسخ: یہی کہتا ہے جلوہ میرے بت کا
کہ اک ذات خدا ہے، اور میں ہوں
جن کی رفتار کے مائل ہیں ہم
وہی آنکھوں میں پھرا کرتے ہیں
رکھو کسی طرح تو سروکار مہربان
کرتے رہو جفا ہی، وفا گر نہ ہوسکے
مر چلا ہوں اُمید واری میں
ایسے ہاں سے وہ کرتے کاش نہیں

یہ شعر سن کر حضرت غالب نے فرمایا 'ہاں' ان میں بعض نشتر ہیں، پھر میں نے آتش کے شعر پڑھے:

آتش: آئے بھی لوگ بیٹھے بھی، اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا
دم آخر بھی بالیں پر مرے ہمراہ یار آئے
رقیبوں نے محل رکھا نہ باقی عذر خواہی کا
اس بلائے جاں سے آتش دیکھیے کیوں کر بنے
دل سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خوئے دوست
سجدۂ شکر خدایا میں کیے رکھتا ہوں
قدم یار پہ ہے سر کو جھکانا شب وصل

یہ شعر سن کر فرمایا، ان میں بھی بعض۔

(رسالہ اردو، جنوری 1938)

غالب کے خطوط صفیر بلگرامی کے نام

صفیر بلگرامی (1249 تا 1307ھ) غالب کے دوست، صاحب عالم مارہروی کے حقیقی نواسے تھے۔ ان کی شعر گوئی کا آغاز تو زمانۂ طفلی ہی میں ہو چکا تھا، اور غالب سے تعلق پیدا ہونے کے قبل تین چار استادوں سے اپنے کلام پر اصلاح لے چکے تھے لیکن، جب 1280ھ میں ان کا مارہرہ جانا ہوا تو وہاں انھوں نے ''غالب کا چرچا اور ان کا ذکر بہت پایا۔'' انھیں بھی خواہش ہوئی کہ میں غالب کا شاگرد بنوں اور انھوں نے ایک فارسی خط جس میں غالب سے استدعا کی گئی تھی کہ مجھے حلقۂ تلامذہ میں داخل کیجیے۔ کچھ فارسی اردو کلام کے ساتھ مارہرہ سے غالب کی خدمت میں بھیجا۔ خط مذکور کے کچھ عبارات یہ ہیں:

''در آب وگل ایں بیدل کہ نمک مذاق ریختہ اند... از بدو شعور ہم بہ ارث آبائی وہم بہ ہنجار طبع آزمائی با غزل سرائی سرے دارد۔ لہٰذا ایں شاہد یست شوخ وشنگ کہ در کنار کساں بمشکل جا گرم میکند نہ کہ چون من ناکس ہوش در سر دارد۔ ما این ہم خوبیِ تقدیر اوست چہ کند، مجبوراست کہ افسونے چند از کلام بزرگاں خصوصاً جناب غالب معجز بیاں یاد دارم۔ بہ ہزار حیلہ تالبِ آغوش بیاں مے آرم۔ زیادہ ازیں عرصۂ مجال تنگ وحوصلہ فراخ ہنوز در کنار گرفتن باقیست وحصول ایں مدعا دشوار تا کہ رشک نظیری وکلیم وغیرت صائب وسلیم ظہوری ہنجار نظامی کردار نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ متخلص بہ غالب... افسونے تازہ نہ برانگیزد وبہ رہنمائی ایں نابلد... نہ برخیزد... بنا بر اظہار بے استطاعتی خود غزلے چند فارسی و اردو مے رسد بامعان نظر دیدہ ایں انگارہ را از رنگ اصلاح جلوۂ تازہ دادہ شود وبعد ازیں

ایں گمنام در زمرۂ مستفیداں نگاشتہ آید کہ سر افتخارم بر فلک ساید۔''

(جلوۂ خضر ص 227)

اس خط کے ساتھ صفیر کے نانا صاحب نے جو سفارشی نظم و نثر کہی تھی درج ذیل ہے:

''صاحب عالم اغفر اللہ الاعظم سلام و دعا با آرزو مند یہائے بے حد و انتہا مے

رساند و ایں دو بیت حالیہ میخواند:

اے لعل ز اشعار تو شرمندہ گہر ہم　　مشتاق تو اربابِ دول اہل ہنر ہم

لخت جگرم را کہ صفیر است تخلص　　خواہد ز تو فیض سخن آں لختِ جگر ہم''

غالب نے اس کے جواب میں ایک خط لکھا اور اپنی مثنوی ابر گہر بار بھیجی۔ خط جو بہ تاریخ دہم ذی الحجہ 1280ھ مارہرہ میں ورود ہوا تھا یہ ہے:

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔ مجھ کو حضرت برجیس فطرت جناب حضرت صاحب عالم سے نسبت اُویسی ہے۔ غائبانِ حاضر کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے۔ آپ کی طرزِ نگارش نظماً و نثراً درخشندگی جو ہر طبع سے خبر دیتی ہے۔[1] اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش خدمت کیوں نہ بجالاؤں؟ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں۔ [مجموع ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پاتا نثر۔ ناظم] یہ جو ایں نظم و نثر میں ہے اس کو عرض کرتا ہوں۔ بسر[2] در آوردن مخلِ معنیٰ، در آوردن کافی، شور در سر[3] انگیختن ٹکسال باہر۔ از سر انگیختن مناسب، نہ برانگیزد و نہ برخیزد فارسی ہند، برنخیزد و نینگیزد فارسی عجم۔ بر لفظ زائد اور نو معنی نفی، لفظ زائد ماقبل کلمہ چاہیے۔ نالہ ہا کہ از دل سر[4] بر زدہ اند، یعنی چہ؟ غیر ذوی الروح بلکہ غیر ذوی العقول کی جمع کی خبر بصیغۂ مفرد رسم ہے۔ پریستاں اصل لغت، مخفف اس کا پرستاں، پری استھاں تو ہم محض، مگر یہ بھی یاد رہ کہ آدم الشعرا رودگی (کذا) سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں تک کسی کے کلام میں پریستان یا پرستان دیکھا نہیں۔

---

1. جلوہ 3، ص 229
2. صفیر کے فارسی خط میں ہے ''مرا بمعرض پابوسی بزرگان بسر در آورد'' جلوہ 3، ص 236
3. ''شور سودا از سر برانگیختہ'' جلوہ 2، ص 227
4. نالہ ہائے چند کہ از دل غم پیوند سر زدہ اند'' جلوہ 3، ص 227

حضرت صاحب قبلہ کی جناب میں میرا سلام عرض کیجیے اور کہیے کہ آپ کا عطوفت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب کا مودت نامہ پہنچا۔ دونوں نگارشیں جواب طلب نہ تھیں۔ کل میں نے ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل جس کا عنوان سید فرزند احمد صاحب کے نام کا ہے۔ ارسال کیا ہے۔ آپ بھی بہ نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا۔ ہاں، پیر و مرشد، فارسی کے کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں، بہ قول انشاء اللہ خاں ''یہ میری عمر بھر کی پونجی ہے۔''

جناب سید فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کے اخوان کو اور حضرت مقبول حاتم کو میرا سلام کہیے گا اور جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر یہ فرمایئے گا کہ وہ اپنے عم نام دار اور استاد عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمت تبلیغ سلام و پیام تقدیم خدمت اصلاح کا دست مزد ہے۔ والسلام، نجات کا طالب، غالب، یوم الخمیس ذی الحجہ و 12 مئی سال حال۔''[5]

صفیر نے اپنے خط کے ساتھ جو کلام اصلاح کے لیے بھیجا تھا، اس میں غالب نے حسبِ ذیل ترمیم کی تھی:

(1) خیال روئے تو اے قبلۂ نظر کردم — زدیدنت نظر خویش بہرہ ور کردم
(2) بلند شد شب ہجراں چو شعلۂ آہم — چراغ ماہ خمش گشتہ بود برکردم

شعر نمبر 1 میں غالب نے 'روئے تو اے' کی جگہ 'روئے ترا' بنا دیا تھا اور شعر نمبر 2 کے مصرع 2 کو اس طرح بدل دیا تھا: ''چراغ مہ بہ فلک مردہ بود بر کردم۔''

صفیر نے مثنوی ابر گہربار کے شکریے میں ایک فارسی مثنوی 'صبح امید' غالب کو بھیجی، غالب نے اُسے اصلاح سے مزین کیا اور خط ذیل صفیر کے نام لکھا:

''مخدوم زادۂ مرتضوی دودماں سعادت و اقبال توانا مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالب کی دعا پہنچے۔ میں نے استصلاح اشعار میں امتثال امر کیا ہے تو اس واقعے کو یوں سمجھ لیا ہے کہ میں امیرالمومنین کا بوڑھا غلام ہوں، امیر نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحب زادہ میرے سپرد کیا ہے (اور حکم دیا ہے) کہ تو اس کے کلام کو دیکھ لیا کر، ورنہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں؟ (اپنے نانا صاحب کی خدمت میں فقیر کی بندگی عرض کیجیے گا، اگرچہ حضرت

---

[5] یہ صفیر کے خط کا جواب ہے۔

میرے ہم عصر ہیں، مگر ان کے ابو آبا کا غلام ہوکر سلام کیا لکھوں؟ مجھ کو ارادت میں ان سے نسبت اُویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنوی نسبت میں چاہیے۔ نجات کا طالب) غالب (یوم الخمیس پنجم ذی الحجہ 1278 ہجری)۔"[٦]

اصلاحات اشعار مثنوی صبح امید:

(1) صباحے کہ مست وے اند اہلِ ہوش بدنبال اور خور صبوحی بدوش

(2) چہ ابرے کہ ازوے شب زلف ماہ ز صبح بنا گوش شد پردہ خواہ

(3) نویسد ہم او در ہما مثنوی بہ ہنجار جادو بیان قوی

شعر 1 میں 'بدوش' کی جگہ 'فروش'، شعر 2 میں کہ: ماہ کی جگہ 'کز وروز گیسو سیاہ' اور پردہ خواہ کی جگہ 'باج خواہ' اور شعر 3 کا مصرع 3 اس طرح: زبانش پراز منطق پہلوی۔

غالب کا تیسرا خط:

نور چشم لختِ جگر زبدۂ اولاد پیغمبر حضرت مولوی سید فرزند احمد [صاحب] زاد مجدہٗ، اس درویش گوشہ نشیں کی دعا قبول فرمائیں۔ بوستانِ خیال کے ترجمے کا عزم اور دو جلدوں کا منطبع ہوجانا مبارک۔ حضرت یہ آپ کا احسانِ عظیم ہے۔ مجھ پر خصوصاً اور بالغ نظران ہند پر عموماً۔ (جناب میر ولایت علی[٧] صاحب سے بعد ارسال قیمت ومحصول دو جلدیں مانگی ہیں۔ خدا کرے وہ یہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقم تمہارے پاس بعد) غالب۔ ذی قعدہ 1281 ہجری۔

چوتھا خط:

"بہ علاقۂ مہر ومحبت نورچشم وسرورِ دل و بہ رعایت سیادت مخدوم ومطاع مولوی سید فرزند احمد طال بقاوہ وزاد علاوہ اس مصرع سے میرا مکنون ضمیر دریافت فرماویں: بندہ شاہ[٨] شمائیم وثنا

---

[٦] یہ سنہ صریحاً غلط ہے، مراسلت کا آغاز 1280ھ میں ہوا ہے۔ اگر یہ خط 1280ھ کا سمجھا جائے جو قرینِ قیاس ہے تو تاریخ صحیح نہیں، اس لیے کہ پہلا خط ذی الحجہ کی دسویں کو مارہرہ پہنچا تھا، یہ دوسرا ہے۔

[٧] میر ولایت علی اس مطبع کے منتظم تھے جس میں بوستانِ خیال کا ترجمہ طبع ہوا تھا۔ ان کے نام کا ایک خط میں نے رشحاتِ صفیر سے لے کر آثارِ غالب میں درج کیا ہے۔ اس کا لفافہ اب تک کتب خانہ مشرقیہ پٹنہ میں موجود ہے۔

[٨] یہ مصرع حافظ کا ہے۔

خوانِ شما [یارب، وہ کون بزرگ ہیں کہ سودائی کو معمائی سمجھتے ہیں؟ اصل فطرت[9] میں میرا ذہن تاریخ و معما کے ملائم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع گنتی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں۔ وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں۔ تاریخیں اگر ہیں تو مادّے اوروں کے ہیں اور نظم فقیر کی ہے۔ یہ کلام نہ بہ طریق کسرِ نفس ہے نہ بسبیلِ اغراق، سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں۔ اس نامۂ مہر افزا کو دیکھ کر مبادی پرستانِ خیال کی عبارت یاد آئی۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت تک آپ نے نہیں سنے تھے، ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں؟ محمد رضا، برق کا خطاب معلوم تھا تو آپ نے لکھا ہے، حکایت ہے شکایت نہیں.....) پہلی جلد جس کا نام افق الخیال ہے اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید رہے کہ جب اس کا چھاپا تمام ہو بے طلب بھیج دیں اور معاً قیمت لکھ بھیجیں۔ (......) اشعار گہر بار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا، سب اچھے ہیں مگر جو میرے دل میں اتر گئے ہیں وہ تم کو لکھتا ہوں:

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

(کیوں حضرت؟ ابھی کچھ کی تحتانی[10] کا دبنا غیر فصیح نہیں؟ کچھ ابھی بات کر نہیں آتی، کیا اس کا نعم البدل نہیں؟)

ورق ہیں جوششِ مضمون گریہ سے بادل بہ سان ژالہ ہے ہر نقطۂ کتاب میں اب

درِّ قائل:

کبھی ہوں گرم کبھی سرد حسبِ موقع و وقت صفیر آگ میں ہوں آگ اور آب میں اب

---

9 اس کے متعلق صفیر نے حاشیے میں لکھا ہے: "... بندہ صفیر نے حضرت غالب کو لکھا تھا کہ پٹنہ کے لوگ آپ کے معما اور چیستان کے مشتاق ہیں کہ ان لوگوں نے آپ کو معمے میں کامل سنا ہے..." غالب کے معمے کلیات کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں، لیکن قلمی نسخوں میں ہیں جن سے تین معمے لے کر میں نے آثارِ غالب میں درج کیے ہیں۔

10 'یٰ' کے دبنے کے متعلق شعرائے ایران و ہند کے مسلک کا حال راقم کے مضمون نکاتِ سخن سے معلوم ہوگا، جو اردو ادب کے حسرت نمبر میں شائع ہوا ہے۔ خود غالب کے اشعار فارسی و اردو میں 'یٰ' بکثرت دبتی ہے:

نیست در رہروی از سایہ و سرچشمہ گزیر خامہ رہرو بود و سایہ و سرچشمہ دعاست

دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال ہوگیا گوشت سے ناخن کا جدا ہوجانا

عارفانہ وموحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ:

تم سلامت رہو قیامت تک صحت و لطفِ طبع روز افزوں

نجات کا طالب، غالب۔شنبہ ذی القعدہ 1281 ہجری)

پانچواں خط:

''نورچشم وسرورِ دل فرزانہ مرتضوی گہر مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہ، اس نسبت عام سے کہ ہم اور آپ مومن ہیں سلام، اور اس نسبت خاص سے کہ آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں۔ دعا اور اس نسبت خاص سے کہ آپ میرے خداوند کی اولاد میں سے ہیں بندگی:

میں قائل خدا و نبی و امام ہوں بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بہ سبیل ایجاز لکھا جاتا ہے: دہائی خدا کی مجھے ولایت کی اپیل کی تاب نہیں، نہ تم اپیلانٹ بنو، نہ مجھے رسپانڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ صبح بہار کی عبارت فارسی ہے اردو اور ماکتب فیہہ اس کا کیا ہے۔(نجات کا طالب) غالب، چہار شنبہ ہفتم ذی الحجہ 1281 ہجری۔

یہ پانچوں خط مرقع فیض[1] اور جلوۂ خضر جلد 2 دونوں میں ہیں، وہ عبارات جو صرف مرقع

[1] مرقع فیض جس میں صفیر اور ان کے تلامذہ کے تراجم اور منتخب اشعار ہیں 1295ھ میں طبع ہوا تھا اور اس کے سرورق پر نواب سید تجمل حسین خاں عرف سلطان مرزا المتخلص بہ سلطان شاگرد صفیر کا نام مصنف کی حیثیت سے درج تھا لیکن تنبیہ صفیر بلگرامی میں جو مرقع کا رد ہے سلطان کا ایک خط شامل ہے جس کے مکتوب الیہ ان کے والد ہیں۔ اس خط سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ کتاب سلطان نے نہیں لکھی۔ میر صفیر صاحب بلا اطلاع غلام کہ ہرگز وحاشا فدوی ازاں مطلع نیستم از تصنیف خود با دیگرے از شاگردان خود بنام غلام طبع نمود۔ نزد علام مع چند نسخۂ مرقع فیض آمدہ گفتند کہ آنچہ نوشتہ ام آنرا قبول نمایند۔ بندہ عرض کردم ... باعث بدنامی وتوہین من خواہد شد، چرا کہ کلام دیگر منسوب بخود نمایم بے حیائیت و یک نسخہ ہم ازاں باوجود اصرار شان ہرگز نزد خود نداشتم'' ص 127 تنبیہ صفیر بلگرامی ایک شخص سردار مرزا تخلص بہ آزاد کی طرف منسوب ہے۔ جناب سید وصی احمد بلگرامی نے س ش ص میں لکھا ہے کہ ''جناب سخن نے ... لکھی اور ایک فرضی شخص سردار مرزا کے نام سے شائع کی۔'' یہ بات قرین قیاس ہے کہ خود سخن اس کے مصنف ہیں، لیکن سردار مرزا ایک فرضی شخص نہیں؛ یہ سخن کے دوستوں میں تھے اور ان کا نام دیوان شخص میں آیا ہے۔ جلوۂ خضر صفیر کی تصنیف ہے۔ جلد 1 ان کی زندگی میں شائع ہوگئی تھی، جلد 2 کا حصہ 1 زیر طبع تھا کہ صفیر کا انتقال ہوگیا۔ اس کا حصہ 3 لکھا گیا تھا یا نہیں۔ اس کی خبر نہیں۔

میں ہیں، قوسین کے اندر ہیں، اور وہ جو صرف جلوہ میں ہیں قلابین کے اندر ہیں۔ اس کے علاوہ اختلافات یہ ہیں: خط 3: مرقع: نورِ نظر، جلوہ نورِ چشم، خط 5: مرقع رسپاڈنٹ، جلوہ رسپانڈنٹ۔ مرقع چہار شنبہ، جلوہ چہارشنبہ جلوہ میں کہیں کہیں خط میں عبارات کے بعد نقطے بھی ہیں، یہ بے کار ہیں یا ان سے یہ مراد ہے کہ ان کی جگہ جو الفاظ تھے وہ کسی وجہ سے درج نہیں ہوئے۔ میں نہیں کہہ سکتا صفیر نے جلوہ 1 ص 227 میں لکھا ہے کہ ''جب تک حضرت غالب کے ہوش و حواس درست رہے خط و کتابت جاری رہی۔'' لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے صفیر کی زندگی میں ان پانچ خطوں کے علاوہ کوئی خط شائع نہیں ہوا۔ ان کی وفات کے بہت بعد ان کے پوتے جناب سید وصی احمد بلگرامی نے اپنے طویل مقالے، س ش ص میں جو ندیم گیا کے بہار نمبر (بابت 1925ء) میں چھپا تھا، دو خط درج کیے جن میں سے ایک کی نسبت ان کا بیان ہے کہ صفیر نے غالب کو لکھا تھا اور دوسرا ان کے دعوے کے مطابق غالب کی طرف سے اس کا جواب ہے۔ یہ دونوں خط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

خط صفیر: ''..... (کذا) ملازمت کے وقت میں نے خواجہ فخرالدین صاحب سخن جن کا دادیہال لکھنؤ اور نانیہال دہلی میں ہے اور غدر کے سال میں بہ عمر چاردہ یا پانزدہ سالگی آرہ میں تشریف لائے اور جناب محمد ابراہیم صاحب خلف مرزا محمد صدیق صاحب کی صاحب زادی سے منسوب ہوئے اور مجھ سے تلمذ کیا اور قصہ مسمیٰ بہ سروشِ سخن جس کو ان کی رائے سے درست کرنے کا تفاق ہوا۔ سب حال آپ سے بیان کیا تھا، چونکہ اس قصے کہ چھپنا چاہیے اور لکھنؤ بھیجنا منظور نہیں، اس کے سوا حضور سے بڑھ کر کون ہے؟ اس لیے وہ قصہ بھیجتا ہوں۔ حضور اس کو میری تصنیف سمجھ کر بہ نظر تامل بنائیں کہ بڑا مقابلہ ہے [۱۲] اور طبیعت ان کی اچھی ہے۔ چنانچہ آج ہی ایک غزل میرے پاس پٹنہ اصلاح کو آئی ہے، اس کا ایک شعر میرے دل میں کھُب گیا، وہ یہ ہے:

سنبھالا ہوش تو مرنے لگے حسینوں پر   ہمیں تو موت [۱۳] ہی آئی شباب کے بدلے

[۱۲] سروشِ سخن فسانۂ عجائب کے جواب میں لکھا گیا تھا اور اس میں سرور پر اعتراض کیے گئے تھے۔

[۱۳] سخن نے غالب کی زندگی ہی میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ غالب میرے نانا ہوتے ہیں اور میں ان کا شاگرد ہوں۔ تنبیہ صفیر بلگرامی میں ہے کہ سنبھالا الخ سخن نے دہلی ہی میں کہا تھا اور غالب نے اسے سن کر

جوابِ غالب: مولوی سید فرزند احمد..... (کذا) اس پر ہفتاد سالہ کی دعا پہنچے۔ آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا کہ یہ سترواں برس مجھے جاتا ہے، ہائے:

سنین عمر کے ستر ہوئے شمار برس بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

نامۂ محبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور دل میں سرور آیا اور قصہ سروشِ سخن اس کے دوسرے دن پہنچا..... (کذا)۔ قصہ دیکھا، آپ کے جوہر [۱۴۳]طبع کی لمعانی اور تیز فکر کی درخشانی بہت جگہ پر پسند آئی، اگر چہ وہ قصہ تو بچوں کے سلانے کی کہانی ہے مگر محنت کی گئی ہے، ہاں اگر فسانۂ عجائب کا مقابلہ کیا ہے تو کیا کہوں کہ کیا کہا ہے۔ ابھی دیکھتا ہوں، آئندہ اس کی کیفیت سے اطلاع دی جائے گی... (کذا) جابجا لاچار لکھا ہے... (کذا) لا کا لگانا کاتب کی جہالت ہے... (کذا) ہائے خدا کی مار کاتبان نا ہنجار پر، میرا دیوان اور پنج آہنگ اور مہر نیم روز ستیاناس کر کے چھوڑ دیا... (کذا) لو بس اب میں نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں، تمھارے خط کے جواب نے اتنی دیر تک ان کو چپکا بٹھا رکھا، اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں... (کذا)۔''

جناب سید وصی احمد لکھتے ہیں کہ ''حضرت غالب کے شعر کا جواب صفیر بلگرامی نے یہ بھیجا:

سنا صفیر یہ کہتے ہیں حضرتِ غالب بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس
مگر یہ پہلے سے اعداءِ غین کی ہے دعا خدا کرے مرا غالب جئے ہزار برس''

میں نے نادر خطوط غالب کے تبصرے میں جو 'معاصر' پٹنہ میں شائع ہوا تھا، موصوف سے دریافت کیا تھا کہ صفیر و غالب کے خط انھیں کہاں ملے، لیکن، انھوں نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ یہ دونوں خط میری رائے میں جعلی ہیں اور جعل سازی کی غرض یہ ثابت کرنا ہے کہ سخن صفیر کے شاگرد تھے۔ سخن کو اس سے انکار ہی نہیں تھا، وہ اس کے مدعی تھے کہ خود صفیر کو ان سے تلمذ ہے

انھیں گلے لگا لیا تھا اور آب دیدہ ہو کر کہا تھا، میری جان، ایسا شعر نہ کہا کرو، ابھی تو تم نے ہوش بھی نہیں سنبھالا دنیا میں کیا دیکھا بھالا، دیکھو عارف ایسے ہی لختِ جگر اُگل کر دنیا سے ناشاد گیا۔ تم بھی زندگی سے بیزار ہو۔ الغرض نہایت خفا ہوئے اور تاکید کی کہ خبردار، اب جو سنوں گا کہ ایسا شعر کہا ہے تو سید، تیری جان اور اپنے ایمان کی قسم صورت سے بیزار ہو جاؤں گا۔'' ص 82

[۱۴۳] اس سے یہ ثابت کرنا مد نظر ہے کہ کتاب صفیر کی لکھی ہوئی ہے۔

(تنبیہ صفیر بلگرامی ص 88) اس موقعے پر میں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کہ صفیر و سخن میں سے کس کا دعویٰ صحیح ہے، اور خطوط زیر بحث کو جعلی قرار دینے کی وجہ بیان کرنے پر قناعت کروں گا:

صفیر کے خط میں دہلی جانے اور وہاں غالب سے سخن کے متعلق گفتگو آنے کا ذکر ہے۔ صفیر اوائل 1282ھ میں دہلی گئے ہیں۔ (جلوہ 1 ص 222) اور وہاں دو ڈھائی مہینے ٹھہرے ہیں (جلوہ 3 ص 239)، اس سے لازم آتا ہے کہ خط دہلی سے واپسی کے بعد کا ہو، غالب کے خط میں جوان کی عمر کا ذکر ہے، اس کا زمانہ تحریر 1282ھ ثابت ہوتا ہے، لیکن سروش سخن (قطعات تاریخ طبع اور تاریخ دتا سی جلد 2 ص 171) 1281ھ ہی میں لکھنؤ کے مطبع نول کشور نے چھاپ کر شائع کر دیا تھا۔ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ یہ خط اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ جعل کسی ایسے شخص نے بنایا ہے جو سروشِ سخن طبع اوّل کے سال انطباع سے ناواقف ہے اور اس بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے ذمے دار صفیر نہیں۔ یہ مستبعد ہے کہ وہ اسے نہ جانتے ہوں۔[1]

غالب نے صفیر کے رسالۂ تذکیر و تانیث کے لیے ایک دیباچہ لکھا تھا جو عود ہندی اور اس رسالے کی اشاعت 1 میں موجود ہے۔ صفیر جلوہ 1 ص 224 میں اسے تقریظ کہتے ہیں اور اس کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ میرے دوران قیام دہلی میں غالب نے رسالہ دیکھا، بہت تعریف کی اور تقریظ لکھ کر دی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریظ یا دیباچہ اوائل 83ھ میں حوالۂ قلم ہوا، لیکن علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں غالب کا ایک خط جس کے مکتوب الیہ صاحب مارہروی ہیں، شائع ہوا ہے، اس میں مرقوم ہے کہ ''دیباچے کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ ... مولوی سید فرزند احمد کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں۔'' ص 97۔ یہ خط 26 اگست 1866 کا لکھا ہوا ہے جو ربیع الثانی 1383 کے مطابق پڑتی ہے۔

آجکل، سالنامہ: اگست 1952

حواشی مرتب

1 قاضی صاحب اس جعل کا ذمہ دار صفیر بلگرامی کو نہیں سمجھتے تھے لیکن بعد میں انھیں صفیر کا چھپوایا ہوا ایک رسالہ ملا جس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس خط سے صفیر واقف تھے۔ ملاحظہ ہو مضمون 'غالب اور بہار'

غالب اور بہار

غالبؔ کلکتہ جاتے ہوئے، صوبہ بہار سے گذرے تھے، ایک قطعے میں جو قریب بہ یقین ہے کہ اقامت کلکتہ کے دوران میں کہا گیا تھا، غالب کا سوال اور 'ساقی بزم آگہی' کا جواب ہے:

"گفتمش چون بود عظیم آباد — گفت رنگین تر از فضای چمن
گفتمش سلسبیل خوش باشد — گفت خوشتر نباشد از سوہن[1]"

سوال کی طرح جواب بھی غالب ہی کے ہیں، اور عظیم آباد کو 'رنگین تر از فضای چمن' کہنے کے لیے کسی نہ کسی حد تک اس شہر کی سیر ضروری ہے۔ غالب یا ان کے کسی معاصر نے یہ نہیں لکھا کہ عظیم آباد میں کسی سے ملاقات ہوئی تھی یا نہیں، اور خود اس شہر میں کوئی روایت ان کے ورود پٹنہ کے متعلق سنی نہیں گئی۔ غالب کلکتہ میں کم و بیش ڈیڑھ سال رہے، نواب علی اکبر خاں طباطبائی متولی امام باڑہ ہگلی سے جو مصنف 'سیر المتاخرین' کے بھتیجے تھے، ان کے تعلقات رہے اور وہ کئی بار ہگلی گئے۔ انھوں نے ان کی جتنی مدح کی ہے، کم امرا کی کی ہے، ان کے نام غالب کے فارسی خطوط بھی موجود ہیں اور یہ ثابت ہے کہ 'باد مخالف' جس کا اصلی نام 'آشتی نامہ' تھا، ان کی تحریک سے لکھی گئی تھی۔ نواب علی اکبر خاں طباطبائی کے داماد مہدی علی خاں، مہدی کا ذکر غالب کے بعض خطوط میں آتا ہے، اور مہدی کے دیوان اردو سے جو کتب خانۂ خدابخش میں ہے، غالب اگر نہیں، تو غالب کے بعض احباب کلکتہ سے ان کے تعلقات کا پتہ ملتا ہے۔ غالب نے عود ہندی کے ایک خط میں لکھا ہے کہ باد مخالف کا ایک نسخہ کرم حسین بلگرامی، عبدالقادر رامپوری اور نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے 'امثال و نظائر' کو بھیجا تھا۔ غالب کہتے ہیں کہ یہ لوگ 'ہمہ عالم' کو جو اس مثنوی میں ہے غلط سمجھتے تو "میری کھال ادھیڑ ڈالتے"، ممکن ہے

---

1. دریاے سون

ان اصحاب یعنی طباطبائی، مہدی اور نعمت علی کے علاوہ اور عظیم آبادیوں سے بھی کلکتہ میں ملنا ہوا ہو، اور ان کی عظیم آباد کی راہ سے دہلی واپسی کے وقت، ان میں سے کوئی یہاں موجود ہو، یا کلکتہ سے یہاں کے بعض اصحاب کو لکھا گیا ہو کہ وہ غالب کی آؤ بھگت کریں۔

صفیر بلگرامی صوبۂ بہار سے باہر پیدا ہوئے، لیکن بہت کم عمری میں یہاں آگئے تھے، یہ غالب کے شاگرد ہوئے اور دہلی جا کر ان کے مہمان رہے۔ اس کا حال صفیر نے 'جلوۂ خضر' میں لکھا ہے۔ لیکن، جیسا کہ میں اپنے ایک مضمون میں دکھا چکا ہو، اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو قبول نہیں کی جاسکتیں۔ غالب نے ان کی ایک کتاب متعلق تذکیر و تانیث پر دیباچہ یا تقریظ لکھی تھی، یہ موجود ہے۔ صفیر کے نام غالب کے متعدد خطوط جلوۂ خضر اور (غالبًا) مرقع فیض میں ہیں۔ جناب سید وصی احمد بلگرامی نے اپنے مضمون س ش ص میں صفیر کا خط اور غالب کا جواب پیش کیا تھا، ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سروش سخن جو سخن کی طرف منسوب ہے، دراصل صفیر کی کتاب ہے، یا اس میں اتنی اصلاح ہے کہ گویا خود ان کی تصنیف ہوگئی ہے۔ میں نے اپنے ایک مضمون 1 میں لکھا تھا کہ یہ دونوں خط جعلی ہیں، خط جس زمانے میں مسودۂ کتاب کے دہلی پہنچنے پر شعر ہیں، اس سے قبل ہی یہ کتاب طبع ہو چکی تھی۔ میرا خیال تھا کہ جعل کسی اور شخص کا بنایا ہوا ہے، لیکن جناب سید وصی احمد بلگرامی کے پاس صفیر کا چھپوایا ہوا ایک رسالہ موجود ہے، جس میں یہ اور دوسرے خطوط شامل ہیں۔ صفیر نے 'بوستانِ خیال' کے بعض اجزا کا ترجمہ کیا تھا۔ غالب نے میر ولایت علی مہتمم عظیم المطابع پٹنہ کو لکھا تھا کہ انھیں بھیج دیں۔ خط (غالبًا) رشحات صفیر میں ہے، اور اس کا لفافہ کتب خانہ خدا بخش میں موجود ہے۔

فخر الدین حسین سخن دہلی و لکھنؤ سے تعلق رکھتے تھے اور یہ مشہور اردو شاعر خواجہ حسن کے بھائی خواجہ حسین کی اولاد سے تھے (تلامذۂ غالب ص 147 میں خواجہ حسین مودودی لکھاری لکھا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ لکھاری سندھ کا ایک قصبہ ہے، یہ غلط محض ہے، اس کی جگہ 'مکھاری' چاہیے)۔ یہ عنفوان شباب میں بہار آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ غالب کی زندگی میں انھوں نے ان کے نواسے اور شاگرد ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور 'ہنگامۂ دل آشوب' میں ان کے قطعات غالب کی حمایت میں ہیں۔ یہ کتاب غالب کے دوران حیات ہی میں چھپی تھی۔ دیوان سخن میں جو غالب کی موت کے بعد شائع ہوا، ایک تقریظ یا دیباچہ غالب کی طرف منسوب ہے، تنبیہ صفیر بلگرامی

میں بھی جو قریب بہ یقین ہے کہ خود سخن کی لکھی ہوئی ہے، لیکن ایک دوسرے شخص کے نام سے ہے، غالب کے استاد سخن ہونے کا ذکر ہے۔ ابوالکلام آزاد کا بیان ہے کسی زمانے میں انھوں نے غالب کے خطوطِ بنام سخن کا ایک مجموعہ دیکھا تھا۔ نواسے کس طرح تھے، اس کا حال معلوم نہ ہوا، میں نے ان کے چھوٹے بیٹے سے جن کی وفات کو ایک مدت ہوئی، اس کے متعلق استفسار کیا تھا، مگر وہ کچھ بتا نہ سکے۔ تقریظ یا دیباچہ قطعاً جعلی ہے۔ مجموعہ مفقود ہے، اس لیے اس کی نسبت کچھ کہنا ممکن نہیں۔

باقر علی، باقر[۲] نے تلمذ غالب کا دعویٰ غالب کی زندگی ہی میں کیا تھا اور 'ہنگامۂ دل آشوب' میں ان کی نظم و نثر شامل ہے۔ ان کا دیوان طویل مقدمے کے ساتھ ان کے فرزند نے شائع کیا ہے، اس میں بہت سی باتیں ناقابل قبول ہیں۔ اور میں اس کے متعلق 'جہانِ غالب' کے تحت بالتفصیل لکھ چکا ہوں۔ محمد علی خاں انجم[۳] باشندۂ ضلع مونگیر نے بھی غالباً غالب کے دوران حیات ہی میں تلمذ غالب کا دعویٰ کیا تھا۔

صوفی منیری نے تلمذ غالب بذریعہ مراسلت اختیار کیا تھا، اصل مثنوی جس پر غالب کے ہاتھ کی اصلاحیں ہیں اب تک محفوظ ہے۔ اپنے کلیات نظم اور راحت روح (نثر) میں انھوں نے غالب کے ایک شاگرد فسوں یا افسوں (ممکن ہے دونوں تخلص ہوں) فرخ آبادی کا ذکر کیا ہے جن کا بہار سے تعلق قرین قیاس ہے۔

خلیل وفوق آروی کے کلیات مطبوعہ میں غالب کا ایک اردو خط ہے، جس کا واحد ماخذ یہی ہے۔ انھوں نے شاگرد ہونا چاہا تھا، مگر یہ متیقین نہیں کہ ہوئے یا نہیں۔

فرزند علی اخگر عظیم آبادی مقیم مرزاپور کا ذکر تلامذۂ غالب میں بحوالۂ مرقع ادب و سخن شعرا ہے۔ موخرالذکر میں جہاں تک مجھے یاد ہے، انھیں شاگرد غالب نہیں لکھا۔ مقدم الذکر میں دو خط بنام مینا (تلامذۂ غالب کے مصنف کا خیال ہے کہ یہ تصحیف تمنا ہے) مرزاپوری ہیں جن میں سے ایک سے مترشح ہوتا ہے کہ اخگر نے کچھ روپے بھیجے تھے، دوسرا اس پر مشعر ہے کہ اخگر نے دہلی میں غالب کو دیکھا تھا۔ میری رائے میں جعلی خط ہیں۔

۲۔ تلامذۂ غالب میں پسر رشکی، یہ غلط ہے۔

۳۔ تلامذۂ غالب میں تحت تخلص 'نامی'۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ غلط محض ہے یا ان کے دو تخلص تھے۔

تلامذۂ غالب میں انور علی عظیم آبادی متخلص بہ شاہ کا ذکر بحوالۂ نگار اپریل 1953 ہے۔ قدوس جاوید صاحب نے شاہ کا حال اس میں تلاش کیا نہ ملا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ سید فصیح الدین بلخی مرحوم نے کسی جگہ انھیں شاگرد غالب لکھا تھا۔ تلامذۂ غالب میں عبدالکریم (صحیح نام بندہ علی) نشتر شاگرد شاہ کا بحکم استاد کلام کا شائع کردینا مرقوم ہے۔ نشتر بیس پچیس سال میرے یہاں رہے۔ یہ 1922 میں مرے ہیں۔ انھوں نے میرے سامنے شاہ کا ذکر بیسوں بار کیا۔ تلمذ دبیر اور کلام کے ضائع ہونے کا حال بتایا لیکن باوجود اس کے کہ نشتر دلدادگان غالب میں تھے، انھوں نے شاہ کے تلمذ غالب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں۔

تلامذۂ غالب میں سید محمد شیر خاں بہاری متخلص بہ شیر داماد صولت کا ذکر بحوالۂ یادگار ضیغم (تاریخ شعرائے بہار) ہے۔ ان کے نام کے ساتھ 'خاں' نہیں چاہیے اور تاریخ مذکور میں یہ ہے بھی نہیں۔ یہ شہادتیں تلمذ غالب کو قبول کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔

کرامت حسین کے پر پوتے رسا مرحوم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان کے پردادا کا تخلص کرامت تھا اور وہ شاگرد غالب تھے۔ مرحوم نے ان کے اشعار پیش کیے تھے اور خطوط کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا جو ان کے بیان کے مطابق غالب نے کرامت حسین کو لکھے تھے تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ ناخواندہ تھے، شاعری خارج از بحث ہے، اشعار و خطوط جعلی ہیں۔ خطوط سے متعلق میرا مضمون شائع ہو چکا ہے۔[2]

شمس العلما محمد سعید حسرت عظیم آبادی کے دیوان میں ایک تحریر ہے جو اس پر مشعر ہے کہ صولت مذکور کو اپنے کلام کی داد غالب سے ملی تھی۔ ممکن ہے اس میں غالب کی وفات کا قطعہ تاریخ ہو۔ ان کے شاگرد یحییٰ عظیم آبادی کے دیوان تواریخ میں قطعہ ہے جو اخبار الاخبار مظفر پور میں چھپا تھا۔ تاریخ کملا میں بھی قطعے کے ہونے کا امکان ہے۔

فریاد کی کوئی تحریر غالب سے متعلق موجود نہیں۔ ان کی جو رائیں شاد نے لکھی ہیں، دراصل خود انھیں کی رائیں ہیں۔ شاد ابتدا میں غالب کے مخالف نہ تھے۔ جیسا کہ نوائے وطن سے ثابت ہے لیکن بعد کو ایسی عداوت ہوگئی کہ اختراع رعایات پر آمادہ ہوگئے۔ ناطق کا جو واقعہ انھوں نے لکھا ہے، خود ناطق کے خط سے جو کلیات ناطق میں ہے، غلط ثابت ہوتا ہے۔ شاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ قدیرالدولہ قدیر عظیم آبادی شاگرد دبیر نے [کذا] دوران قیام دہلی

میں غالب پر برابر اعتراض کرتے رہے، غالب ان سے زچ ہو گئے۔ قدیر کوئی مجہول الاحوال شخص ہوگا۔ اس کا دہلی جانا اور غالب کو اعتراضات سے عاجز کرنا کہیں سے ثابت نہیں۔ غالب کا ایک خط (غالباً منظوم) بنام شاد شائع ہوا تھا، یہ قطعاً جعلی ہیں۔

کرم الدولہ، مکرم، بہاری دہلی گئے تھے، اور وہاں عہد بہادر شاہ میں مخاطب بہ مکرم الشعرا ہوئے تھے۔ ان کے دیوان (نسخۂ بہار شریف و رامپور) میں غالب کی ایک غزل کا خمسہ ہے، دونوں میں تعلقات ہوں گے۔

شاہ امین احمد ثبات وشوق بہاری کے دیوان میں یہ مقطع ہے:

طرز غالب مجھے اب شوق بہت ہے مرغوب　　　ابتدا میں تو میں کچھ معتقد میر بھی تھا

عبرتی عظیم آبادی نے اپنے ایک تذکرے میں غالب کا ترجمہ دیا ہے جس سے معاوضہ کلکتہ سے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

غالب نے قاطع برہان میں ایک بہاری فرہنگ نگار کی کتاب کشف اللغات کی مذمت کی ہے۔ مگر انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کس کی تالیف ہے اور نہ مؤلف کے زمانے کے متعلق انھیں صحیح اطلاع ہے۔ ان کا قیاس ہے کہ یہ برہان کے بعد گزرا ہے۔ حالانکہ یہ عہد اکبری کے اوائل یا اس سے بھی قبل کی کتاب ہے۔

امداد امام اثر نے غالب کی شاعری سے بحث کی ہے، شہباز کو سوانح عمری بے نظیر میں خواہ مخواہ اس پر اصرار ہے کہ غالب تلمیذ نظیر تھے۔ شوق نیموی نے بعض علمی مباحث میں غالب کے اقوال نقل کیے ہیں۔ عشرت گیاوی غالب کے شاگرد شوخی کے شاگرد تھے۔ انھوں نے غالب کی ایک (یا زیادہ) غزل کو مخمس کیا ہے۔ عرش گیاوی کے دیوان میں بھی غالب کی ایک غزل کا خمسہ ہے۔ اکبر داناپوری نے عجب نہیں اگر اپنے دیوان میں انھیں یاد کیا ہو۔

زمانۂ حال کے بہاری اہل قلم میں سے بہتوں نے غالب کی طرف کم وبیش توجہ کی ہے۔ جناب کلیم الدین احمد نے ان کی نظم ونثر کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ جناب جمیل مظہری نے ان کے اشعار کی تضمین کی ہے اور غالباً ان پر ایک نظم لکھی ہے۔ پروفیسر مختار الدین احمد نے علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر ترتیب دیا تھا اور اس کے بعد احوال غالب اور نقد غالب دو کتابیں مرتب کی تھیں۔ پروفیسر اختر اورینوی کا ایک ناقدانہ مضمون ان سے متعلق شائع ہو چکا

ہے۔ پروفیسر سید حسن نے ایک مضمون ایران میں غالب شناسی پر لکھا تھا۔ یاد آتا ہے کہ شاہ ولی الرحمٰن مرحوم ولی نے ایک مضمون میں غالب کا مقابلہ اقبال سے کیا تھا۔ سنا گیا ہے کہ ہاشم عظیم آبادی نے دیوان غالب کے جواب میں ایک ظریفانہ دیوان تیار کیا ہے جو زیر طبع ہے۔[3] شاید رفیع الدین بلخی مرحوم نے ایک کتاب غالب پر لکھی تھی۔[4] جناب عطا کاکوی نے نذر غالب لکھی ہے۔ جناب مظفر حسین نے جمالیات سے متعلق اپنی کتاب[5] میں کلام غالب سے بحث کی ہے۔ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین کی گورنری کے زمانے میں حکومت بہار نے ایک معتد بہ رقم تصانیف غالب کی صد سالہ اشاعت کے ابتدائی اخراجات کے لیے دی تھی۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب 'قاطع برہان و رسائل متعلقہ' چھپ چکی ہے۔ ایک زیر طبع ہے اور ایک کی کتابت ہو رہی ہے۔ قاضی عبدالودود نے غالب انسائیکلو پیڈیا جہان غالب کے نام سے لکھنی شروع کی ہے۔ اس کے کم و بیش 400 صفحے مختلف رسائل میں طبع ہو چکے ہیں۔ یا ہونے والے ہیں۔ مجلۂ معیار پٹنہ میں ایک مستقل عنوان 'غالبیات' تھا۔ قاضی عبدالودود نے غالب سے متعلق بہت سے مضامین لکھے ہیں جن میں سب سے طویل 'غالب بحیثیت محقق' ہے۔ یاس یگانہ چنگیزی عظیم آبادی نے بھی غالب سے متعلق ایک کتاب 'غالب شکن' لکھی تھی۔

شہاب الدین خدا بخش مرحوم نے دیوان غالب کے ایک مطبوعہ نسخے میں جو کتب خانہ خدا بخش میں ہے اپنے دادا اور غالب کے تعلقات کا ذکر کیا ہے اور ایک قطعہ ان کی زبانی غالب سے منسوب کیا ہے۔ یہ وہی ہے جو نواب عماد الملک کے حوالے سے بعض مطبوعہ نسخوں میں شامل ہوا ہے۔[6] خدا بخش خاں نے اپنی کتاب میں جو اپنے کتب خانے کی کتابوں کے متعلق لکھی ہے، غالب کا ذکر کیا ہے اور اس کتب خانے کی انگریزی فہرست میں نسخۂ کلیات فارسی نوشتۂ 1254ھ کا حال ہے مگر اس کے بارے میں بعض امور غلط لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہاں ایک نسخہ کلیات کا ہے جو 1257ھ کا لکھا ہوا ہے۔ ان دونوں کا تعلق غالب سے رہا ہے۔ یہاں غالب کی ایک تصویر بھی ہے جو کسی زمانے میں کلیات کے ایک نسخے کے ساتھ تھی، جو ریاست جاورہ میں تھا۔ صلاح الدین خدا بخش مرحوم نے ایک انگریزی مقالے میں غالب اور المانی شاعر Heine کا مقابلہ کیا ہے۔

اس مضمون میں بیدل کا ذکر نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ میں انھیں بہاری نہیں سمجھتا، ہاں ابتدا

میں وہ برسوں یہاں رہے ہیں اور یہیں سے دہلی گئے ہیں، بہرحال، یہ عام طور پر معلوم ہے کہ غالب کا ابتدائی کلام کس حد تک بیدل سے متاثر ہے۔ یہ مضمون محض ڈاکٹر ممتاز احمد کے اصرار سے لکھا گیا ہے، ورنہ میں اس وقت اس کے لکھنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس کے لیے بہت کچھ حافظے پر بھروسہ کرنا پڑا ہے اور ضروری کتابوں کی طرف رجوع نہ ہوسکا۔ نہ یہ دعویٰ ہے کہ یہ جامع ہے، نہ یہ کہ یہ اغلاط سے بَری ہے۔

○

(مطالعہ پٹنہ جنوری-فروری 1969)

حواشی مرتب

1 غالب کے خطوط صفیر بلگرامی کے نام
2 'نادر خطوطِ غالب' کچھ غالب کے بارے میں، جلد 2
3 ہاشم عظیم آبادی کا مزاحیہ دیوان 'اندازِ بیاں اور' سنہ اشاعت 1982
4 تجزیہ کلام غالب، رفیع الدین بلخی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کراچی 1966
5 فنونِ لطیفہ اور جمالیات، محمد مظفر حسین، ضیا پبلشنگ ہاؤس، لکھنؤ
6 ملاحظہ ہو حاشیہ 'کتب خانہ خدا بخش اور غالب'

مجموعۂ دہلی اور غالب

ایک مجموعۂ فارسی نیشنل آرکائیوز دہلی میں ہے، جس کا علم مجھے جناب اکبر علی ترمذی کی مہربانی سے ہوا۔ میں نے اسے جابجا سے دیکھا ہے لیکن مقالۂ ہذا اس کے عکس پر مبنی ہے۔ اس میں پہلے غالب کی تحریریں ہیں، ان کے بعد ایک صفحہ سادہ اور پھر تین صفحات میں دوسروں کی تحریریں ہیں۔ کسی صفحے میں 21، کسی میں 20 اور کسی میں اس سے بھی کم سطور ہیں۔ ایک مکمل سطر کی عبارت یہ ہے:

''چہ مایہ بیکسم کہ مرادر عرض مراسم پوزش خود شفیع خویشتن باید بود، خدا را بر تلخ
کلامی ہای غالب زہرابہ نوش رحمی بحق خدای کہ ناز۔''

کم اوراق ہیں جو ناقص نہیں، کتاب بدون تمہید و خاتمہ ہے، اس کا امکان ہے کہ اول و آخر اور درمیان کے کچھ ورق ضائع ہو گئے ہوں۔ صفحۂ آخر میں فارسی کی آخری سطر کے بعد تین سطور کی جگہ خالی ہے، اور پھر انگریزی عبارت جو بجنسہٖ درج ذیل ہے:

"Writen (کذا) by moonshee Aly Hassan of mowzah Kahra."

قبل اس سے کہ تحریرات غالب سے بحث ہو، دوسروں کی تحریروں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے یہ فیصلہ کرنے میں مدد ملے گی کہ کاتب منشی علی حسن ہے یا نہیں، اور زمانۂ کتابت کی کسی حد تک تعیین ہو سکے گی۔ پہلے ایک خط ہے جس کا عنوان یہ ہے:

''نقل صحیفہ... مخدومی مولوی سید افضل علی..... تحصیلدار پرگنہ بدوسا و کالنجر
ضلع باندا بوندیل کھنڈ، موسومۂ ایں روشناس زاویۂ خمول.....''

اس خط کے آخر میں منشی محمد نسیم اللہ کو سلام ہے، دوسرے خط کا عنوان 'بشرح ایضاً' ہے اور اس کے آخر میں مرقوم ہے:

''شرح لفافہ..... در باندا بسامی خدمت..... مخدوم و معظم نیازمندان..... منشی سید علی حسن خان..... زاد مجدکم العالی۔ ذریعہ اخلاص افضل علی..... پنجم اگست 1839، باندا۔''

تیسرا خط (اور یہ آخری تحریر ہے) غلام امام شہید کا ہے جو پیش کار صدر عدالت دیوانی تھے۔ یہ دوران اقامت باندا میں، وقت روانگی الہ آباد منشی محمد نسیم اللہ 'سررشتہ دار عدالت فوجداری قسمت جنوبی ضلع بوندیل کھنڈ' کو لکھا گیا تھا۔ 'قسمت... بوندیل کھنڈ' کے متعلق اطلاع ہے کہ ''در آن ایام عبارت از ضلع باندا بودہ است۔''

میرا خیال ہے کہ عبارت فارسی کے منشی سید علی حسن خان، اور انگریزی عبارت کے منشی علی حسین فرد واحد ہیں اور یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس مجموعے کے کاتب نہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحریرات غالب کا زمانۂ کتابت تحریرات افضل وغیرہ کے زمانے سے مختلف ہوسکتا ہے، اس سے قطع نظر کرلی جائے اور شہید کے خط کا زمانہ کم و بیشتر وہی تصور کیا جائے تو زمانۂ کتابت 1839 یا اس کے کچھ بعد معین کیا جاسکتا ہے۔ یہ متیقن ہے کہ غالب کی کل تحریریں جو اس مجموعے میں ہیں، اس سے قبل کی ہیں۔

اس مجموعے کے خطوط کی بڑی اکثریت محمد علی خان کے نام ہے، خواہ ان کا نام آغاز خط میں ہو یا نہ ہو۔ باقی خطوط علی اکبر خان طباطبائی کے نام کے ہیں، اور ان کے ساتھ بھی ان کا نام لازماً نہیں۔ ان خطوط میں سے چند پنج آہنگ میں بھی ہیں، بعض میں تو بڑے اختلاف ہیں، میرا خیال ہے کہ مجموعے میں، اغلاط کتابت سے قطع نظر، اصلی خطوں کی نقلیں ہیں، پنج آہنگ میں مصلحت کارفرما رہی ہے۔ بعض تحریریں خط نہیں کہی جاسکتیں۔ خط (2) و (5) دراصل ایک ہیں۔ (. . .) کے معنی یہ ہیں کہ اس سے قبل کچھ الفاظ ضائع ہوگئے ہیں۔ اردو خلاصہ تیار کرتے وقت تعظیمی الفاظ عموماً حذف کردیے گئے ہیں۔

مجھے اس کا افسوس ہے میں یہ مقالہ حسب دلخواہ نہیں لکھ سکا، بیشتر خطوط سے متعلق حواشی تحریر بھی نہ ہوسکے۔

(1)

ابتدا میں بدون اسم مصنف ظہوری کا ایک شعر، اس کے بعد چند سطور نثر، اس کے بعد

''فرمانروائے کشور آگہی ملاذ و مطاع وہی سلامت۔'' میرا خیال ہے کہ سطور بالا جزو مکتوب ہیں، اور قیاس ہے کہ مکتوب الیہ محمد علی خان ہیں اور خط زمانۂ اقامت باندا کا ہے۔

میر کرم علی 'اغلب اوقات' آپ کی جانب سے 'قدم رنجہ' نہ فرمانے کا عذر کیا کرتے ہیں، اور یہ کہا کرتے ہیں کہ آپ میری تعریف کرتے ہیں۔ یہی بہت ہے کہ اس 'ننگ آفرینش' کو 'صدر بزم قبول' میں بٹھاتے ہیں۔ میرے 'دیر دیر' سے آنے کی وجہ شوق کی کمی نہیں، 'وفور ناتوانی' ہے، دماغ کو فکر۔ جن سے سرگرانی ہے۔ ''یاد باد آن روزگاران کا عتباری داشتم الخ۔'' 'ہیچ' کو 'ہمہ' اور 'بد' کو 'نیک' سمجھنا آئین غریب نوازی ہے۔ دو نثریں جو مختلف مواقع پر لکھی گئی تھیں، حاضر ہیں۔ ایک خط ہے جو 'صنعت تعطیل' میں 'عمو صاحب قبلہ فخر الدولہ دلاور الملک نواب احمد بخش خاں بہادر رستم جنگ'' کی 'جاگیر' سے 'فخر العلما مولوی محمد فضل حق' کو جو میرے دوست ہیں، اور جن سے بر بنائے عجلت، دہلی سے روانگی سے قبل، نہ مل سکا تھا، بھیجا گیا تھا۔ دوسری ایک عرض داشت[1] ہے جو لکھنؤ میں ''بتکلیف دوستان جدید، سبحان علی خان و میر نیاز حسین خان[2] و دیگر دوستان جدید (۰۰۰) '' معتمد الدولہ کے لیے لکھی گئی تھی، اور اس کی صورت بھی نکلی تھی کہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ''اما چوں درباب معانقہ وقت نخستین ملازمت از آن طرف (۰۰۰۰۰) سخنہا رفت آن معاملۂ ذہنی در خارج صورت نگرفتہ ...، مستغنیانہ پاس ناموس خاکساری ورزیدم، و دامن از اختلاط نو دولتان بیمدار[3] برچیدم۔'' اس کی 'ہوس' سینے سے محو ہوگئی مگر 'رقم'، 'سفینے'، میں باقی ہے۔ ''مخدوما و مکرما، من دانم و دل کہ بدین حسن اتفاق چہ قدر شادمانی می کنم، یعنی دعائے بے اثر از قبول بیگانہ کہ چوں نالہ ہای دلہای بیدرد اہل ہوس را بجائے نمیرد، اینک در خاتمہ این عبودیت نامہ تشریف قبول یافت۔ ہم نقش مدعای خاطر مشتاق بکرم نشست، وہم زحمت تفرقۂ نفاق و وفاق از میان برخاست۔ امید کہ آز این دعا بری از ریا، بروزگار خجستہ آثار

[1] دونوں تحریریں پنج آہنگ کے خاتمۂ گل رعنا میں ہیں، خاتمے میں جو دوسری تحریر ہے، اس کے آخری الفاظ مجموعے میں نہیں۔ جناب مالک رام کی عنایت سے ان کا نسخۂ گل رعنا میری نظر سے گزرا ہے، مگر یاد نہیں کہ یہ تحریریں اس میں ہیں یا نہیں۔

[2] کمال الدین حیدر کی تاریخ اودھ جلد اوّل میں میر نیاز حسین (بدون 'خان') داروغۂ دیوان خانۂ معتمد الدولہ کا ذکر ہے، قریب یقین ہے کہ وہی ہوں جو مجموعے میں ہیں۔

[3] مگر یہ بعد کو سبحان علی خان سے استمداد سے مانع نہ آیا پنج آہنگ میں ان کے نام کے خطوط ہیں۔

جناب سامی مدظلہ باد۔''

(2)

خط بنام محمد علی خان، پنج آہنگ کے مطابق:

''قبلۂ قبلہ پرستان و کعبۂ حق پژوہان سلامت۔'' پنج شنبے کو مودہا (پنج آہنگ خطی، موَدہ) پہنچا، دوشنبے کو روانہ ہوا، رات ایک گاؤں... گزاری۔''بروز سہ شنبہ در چلہ تارا رسید۔'' (...) بخار غائب ہوگیا۔''امشب[؎] (...) اگر حیات باقیست بسیچ راہ فتحپور کردہ خواہد شد۔''

(3)

خط بنام محمد علی خان، پنج آہنگ کے مطابق۔ پنج آہنگ کی عبارت ''خلاصہ تحریر... حد ادب'' مجموعے میں نہیں، اور 'قدر' کے بعد مجموع کی عبارت ذیل پنج آہنگ سے غیر حاضر ہے: بخدمت جناب شاہ غلام زکریا صاحب و خان صاحب عمہم الاحسان انعام احمد خان صاحب و جناب محمد طالع علی خان المشتہر بہ مرزائی صاحب سلامہائے نیاز افشان اشتیاق بار پذرفتہ باد۔

(4)

بنام محمد علی خان، مگر مکتوب الیہ کا نام درج نہیں۔ عنوان ''مشتمل بر ہجو الہ آباد وصفت بنارس۔'' آغاز شعر ذیل سے:

این شکایت نامۂ آوار کی ہائے منست
قصۂ درد جدائی ہا جداخواہم نوشت

دیوانہ ام ہرچہ گویم معافم، و دردمندم ہرچہ نویسم مرفوع القلم:

مغلوب سطوت شرکا غالب حزیں
کاندرتنش ز ضعف تواں گفت جاں نبود
دوبند زندہ تا بہ بنارس رسیدہ است
مارا بایں گیاہ ضعیف این گماں نبود

چلہ تارہ کا ماجرا دو عرض داشتوں میں لکھ چکا ہوں۔ گھاٹ پر کشتی کرایہ لی اور نوکر اور گھوڑے کے ساتھ اس پر سوار ہوا۔''از پیچ و تاب ریح معدہ در کشاکش دل حرارت غریبہ حمی

؎ امشب در چلہ تارا رسیدہ (کذا) بامداد آں اگر حیات باقیست شد... زیادہ حد ادب'' (پنج آہنگ، قلمی)

برآتش۔'' ''روز ہفتم بوبرانہ (...) درود افتاد، آہ ازالہ آباد ولعنت خدا بدان خرابہ باد نہ دروی دوائی درخور بیمار و نہ متائی شایستۂ مردم (....................) مرد وزنش ناپیدا، ومہر ...... ازطبع پیر و جوانش کم۔''اس 'وادی ہولناک' کو شہر کہنا ناانصافی ہے، اور 'آدم زاد' کا اس 'دامگاہ فحول' میں رہنا 'بے حیائی' جہنم اس نسبت پر کہ اس شہر کا مقابل کہتے ہیں، پرازآتش ہے، اور ہوائے زمہریر اس سے سخت ناخوش ہے کہ اس 'بروتکدے' کی ہوا سے نسبت دیتے ہیں۔[5] یہ سن کر کہ ''بداں رابیکاں نبخشد'' یہ شہر 'ہزار امیدواری' بلکہ 'صد ہزار خواری' کے ساتھ بنارس کے پہلو میں مقیم ہے اور گنگا کو بطریق شفاعت اس کی طرف بھیجا ہے۔ اس روسیاہ کی طرف دیکھنا بنارس کی طبع نازک پر گراں ہے، مگر گنگا سفارشی ہے۔ بخدا اگر کلکتے سے واپسی کا انحصار اس پر ہو کہ الہ آباد سے گزرنا لازم ہے، تو 'ترک وطن' کروں۔ ایک شب و روز فقدان باربرداری کی وجہ سے اس دیولاخ، میں رہا۔ دوسرے دن بھلی ملی اور وقت سحر ساحل گنگا پر پہنچا، دریا سے گزرا، اور ''پائے شوق'' سے سوئے بنارس ''گرم پوبہ'' ہوا۔ روز ورود...... ارس نسیم جانفزا سوئے شرق سے چلی، اس کا اثر یہ ہوا کہ اثر ضعف بالکل نہ رہا۔ اگر فرط دلنشینی کی وجہ سے اسے سویدائے عالم کہوں بجا ہے، اور اس کے اطراف میں سبزہ وگل کا جوش دیکھ کر بہشت ارضی کہوں روا ہے۔ کثرت عمارات کا کیا بیان ہو۔ یہ تماشا گاہ اتنا دلفریب ہے کہ غبت کا غم فراموش ہے۔ مقدمہ درپیش نہ ہوتا اور شماتت اعدا کا خوف نہ ہوتا تو بے محابا ترک دین کرتا، سبحہ توڑتا، قشقہ لگاتا، زنار باندھتا اور اس وضع میں تازندگی گنگا کے کنارے بیٹھتا۔ اس 'ارم اباد' میں بغیر دوا عوارض جدید غائب ہوگئے، اور اصل مرض بھی کسی قدر کم ہوا۔ 'مرکبات معمول' کی فراہمی حزم و احتیاط استقبال کی بنا پر ہے، ورنہ تلافی ماضی یا رعایت حال مدنظر نہیں۔ خاطر اقدس میں یہ نہ گزرے کہ غالب 'خیرہ سری' سے بنارس میں شہد کی مکھی یا دلدل کا گدھا ہوگیا ہے، حاشا ثم حاشا، مجھ فلک زدہ کو دماغ تماشا کہاں؟[6] مگر دواؤں کی فراہمی اور زمستان کے لیے رخت سفر کی تیاری

---

5. الہ آباد کے متعلق رائے غیر ذمہ دارانہ ہے، قیام اتنا مختصر رہا تھا کہ وہاں کے باشندوں کی نسبت اظہار رائے کا حق ہی نہ تھا۔ بعض اصحاب نے حسب دلخواہ سلوک نہ کیا ہوگا، الہ آباد سے نفرت کی یہی وجہ ہے۔

6. میرا خیال ہے کہ بنارس میں کسی صورت سے تعلق ہوگیا ہوگا، طول اقامت کی اس کے علاوہ کوئی وجہ قرین قیاس نہیں۔ وہ خود، جیسا کہ خود معترف ہیں، بڑی مبتذل سی جگہ مقیم تھے۔ مگر اس کے باوجود

میں کم ازکم چار ہفتے صرف ہوں گے۔ ایک ہفتہ جو گزر چکا ہے اس میں شامل ہے۔ پانچ روز سرائے ہزنگ آباد مشہور بہ سرائے نورنگ آباد میں فضول بسر ہوئے، اب مکان اسی سرا کے عقب میں مل گیا ہے۔ کبھی جی میں آتا ہے کہ عظیم آباد تک خشکی کی راہ سے جاؤں اور وہاں کرائے کی کشتی لوں، کبھی یہ سوچتا ہوں کہ یہیں سے براہ دریا جانا چاہیے۔ آپ خط ضرور لکھیں، اس کے جواب میں یہاں سے روانگی کی تاریخ وغیرہ لکھوں گا۔ ہر چند کہ آپ کا خط آنے کی بیش از بیش خواہش ہے، لیکن دل شرم گمنامی و ہیچ کسی سے زخمی ہے۔ میری اقامت گاہ ایک بڑھیا کا گھر ہے، جو خود روغن چراغ کی محتاج ہے اور اس کا خرابہ پرس و جو سے فارغ۔ اس کے پہلو میں کوئی ایسا مکان بھی نہیں کہ اس کے پتے سے خط منگواؤں۔ یہی ایک صورت ہے کہ آپ یہ لکھیں ''محلہ نورنگ آباد عقب سرائے نورنگ آباد قریب حویلی گوسی خانسامان در حویلی مٹھالی و میاں رمضان بمطالعۂ اسداللہ غریب الوطن تازہ وارد برسد۔'' ممکن ہے کہ ''قاصدان ڈاک انگریز'' خط مجھ تک پہنچا دیں۔ شاہ محمد زکریا، خان صاحب (.....) اور مرزائی صاحب کو سلام۔

(5)

''قبلۂ قبلہ پرستان و کعبۂ حق پژوہان۔'' حامل مکتوب محض اتفاقاً ملا، ..... مودھا پہنچا، اتوار تک وہاں آرام کرتا رہا، دوشنبے کو وہاں سے رخصت ہوا، رات ایک گاؤں میں بسر کی، منگل کو چلہ تارہ پہنچا۔ شکر ہے کہ درد اور بخار سے نجات ملی۔ رات یہاں گزار کر علی الصباح عازم فتح پور ہوں گا۔ اسداللہ۔

(6)

بنام محمد علی خان، بموجب پنج آہنگ، جس میں یہ نامکمل ہے:

''جناب فیض مآب قبلہ و کعبۂ نشأتین''، بنارس میں 'عطوفت نامہ' ملا۔ منگل 4 شعبان کو

بنارس کی مدح اتنی کی ہے کہ کسی اور جگہ کی نہیں کی، بنارس اس کا ہرگز مستحق نہیں۔ اس خط میں ایک مثنوی کے 12 اشعار ہیں، جن میں سے 11 چراغ دیر سے ہیں، ان 11 اشعار کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں، ترتیب مطابق مجموعہ: تعالی اللہ، خس و خارش، سروش (صحیح: سوادش)، بنارس را کسے، بخوش پرکاری، بنارس را تو، حسودش، بتانش را، میانہا، تبسم، بلند افتاد۔ ایک شعر جو کلیات 1254ھ میں نہیں، یہ ہے:

فرنگستان حسن بے نقاب است
ز خاکش ذرہ ذرہ آفتاب است

براہِ خشکی عظیم آباد روانہ ہوا اور وہاں سے کلکتہ پہنچا۔ وہاں ایک اچھا مکان چھ روپے (پنج آہنگ میں دس) کرائے کا مل گیا۔ آپ کا خط لے کر ہگلی گیا۔ ''بدر نواب صاحب [7] (...) نخست روبسوی ایوانی کہ ضریح جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ والثنا در وبود، آوردم وز (...) چوں بگوشۂ بساط قرب مخدومی رسیدم از فرط عنایت برخاستند۔... (.....) دو انتظار تو روز ہا گذشت چوں از کیفیت منشأ انتظار پرسیدہ شد ایں معنی گل (.....) نواب رسانیدہ اند، وبے ذریعۂ ملاقات صوری روشناس معنوی گردانیدہ۔ روز ملاقات (..) درمیان نیامد، دو سہ ساعت نشستہ برخاستم و بہ غمکدہ معاودت کردم، بعد دو روز کہ دوبارہ (.....) بیت افتاد، دو رور و یک شب صحبتہا مازد و پرس وجو ہا بمیان آمد۔ حال مقدمہ مفصل گفتہ (.....) دل نہ دادہ کہ بدان خرسند تواں گشت و ناامیدی نیم نہ بخشیدہ کہ از سرابی کار تواں گذشت (.....)۔''

''جہان بے مہر و گیتی دشمن و دلدار مستغنی مرا بر آرزو ہائے ثنائی خندہ می آید۔''

''آشفتگی بخت (.....) باید دید''۔ ''مرگ [8] نواب احمد بخش خان بہادر بہ سمع اقدس رسیدہ باشد... ''ہر چند انہدامِ پیکر عنصری نواب نفس مقدمہ را چنانکہ سود ندارد زیاں ہم ندارد، اما از خود رفتۂ ایں دو کیفیت باشم، یکی آنکہ... دست گدائی پیش برادران دراز کردن، دیگر آنکہ مسرتے کہ بعد از فتح متصور بود، باطل شد، یعنی انتقام از غاصب قوی کشیدن و در انجمنہا بدان ناز کردن۔ خطا پوش عیب پوش من سلامت، بندۂ تازہ خریدۂ جناب را... دو لغزش واقع گشتہ، یکے اینکہ غزلے کہ از بنارس فرستادہ ام و مطلع آن اینست [9]:

اے بصدمۂ آہی بر دلت زما باری
ایں قدر گراں نبود نالۂ ز بیماری

''امید کہ جناب مطلع مذکور را محو فرمودہ ایں مطلع را بدل ما یتحلل ایں دو مصرع سازند۔ دوم

---

[7] مراد از علی اکبر خان طباطبائی، ذکر ملاقات پنج آہنگ کے خط میں بھی 'بدر... باید دید' کے مطالب پنج آہنگ میں نہیں، اور اس میں طباطبائی کی جو تعریف ہے، مجموعے کے اس خط میں نہیں۔

[8] ''مرگ..... کردن'' نہ یہ عبارت پنج آہنگ میں ہے، نہ اس کے مطالب۔ حذف کی وجہ ظاہر ہے، انتقام کی مسرت کے متعلق جو کچھ تھا، اسے غالب چھپانا چاہتے ہوں گے۔

[9] مطلع کے متعلق عبارت پنج آہنگ میں نہیں، عبارت کی خامی عیاں ہے، جو مطلع غالب نے بھیجا تھا، وہ نہ تھا جو مجموعے میں ہے۔

اینکہ قصیدہ کہ در مدح آغا میر گفتہ ام، حدا میداند کہ برائے خاندان من طرفہ داغ بدنامیست ۱۰؎ ولطف اینکہ یکصد و دہ شعر را از صفحہ حک ساختن نمی توانم (.....) نواب مرشد آباد نیز سید زادہ است، ایں قصیدہ را بنام وی شہرت دہم، گو بملازمتش نا رسیدہ (.....) لیکن مداح بودن من برہمایوں جاہ را (کذا) برمن نا گوار نیست۔ توقع کہ تا زمانی کہ اشعار موضح اسم ممدوح را (...) آن قصیدہ را بکس نمایند، وعیب خردان را چوں بزرگان بپوشند ونوازشنامہ کہ (.....) عنوانش بابد کہ چنیں باشد، شہر کلکتہ قریب چیت بازار در سملیا (کذا) بازار نزدیک تالاب کرد (کذا) (.....) بمطالعۂ اسد برسد، زیادہ آرزوی قدمبوس حہ (کذا) عرضہ دارد۔ محمد اسد اللہ۔''

(7)

مکتوب الیہ محمد علی خاں ہوں گے: آغاز ''دو سہ روز گذشتہ باشد کہ کتابتی از غمکدۂ راقم رسیدہ بود''۔ یہ مرسل ہے اور کچھ حال اس 'داوری گاہ' کا مرقوم ہے۔ آج سینچر یکم رجب ہے۔ 'کارفرما' کا خط آیا، ان کا ذکر سابق میں کر چکا ہوں۔ 'فرستاد آمد' میرا 'یار' چارہ جوئی سے غافل نہ تھا۔ مجھ پر مجھ سے زیادہ مہربان اور مجھ سے زیادہ قاعدہ دان ہے، خط دیر سے لکھا تو اس لیے کہ کوئی خبر نہ تھی، اور یہ خاموشی بھی ''بغرور یکدلی و یگانگی'' تھی۔ محمد اسد۔

(8)

بنام ایضاً (بدون اسم مکتوب الیہ): ''حضرت قبلہ گاہی ولی نعمی مدظلہ العالی۔'' پرسوں منشی عاشق علی خاں بہادر کا خط آیا کہ تمھارے یہاں آرہا ہوں، اس کے ساتھ آپ کا خط بھی ان کے نام کا تھا جس میں انھیں میری 'خاکساریوں' سے آگاہ کیا گیا تھا۔ میں خود ان کے یہاں گیا، ہر چند

۱۰؎ وجہ یہ نہیں کہ خانگران کی مگر نامی ہوگی، غالب قصیدے سے دوسرا کام لینا چاہتے تھے۔ اگر نظم باعث ننگ تھی، تو مدحیہ نثر بھی اس کا سبب ہو سکتی تھی، مگر اس کی نقل محمد علی خان کو خود بھیجی (خط 1)، اسے خاتمۂ گل رعنا میں شامل کیا، اور اس پر قناعت نہ کر کے پنج آہنگ میں بھی رکھا۔ نواب مرشد آباد کے نام کا کوئی قصیدہ غالب کا نہیں، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے نام قصیدے کو شہرت دینے کا ارادہ قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ غالب کا صرف ایک قصیدہ ہے جس کے بعض اشعار سے واضح ہوتا ہے کہ لکھنؤ میں لکھے گئے تھے۔ کلیات میں یہ قصیدہ مدح نصیر الدین حیدر و روشن الدولہ وزیر میں ہے۔ کلیات کے قدیم خطی نسخے میں اس کا جو عنوان ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ قصیدہ بادشاہ تک نہ پہنچا، بعد کو غالب نے مصلحتہً یہ قصہ گڑھا کہ پانچ ہزار روپے صلہ دیے جانے کا حکم ہوا۔

دفتر خانے میں تعارف ہو چکا تھا(...) اور علی اکبر خاں کے یہاں اتفاق معانقہ بھی ہوا تھا، لیکن (...) ''نقش بکرسی بکرسی نشست'' وہ ''اہل وحدت وجود'' کے مذاق کی باتیں کرتے ہیں۔

[یہ خط جس میں اور باتیں بھی ہیں، پنج آہنگ میں بھی ہے]

(9)

بنام محمد علی خان، بدون اسم مکتوب الیہ: 'حضرت قبلہ گاہی' میں منشی عاشق علی خاں کے یہاں گیا تھا، عنایتیں کیں، میں 'ہذا من برکت البرامکہ'' کہتا ہوا اٹھا اور گھر واپس آیا۔ چند روز بعد، اتوار کے دن وہ میری غیر حاضری میں میرے یہاں آئے، میں اس کی تلافی کے لیے ان کے پاس گیا، نواب علی اکبر خاں بہادر ہوگلی میں ہیں۔ ''وعدہ بود کہ ترا خواہم ماند (...) یاد نکردہ اند۔ گزارش جناب قبلہ گاہی وابستہ بزبان حضور است، غالب کہ بس از فراغ امور شادی (...) '' ولایت حسن صاحب پھر دورے پر گئے ہیں۔ راجہ بنارس (...) ملازمت گورنر جنرل کی استدعا کی اور دربار عام قرار پایا،'' اما (...) میان نماند کس خبر نیافت یعنی بروز آدینہ چہار دہم فروری چوں وقت برخاستن عملہ (...) صاحب سکرتر کہ من از بندگان اویم، بنائب میر منشی کہ درغیبت میر منشی کارروائی میکند (.....) دہم برکرسی اعتبار نشاند'' لمبر (1) راجہ ہوت (بھوپ؟) سنگھ'' جانشین راجہ کلیان سنگھ عظیم آبادی (...) از بدر اوست (؟)'' تیسرا لمبر سفیر شاہ دہلی، ہم سفیر شاہ اودھ، 5 وکیل ہمایوں جاہ، 6 وکیل جودھپور، 7 وکیل جیپور، 8 وکیل راجہ نین پال، 9 اکبر علی خان۔ خوش قسمتی کہ ایسے شخص کی بغل میں جگہ ملی جسے میں نے سب 'اعیان بنگالہ' میں سے چنا ہے۔ مگر وہ شریک نہ ہو سکے۔ میں نے 'منعم' کی عنایت دیکھی، خلعت کی آرزو کی، کچھ سوچ کر بولے کہ اتنی تھوڑی مدت میں یہی غنیمت ہے، تمھارے چچا کو بھی خلعت نہیں ملا، میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی نہیں ملے گا، مگر اس کے لیے معاملے کو کونسل میں پیش کرنا ہوگا۔ مطمئن رہو کہ وقت رخصت خلعت گرانمایہ باضمیمۂ خطاب بہادری جس کی تمنا کی ہے [مگر اس سے قبل خطاب کا ذکر نہیں] پیش گاہ لارڈ صاحب سے دلواؤں گا۔ دوشنبے کو حاضر دربار ہوا۔ میں نے نواب گورنر کو دو اشرفیاں نذر پیش کیں، علی الرسم معاف کی۔ ''توقف نمودہ و نیازمندی ہای مرا (..) پرورش و عنایت داد و عطر و پان بدست خود عنایت فرمودند'' (...) دہلی و سفیر شاہ اودھ وکیل نواب مرشد آباد نے اپنے موکلوں کا شوق بیان کیا، کہا کہ میں خود ان اضلاع میں پہنچتا

ہوں۔ اس سے قبل ''زبان زدعوام'' تھا کہ نواب گورنر (..........) ومجموع افرادِ عملۂ کونسل 'ہندوستان' جائیں گے۔ اب ثابت ہوگیا کہ سفر متیقن ہے۔ سوال یہ ہے کہ کونسل ساتھ جاتی ہے یا نہیں، پہلی صورت میں مجھے بھی جانا پڑے گا، مولوی فضل حق خط جو 'خط خانگی' کے ساتھ دہلی سے آیا ہے، عرضداشت کے ساتھ جاتا ہے۔ 17 فروری مطابق 13 شعبان۔

(10)

بشرح صدر: ''حضرت قبلہ گاہی... '' کل 3 رمضان اور روز دوشنبہ تھا۔ ''زاویہ نشینانِ وطن'' کا ایک خط ملا کہ 5 شعبان کو تمھارا مقدمہ ''داخل کواغذ مسل'' ہوا۔ ہر چند کہ یہ بات سمجھ میں نہ آئی، لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرضداشت پیش ہوئی۔ غالب کہ اسی ہفتے کارفرمایا وکیل کا خط آئے جس سے حالات معلوم ہوں۔ نواب سید علی اکبر خاں بہادر کو 'کاروبار شادی' سے فراغت ہوئی، دربار میں حاضر نہ تھے، اس لیے میں نے خط لکھا اور جویائے حال ہوا، جواب آیا کہ طبیعت ناساز ہے، میں عیادت کو گیا، انھیں ''عارضۂ ریگ گردہ'' تھا، ظاہر 'مادہ' کم تھا، جلد صحت ہوگئی۔ کامل پانچ دن وہاں گزار کر کل گھر واپس آیا تو 'پاسبان کاشانہ' نے مکتوب دہلی دیا جس کا مضمون اوپر درج ہے۔ (.......) مقدمۂ بھگوان داس میں کہ اس سے قبل دریافت کر چکا ہوں کہ رپے اسی قدر (.....) ''بھگوان داس رسانید و.... آن قبلہ سہو در تحریر فرمودہ بودند۔ اما در باب بیع کتب (.....) رنگی از معاملہ داشت.... زحمت تحریر بر اناملِ مخدومی (.....) روا داشتم چنانچہ رقعۂ مرقوم بدستخط خودشان در نوردِ عرضداشت بنظر خواہد گذشت۔'' خبر ہے کہ برسات میں نواب گورنر کونسل اور عملے کے ساتھ ہندوستان جائیں گے اور تین سال ضلع میرٹھ دارالسلطنت قرار پائے گا۔ اس صورت میں 'وابستگان کونسل' وکلا ہوں، یا اہل داد، سب ہم سفر ہوں گے۔ مجھے یہاں تاب اقامت نہیں، مگر سروبرگ سفر کہاں؟ مقدمے نے کوئی صورت اختیار کی ہوتی تو سرکار سے قرض مانگتا۔ ''یا خود آں بودی کہ حضرت..... در پیچ تاب اجارہ فرونماندہ بودندی تا کار من رونق..... گرفتی و دریں باب سگالش نرفتی۔'' مگر یہ شکل ہے، نہ وہ، کیا کہوں میری کیا کیفیت ہے۔ کاش نواب ذوالفقار بہادر کو اس کی توفیق ہو کہ امین کرن سے ہزار رپے اور دلوادیں۔ جی میں آتا ہے کہ نواب کے نام اس مضمون کی ایک عرضداشت آپ کے پاس بھیجوں کہ آپ پڑھیں اور مرزا اوزبک جان برادر کو چک مرزا مغل بیگ کو کہ میرے

بھائی اور قوت بازو ہیں، اچھی طرح سمجھا دیں کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیں۔ ''قبل از مرگ واویلا'' اس لیے ہے کہ اس رستخیز میں صرف چار ماہ کی دیر ہے اور وہ گروہ جس کا میں حاجت مند ہوں، سخت بے پروا ہے۔ تہی دستی کا حال یہ ہے کہ رمضان آ گیا ہے اور توشہ ختم ہوگیا ہے۔ اگر شعبان میں لارڈ صاحب کی ملازمت نہ ہوتی تو رمضان اچھی طرح کٹتا، لیکن رپے انعام ''عملہ و خدمہ سکرتری و گورنری'' میں صرف ہوئے، ہر چند کہ اس میں صرف بھی فراخدستی و کشادہ دلی نہ تھی۔ چار پانچ ماہ کی اقامت کے لیے اسی قدر کافی ہوگا، جو پہلے عنایت ہوا تھا۔ امید ہے کہ آپ یہ رقم روانہ فرمائیں گے۔ ''وور باب آخروی تاملی بسزا فرمودہ شود۔''

اسداللہ، ہم رمضان سہ شنبہ۔

(11)

شرح صدر: ''حضرت قبلہ گاہی... '' دربار وغیرہ کا حال لکھ چکا ہوں، اور یہ بھی کہ رپے کس طرح فراہم ہوں۔ آج پنجشنبہ 13 رمضان ہے، ایک خط 'پاشکستگان وطن' کا آیا ہے، ہر چند کہ لکھوانے والوں کا 'مذاق آ گہی'؟ خام ہے، اور نویسندہ سلیقۂ اظہار مدعا نہیں رکھتا، اتنا معلوم ہوا کہ وہاں کی 'داوری گاہ' میں مقدمہ 'روبکار' ہوا اور 'فرمانده' نے اپنے کارپردازوں کو جستجو (...) پر مامور کیا۔ یقین ہے کہ چند دنوں میں وکیل یا 'کارفرما' کا خط آئے۔ رسیڈنٹ 2 شعبان کو دہلی پہنچا، 5 کو 'دادنامہ' 'دادگاہ' میں گزرا، اور یہ خط جواب جاتا ہے 29 شعبان کا ہے۔ مصلحت ہے کہ آپ منشی محمد حسن کو ایک دوستانہ خط لکھ کر حالات معلوم کریں۔ 'کارفرما' ذرا 'کاہل قلم' ہیں اور یہ 'غرور یکدلی' کی وجہ سے ہے، ورنہ ان کی دوستی کا کئی بار امتحان ہو چکا ہے۔

رات ایک غزل کہی ہے ''چوں مطلع آن... داشت طراز خاتمۂ عبودیت نامہ'' ہوتا ہے:

لذت عشقم بفیض بے نوائی حاصل است
آنچناں تنکست دست من کہ پنداری دل است

13 رمضان پنجشنبہ پھپھی (عمہ) کا خط جو دہلی سے آیا ہے ملفوف ہے، پڑھنے کے بعد چاک کر کے سپرد آب و آتش ہو۔

(12)

قبلہ گاہا، جان بیلی جو اعظم و ارفع اجزائے کونسل ہیں، برہما گئے تھے، کلکتہ آ گئے۔

لارڈ بنٹنک گورنر شکار کو پورب گئے تھے آج واپس ہوں گے۔ ایک 'معتمد' کہتا تھا کہ 'اچانک' واپسی ہوئی۔ راجہ اودت سنگھ بنارس ایک جماعت کے ساتھ جاہ مندانہ وارد کلکتہ ہیں، مشتہر یہ کیا ہے کہ جگن ناتھ جاتا ہوں، لیکن دراصل اس لیے آئے ہیں کہ صاحبان نے ان کی عملداری کے لیے جو نیا قانون بنایا ہے، وہ اس پر راضی نہیں، وہ اس کی تبدیلی چاہتے ہیں۔ اور یہ بجا بھی ہے کہ اس سے ان کی سطوت فرماں روائی کی بربادی ہے، مگر قانون بدلے گا نہیں۔ اگست میں گورنر مع اعیان کونسل واشخاص دفتر خانہ عازم ہندوستان ہوں گے اور وہاں کے معاملات وہیں طے ہوں گے۔ دادخواہ لکدکوب رسیڈنٹ وایجنٹ سے بچیں گے۔ اوائل فروری میں ایجنٹ لامحالہ دہلی پہنچ گئے ہوں گے۔ صاحب سکرتر کو مجھ سے التفات تام ہے، بسبیل مطائبہ کہتے تھے کہ اب آپ لوگوں کو رزیڈنٹ سے ایمنی ہے، جناب لارڈ صاحب ہر مقدمے کا خود فیصلہ کریں گے۔ مولوی ولایت حسن خان دورے سے واپس آکر دو چار دن کے بعد پھر گئے۔ مجھے بعد کو خبر ملی ورنہ ان کے پاس جاتا۔ علی اکبر خان طباطبائی سا صاحب دل بنگالہ میں نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ 'گرامی گوہر' کس کان کا ہے۔ ہگلی سے آتے ہیں تو میرے یہاں ضرور آتے ہیں۔ "(.....) ایں دیار از راہ حسد با من در افتادہ بودند۔" انھوں نے میری مدد کی۔ ان کی چھوٹی بیٹی کی شادی درپیش ہے، مجھ سے فرما گئے ہیں کہ میں طلب کروں تو ایک ہفتے کے لیے میرے یہاں آکر رہو۔ اس کا منتظر ہوں، ظاہراً ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ ان کے دو رقعے ملفوف ہیں کہ آپ ان کی خاکسار نوازی سے آگاہ ہوں۔

(13)

"قبلہ گاہی... "۔ جمعہ 29 ربیع الاوّل تھی کہ مولوی ولایت حسن کا آدمی ان کا اور آپ کا خط لایا۔ آپ کی اور آپ کے بھائیوں اور عزیزوں کی خبر معلوم کر کے خدا کا شکر بجالایا۔ مولوی صاحب کے خط میں ہے کہ دو سو روپوں کے تین قطعہ نوٹ "مطابق زبان ایں دیار" آپ کے ارشاد کے بموجب مرسل ہیں۔ حیرت ہے کہ آپ کے خط میں اس کی طرف اشارہ نہیں، اور یہ بھی بدیہی کہ یہ آپ کے ایما کے بغیر نہیں۔ ایک صورت یہ کہ آپ نے انھیں میری 'پرورش' پر مامور کیا ہے، یہ ہے تو اس کا ادا کرنا ضروری ہے، خواہ آپ ادا کریں یا میں خود۔ دوسری یہ کہ روپے آپ کی طرف سے ہیں، 'کاروبار اجارہ' میں آپ کو نقصان ہوا ہے، اسے دیکھتے ہوئے،

ضمیر پراگندہ ہوتا ہے، لیکن ''چوں حاجت حودرا قوی تر وخودرا درماندہ تر می نگرم، درقبول آن (...) ''اگرچہ یہ جاس ہوں کہ ''ہیچ تاب تقاضائے سرکار'' میں روپے بھیجنا آسان نہ تھا۔ حق یہ ہے کہ یہ رپے نہ آتے تو سخت مشکل کا سامنا ہوتا۔ اب ''بین السفر والاقامت'' تردد نہیں، اس لیے گھوڑا 150 میں بیچ دیا۔ ایک سائیس اور ایک خدمت گار کو برطرف کردیا ہے، اور تین خدمت گار اور ایک کہار اس وقت میرے پاس ہے اور میں خود آدھا آدمی ہوں، اس لیے کہ اور لوگ دن بھر میں کم ازکم دوبار کھاتے ہیں (...) بیع اسپ کے بعد پچاس روپے صرف میں آئے، سو روپے باقی تھے، فکر تھی کے جاڑا آگیا، کمبل وغیرہ کی ضرورت ہے، آپ کی دست گیری نے اضطرار سے رہائی دی۔ قیمت اسپ ساز و برگ سرما کی فراہمی اور ربیع الثانی کے چار ہفتوں تک کے کام آئے گی اور دوسو رپے غرۂ جمادی الاول سے غرۂ رمضان تک وفا کریں گے۔ اس لیے کہ پچاس رپے ماہوار سے زیادہ خرچ نہ کرنا طے کرلیا ہے۔ پانچ مہینوں میں اگر مقدمہ انفصال کے قریب آیا تو ممکن ہے کہ سرکار سے قرض مل سکے۔ خدایگانا آج 'کواغذ مقدمۂ دہلی بھیجے ہوئے بیالیسواں دن ہے۔ اب تک جواب نہیں آیا۔ اس ڈاک میں خط تلف نہیں ہوتے، مکتوب الیہ 'ہمدمان یکدل' سے ہیں۔ اس انتظار میں ہوں گے کہ مقدمے کی ہدایت ہوجائے تو خط لکھیں۔ میر کرم علی کے نام کا خط ملفوف ہے، انھیں طلب کرکے مطا تیا سمجھا دیں کہ انھیں ''دخل فکر الہامی'' کی ضرورت نہ پڑے، ان کا جواب بھی اپنے خط کے ساتھ روانہ فرمائیں۔ ''برادران وعزیزان ونورچشمان'' کو ماوجب۔

(14)

'قبلہ گاہا' منگل 27 رجب کو ایک خط بھیجا ہے ''بر (...) یکشنبہ بود کہ بریدی از بریدان ڈاک رسید'' اور ربوبیت نامہ وصول ہوا۔ ''تاعنوان ... گشودہ شد نظارہ فروز رقتی موسومہ مخدومی (...) دام شوکتہ کہ درنظر جلوہ کرد چوں میدانستم کہ جناب ممدوح تشریف آوردہ بودند و بام رفتند ناگزیر نیاز نامہ (...) جناب میر صفات علی خان صاحب رقم زد، وآن گرامی نامہ را در دی نوردیدہ بملازمی دادم تا بہ اثالی بخدمت میر صاحب موصوف (...) ہنوز برندۂ آن نامہ معاودت نکردہ بود کہ آدم... مولوی ولایت حسن صاحب رسید ومنشور سرفرازی (...) نوک خامۂ جناب دلیتعمی درنوردعنایت نامہ جناب ممدوحی بمن رسانید... نوازشنامۂ جناب (...) قبلہ مرقومۂ بیست

ونہم جنوری کتابتی بود کہ ملفوف مکتوب لالہ کالجی مل سمت ترسیل یافتہ بود، بندہ خود در تفقد نامہ ازیں عبارت کہ (...) عرضداشت از جانب تو رسید، یکی را جواب پیش ازیں فرستادہ ام، حیرتی برداشتہ بودم کہ کدام پاسخ بمن رسیدہ، اکنوں پردہ از روی کار افتاد کہ ایں ہماں عنایت نامۂ موعود است۔'' بہر حال یہ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب دورے سے پھر واپس آ گئے ہیں۔ ''ناکامی روزگار گذشتہ'' کی تلافی کی اور ان کے پاس گیا، اس وقت انھیں کے یہاں ہوں اور یہ عرضداشت آپ کے پاس بالدا بھیجنے کے لیے انھیں حوالے کی ہے۔ نواب علی اکبر خان کے یہاں شادی میں شرکت کے لیے گیا تو آپ کا پیام ان تک پہنچاؤں گا۔ محمد اسداللہ، 4 فروری چہارشنبہ۔

(15)

قبلہ گاہا، روز ورود کلکتہ سے اس کا خوگر ہوں کہ مہینے میں دو بار آپ کا خط آئے، لیکن اس بار دو مہینوں سے خط نہیں ملا۔ صحت کا کیا حال ہے، اور معاملہ اجارہ دیہائے سرکار کی کیا کیفیت ہے؟ دہلی سے خط آیا ہے کہ کواغذ مرسلہ پہنچے، کارفرمائی (...) ہنوز وکالت سے قوت سے فعل میں نہ آئی تھی کہ داور دورے پر چلے گئے، ان کا انتظار ہے۔ یہ مجھ پر مجہول ہے کہ وہ جب تھے تو کارروائی کیوں نہ ہوئی۔ پانچ ماہ سے صاحب سکرتر کے سلام کو نہ گیا تھا لیکن ''یوم عید یوم الاکبر'' آیا تو ناچار جانا پڑا (...) شکایت کی اور وعدہ لیا کہ بعد ہفتہ عشرہ ان کی خدمت میں پہنچا کروں۔ میں خدا سے چاہتا تھا (...) اور نہ جانا شرم ناواقفیت حال مقدمہ کی وجہ سے تھا۔ مقدمے کے متعلق گفتگو ہوئی۔ 'انداز و ادا' سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اہالی کونسل (...) فائدہ سرکار کہ درضمن مشاہرۂ پنجاہ سوار کہ بحساب ہزار روپیہ ماہوار وجہ بیست و چہار سال بہ سہ لک روپیہ می رسد، .... امید تو ہے کہ کامیابی ہو۔ منشی ولایت حسن صاحب دورے پر گئے ہیں۔ جان بیلی صاحب ''اعظم وارفع صاحبان کونسل'' ہیں اور زمانہ سابق میں گورنر بھی رہ چکے ہیں، برہما گئے ہیں، اور بہنٹنگ صاحب گورنر شکار کے لیے پورب گئے ہیں، خبر ہے کہ دو ہفتوں میں واپس ہوں گے، ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ مولوی عبدالکریم میر منشی دفتر خانۂ فارسی آٹھ ماہ کی رخصت پر بہ عبور دریا عازم لکھنؤ ہوئے ہیں، اور عظیم آباد تک پہنچ چکے ہوں گے۔ ''از نوادر حالات آنکہ سخن فہمان ونکتہ رسان ابن دیار پس از ورود این خاکسار بزم سخن ترتیب دادہ بودند کہ در ہر ماہ شمسی،

انگریزی بہ یکشنبہٴ نخستین، سخن گویان و سخن فہمان در مدرسہٴ سرکار کمپنی فراہم شدندی، و غزلہا خواندندی وشنیدندی۔ ناگاہ سفیری کہ از طرف پادشاہ ہرات حرسہا اللہ تعالیٰ عن الآفات رسیدہ است، درآں انجمن حاضر گردید، اشعار پارسی گویان این گرامی..... شنید، مرا بابانگ بلند ستود، و گفت قدر ایں کلام را در ہندوستان کہ خواہد دانست؟ آنچہ تو می گوئی در خور آنست کہ فصحائے ایران ایں را بشنوند، وحظ بردارند۔ دیگر رو بجماعت کردہ گفت یاران ایں شخص درمیانہٴ شما مغتنم است، وقطع نظر از شعر وشاعری عالم زبان پارسی است۔ چوں طبائع بالذات مفتون خودنمایی ست، حسد بردند وکلانان انجمن وگرانمایگان (...) اعتراض نادرست برآوردہ آں رابنام بعضے از سفہا شہرت دادند، جوابہا یافتند، و پس بزانوای خاموشی نشستند (...) دام اقبالہ دریں داوری بامن ھم زبان بود، وشوریدگان را بحسن ادا فرونشاندہ چنانچہ فقیر (...) عرض عجز وانکسار خویش رقم کردہ است، وباوجود اظہار نیاز جوابہای اعتراض نیز موزوں ساختہ (...) غالب کہ بقالب طبع نیز ریختہ شود“ آیندہ جائے گی۔ میر کرمعلیٰ کے نام کا خط جاتا ہے۔ محمد اسد اللہ، 4 رجب۔

(16)

والا نامے کے جواب میں عبودیت نامہ غرہٴ ذی الحجہ کو مرسل ہوا، آج اس ماہ کی آٹھویں ہے۔ کل مولوی ولایت حسن آئے تھے۔ بڑی حیرت کی بات یہ ہے کہ ”حضور لامع النور نواب معلٰی القاب نواب ذوالفقار بہادر دام شوکتہ“ کا شقہ میری پانچ عرض داشتوں کے جواب میں موصول ہوا۔

17)

قطعہ ہنڈوی جو بعد تفتیش شاہ جوگ نکلی، حوالہٴ مولوی ولایت حسن ہوئی، اور دو سو روپے جس میں سے ”وجہ... چہل روزہ“ (.....) وصول ہوئے۔ سنیچر 27 شوال کو منشی عاشق علی خان بہادر میرے یہاں آئے۔ افسوس کہ وہ سفارت سے مستعفی ہو گئے ہیں اور دو ہفتوں سے ’بارگاہ‘ میں نہیں جاتے، بطور خود یہاں مقیم ہیں۔ دوران گفتگو میں بولے کہ منشی محمد حسن دہلی پہنچ گئے ہیں اور اپنے خدمات پر مامور ہیں۔ 28 شوال کو وکیل کا خط دہلی سے آیا، اس کے ساتھ نوازش نامہٴ مہری رسیڈنٹ بنام احقر تھا۔ اس کی ہو بہو نقل یہ ہے: ”خانصاحب مہربان سلامت۔ بعد شوق ملاقات واضح باد کہ خط آں مہربان درخصوص اظہار مطالبات بادیگر کاغذات مصحوب

پنڈت ہیرا لعل وصول نمودہ مندرجہ چہرۂ ایضاح گشود۔ مہربانا دریں مقدمہ بحضور اہالیان کونسل صدر حسن ترقیم یافت، بعد ورود جوابش بداں مہربان سمت تسطیر خواہد یافت، مرقومہ ہفدہم اپریل"۔ دوشنبے کے دن جو روز بار وکلا ہے، دفتر خانے گیا، رسیڈنٹ کا خط دکھایا، خداوند بارگاہ نے کہا کہ کولبروگ (کذا) صاحب کو یہاں سے 'جواب باصواب' گیا ہے۔ 'باصواب' خود ان کی زبان کا لفظ ہے۔ یہ بھی بولے کہ رزیڈنٹ کی نظر عنایت آپ پر ہے اور قریب ہے کہ ان کی تحقیقات کی رپوٹ یہاں آئے۔ کل کہ روز سہ شنبہ اور 30 شوال تھی خطوط لکھتا رہا، آج آپ کو لکھتا ہوں (...)۔

(18)

بیکسان پناہا، دو ماہ سے زیادہ ہوا کہ خط نہیں آیا، مولوی ولایت حسن سے 'استشعار' ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی منتظر خط ہیں۔ عرضی کونسل میں پیش ہوئی، ابھی جواب نہیں ملا۔ 'تازہ' یہ کہ مقدمہ صاحبان کونسل نے قبول کیا، لیکن یہ کہا کہ قاعدے کے مطابق پہلے رسیڈنٹ دہلی کے پس پیش ہونا چاہیے۔ میں نے کہا کہ "سر و برگ سفر و تاب و تواں معاودت" نہیں، تو جواب ملا کہ وکیل کے ذریعے سے یہ کام انجام دو۔ وطن کے ایک دوست سے رجوع کیا، اس نے 'کارفرما' ہونا منظور کیا اور ایک وکیل مقرر کیا، میں نے مختار نامہ مع دیگر کاغذات دوست کو جو مجھ سے زیادہ مجھ پر مہربان اور مجھ سے زیادہ قاعدہ داں ہے، بھیج دیا ہے۔ "تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست" کامیابی کی امید تو بندھتی ہے۔ پسر احمد بخش خان جوان کا جانشین ہے، رندانہ زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کی شوریدہ وضعی "حکام واہل القوم" کے نزدیک ناستودہ ہے، شہری بھی اس کے اختلاط سے نفور ہیں۔ ایک امیر کلکتہ کی مہربانی سے ایک صاحب عالی شان نے کولبروک صاحب کے نام تو خط لکھ دیا اور وہ دہلی گیا، لیکن کوئی آدمی جو التفات حسین خان منشی کولبروک کو سفارشی خط لکھ سکے، یہاں نہ ملا۔ "التفات حسین خان (.....) مولوی عزیز اللہ نام بزرگیست" اگر آپ سے آشنائی ہو تو براہِ راست انھیں خط لکھ دیں کہ مقدمۂ اسداللہ خان جو بتوسط ہیرا لعل وکیل دائر ہوا ہے، 'این جانب' کا مقدمہ ہے، اگر آپ سے واقفیت نہ ہو تو حکیم سلامت علی خان سے ان کے نام کا خط لے کر دہلی بھیج دیں، یہاں ہرگز نہ آئے، اس میں دیر ہوگی۔ ایک خط بنام مرزا امیر بیگ خاں نواب ذوالفقار بہادر دام اقبالہ ملفوف ہے، اسے دیکھ لیں اور مکتوب الیہ

تک پہنچا دیں۔ محمد اسداللہ۔

(19)

''حضرت قبلہ گاہی...'' والا نامے میں القاب ہیں ''قبلۂ مہجوران سلامت'' یہ مغز جان کے لیے نشتر ہے اور مدت العمر یاد رہے گا۔ عرض داشت جو اخوی مولوی ولایت حسن کے خط کے ساتھ ملفوف ہے، میرے سوز سینہ کی پردہ کشا ہوگی۔ ''اگر بفرزندی مہر نمی دارند، غلامی خریدہ انگارند و خواہی نخواہی بتلافی 'قبلۂ مہجوران سلامت' القابی کہ دست آویز نازش ایں ننگ آفرینش تواند بود رقم فرمایند'':

گر تو مرا نخواہی من خویش را بسوزم
جائے کہ آب نبود روزی کے یاد باشد

''لختے بنیروی از وپارہ بسعی نظر، رپورٹ فرماندہ دہلی باضیمہ حکم...'' حاصل ہوگئی ہے اور اس خط کے ساتھ ملفوف ہے۔ مکتوب وکیل ابھی دہلی سے نہیں آیا(...) لیکن مضمون صفحۂ راز کے خبر ملتی ہے کہ ''درنگ مکتوب وکیل مبشر است بہ نندر(؟) ہفتۂ گذشتہ(...)۔

475 رپوں کی ہنڈوی اکبرآباد سے آئی، رپے وصول ہوئے اور جواب اکبرآباد(...)، ابھی تک آپ کے عطیے میں سے کچھ باقی ہے، اور قبل ''خرامش کاروان کونسل'' کامیابی کا امیدوار ہوں۔ خاطر جمع رہے کہ اب ایسا اضطرار نہیں کہ اہالی بزم نواب کے آگے بگدائی ہاتھ پھیلاؤں۔ امید ہے کہ اس جماعت سے اس معاملے میں گفتگو نہ کریں مگر اسے اس راز کا محرم بھی نہ بنائیں۔ منشی عاشق علی خان یکم ذی الحجہ کو براہ دریا کلکتہ سے روانہ ہوئے۔ جہت سفر مجھے معلوم نہیں۔ حکیم ظفر علی خان جو اشراف فیض آباد سے ہیں، ان کی جگہ عہدۂ سفارت پر لکھنؤ سے آئے ہیں۔ مولوی عبدالکریم رخصت ہشت ماہ پر لکھنؤ گئے تھے، واپس آرہے ہیں اور عظیم آباد تک پہنچ چکے ہیں۔ غالباً اس مہینے کے آخر تک یہاں آجائیں گے۔ منشی محمد حسن دہلی پہنچ کر اپنے عہدے پر قائم ہیں۔ نواب علی اکبر خان بہادر کشاکش حکام سے فارغ ہیں اور ''اغلب واکثر'' آم بھیجتے رہتے ہیں۔ اسداللہ۔

(20)

عنایت نامہ ملا، حسب الارشاد مزار کثیر الانوار جناب اقضی القضات پر جانا ہوا، مکتوب

اسی میر کرم علی سے معلوم ہوا ہوگا۔ خط لکھنے میں دیر تساہل سے نہ تھی، چاہتا تھا کہ کوئی قابل تحریر امر ہو تو لکھوں۔ گرام می نامے کے وصول ہونے کے بعد عرض داشت جناب بیگم صاحبہ و قبلہ (...)۔"

ایک دوست نے راہنمائی کی اور دولت سرائے مخدومی مرحومی میں ایٹالی گیا۔ پہلے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا۔ "بیاد عہد (..) ولختی بر بیکسی خویشتن گریستم" عریضے کو حرم سرا میں بھجوایا۔ مولوی غلام علی مجھے حرم سرا میں لے گئے اور بیگم صاحبہ نے بے توسط پردے کے پیچھے سے بات کی۔ آپ کا حال پوچھا، میری کیفیت دریافت کی، اور یہ کہا کہ میرے بھانجے مولوی ولایت حسن موجود نہیں، وہ آئیں گے تو آپ کے پاس جائیں گے اور اس گھر میں آپ کے ٹھہرانے کا انتظام ہوگا۔ بازار سملا شہر اور بارگاہ حکام سے دور ہے۔ اس کے بعد جناب مخدومہ ممدوحہ کے در دولت پر حاضر نہیں ہوا، اور میر ولایت حسن ابھی تک دورے سے واپس نہیں ہوئے۔ ایک 'معتمد' صبح کو کہتا تھا کہ آج آئیں گے آج سہ شنبہ 14 شوال ہے۔ میں کاغذات کی نقل کی فکر میں رہا، یہ دشوار نظر آیا تو اس سے درگزرا اور ان کو اغذ کو خصوصاً اور دفتر سرکار کو عموماً مقدمے میں بطور ثبوت قرار دیا۔ ایک عرض داشت مشتمل بر ماجرائے بیست سالہ لکھی، دوشنبہ 13 تاریخ کو روز دربار ہے اور مجموع سفرا و وکلا و اہل بار اس دن فریزر صاحب سے ملتے ہیں۔ ان کے پاس پہنچا۔ یہ ایک صاحب عالیشان ہیں اور اس درگاہ کے 'بواب' بلکہ بمنزلۂ باب ہیں۔ وہ کل اہل حاجات اور صاحبان کونسل کے درمیان واسطہ ہیں۔ عرائض پہلے انھیں کے پاس پہنچتے ہیں، اور وہ ان کا انگریزی ترجمہ صاحبان کونسل کو پیش کرتے ہیں۔ میں مع عرض داشت موسومۂ نواب گورنر بعد اطلاع ان کے پاس پہنچا۔ اٹھے اور معانقہ کیا۔ میں نے مجملاً حال بیان کیا، نصر اللہ بیگ خان، میرے چچا کا نام سنا تو بولے کہ میں انھیں جانتا ہوں، آپ ان کے کون ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ ان کا حقیقی بھتیجا ہوں۔ عرضی گریبان قبا سے نکال کر پیش کی، رزیڈنٹ کی خدمت میں عدم ارجاع کا عذر قبول ہوا۔ فریزر صاحب کو اختیار ہے کہ اگر کسی مقدمے کو کونسل کے قابل نہ سمجھیں، خود جواب دیں۔ وقت رخصت عطر و پان اپنے ہاتھ سے دیا اور تمام قد کرسی سے اٹھ کر میرا سلام لیا۔ ان امور کے وقوع کو احیائے اموات سمجھتا ہوں، جو ہوا ہرگز گمان میں نہ تھا۔ (...) میرزا یوسف دیوانہ سرشار تھے، سراپا برہنہ رہتے اور

ماں کو ماں نہ کہتے (...) 27 رمضان کو ان کا خط ملا، القاب و آداب ہوش مندوں کی طرح لکھتے ہیں۔ خوشی سے زارزار رونے لگا۔ اس کے بعد 'خط خانگی' دیکھا تو لکھا تھا آپ کے جانے کے بعد ہم سب ڈرتے رہتے تھے اور دن رات ان کے نالہ وفریاد اور زد وگشت سے بری طرح گزرتے تھے۔ ایک سرکار شاہ کا فیل بان ایک خادمۂ محل کے ذریعے بہم پہنچا، وہ کہتا ہے کہ میرزا پر جادو ہوا ہے۔ اس کے کہنے سے شہر کے باہر ایک درخت کی جڑ کھودی گئی اور ایک کنواں ڈھونڈا گیا، اس نے جو کچھ بتایا تھا، وہاں ملا۔ اس کے معالجے سے انھیں قدرے افاقہ ہے، چنانچہ کپڑے پہنتے ہیں، ستر عورت کو چھپاتے ہیں، بول و براز سے احتراز کرتے ہیں، کھانا دسترخوان پر کھاتے ہیں، اور زن و دختر و مادر کو زن و دختر و مادر سمجھنے لگے ہیں۔ ''باللہ صحت اور اگرامی تر از زندہ گشتن پدر مردہ دانستہ ام۔'' امید ہے کہ آپ اسے اپنا فرزند سمجھ کر مسرور ہوں گے۔ میر کرم علی صاحب کو بھی اس کی اطلاع ہو:

گر کسے شکر حق فزوں گوید
شکر توفیق شکر چوں گوید

(22)

29 ذیقعدہ روز جمعہ تھا کہ ربوبیت نامہ وارد ہوا، دل بہت پریشان تھا اور میں آپ کی کرامت پر ایمان لایا۔ 20 رمضان کی دوپہر تھی کہ آپ کا پہلا خط لے کر ایک دوست کی رہنمائی میں فاتحہ خوانی کے بعد، بیگم صاحب کے یہاں پہنچا۔ کچھ لوگ جو اس در دولت کے متوسل تھے، مجھ سے پرس وجو کرنے لگے، ہر چند میں نے کہا کہ اس سفر میں مولوی محمد علی خان صاحب سے پہلے پہل ملا ہوں، مگر قبول نہ کرتے تھے، اور مجھے آپ کا رشتہ دار سمجھ کر اندیشہ کرتے تھے کہ میں خصومت کے لیے آیا ہوں۔ بعد کو مولوی غلام علی برادر زادۂ بیگم صاحبہ آئے (...) ''ہر چہ گفتند یکی از آن مفہوم کتب (کذا) و تردد در ارسال آن بود بنوعی کہ ما میخواستیم بفرستیم، و برندہ بہم نمی رسد۔'' میں نے جواباً کہا کہ یہ خط کلک مشکیں رقم کی تراوش ہے، مجھے زحمت کیا ہے، اگر حصول کتب کا طریقہ بتایا جائے تو میں انھیں اپنے پاس رکھ لوں گا، اور وقت معاودت حوالے کردوں گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتابیں 'یکا یک' نہ دیں گے۔ مولوی ولایت حسن اوائل شعبان میں دورے سے واپس ہوئے، آپ کا خط بیگم صاحبہ کی خدمت میں

پہنچاؤں گا، اور جو بات پہلے کہی تھی، پھر کہوں گا۔ علی اکبر خان ہگلی میں ہیں، تین بار وہاں گیا ہوں، اور وہ بھی ایک بار جب کلکتہ آئے تھے تو میرے یہاں تشریف لائے تھے۔ کافر ہوا گر دہلی سے کلکتہ تک ایک، 'معمر امیر' اس ''لطافت طبع، نزاکت ادا، حسن بیان، فہم درست اور مشرب صاف'' کے ساتھ دیکھا ہو۔ یہ 'مہذب' بھی ہیں اور 'مہذِب' بھی، مگر مولوی محمد علی خان کہاں کہ میرے سے شخص کے کام آئیں۔ آب و ہوائے کلکتہ مجھے سازگار ہے، شدت گرما میں ناریل کا تازہ پانی 'باضافۂ قند و نبات' مفید ثابت ہوا۔ آج کل برسات کا موسم ہے، میں نے اس کا استعمال ترک کردیا ہے۔ عوارض بدنی کی شکایت نہیں، بلکہ یہاں دہلی سے بہتر ہوں۔ افضل بیگ ''ازیاران و معاشران و ہم صحبتان راقم'' یہاں وکیل اکبر شاہ ہیں، ان کی اور منشی عبدالکریم کی دوستی ہے، بلکہ دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔ افضل بیگ خواجہ حامی کے سالے ہیں، اور یہ وہ شخص ہے جسے احمد بخش خان نے میرے چچا کا رشتہ دار بتا کر میرا شریک قرار دیا تھا، اور میرے مقدمے میں ایک درخواست یہ بھی ہے کہ اس کی شرکت غلط ہے۔ افضل بیگ مجھے مجمع اہل تسنن میں رفض و غلو اور امامیہ میں الحاد و زندقہ (.....) لیکن اس سے میرا کچھ نقصان نہیں ہوا۔ ''وقت ملاقات فریزر صاحب چہ رنگینیہا از مولوی عبدالکریم سرزدہ بود، اما اعجاز علی ابن ابی طالب را نازم کہ فریزر صاحب بامن در ملاقات و مشایعت بجا آورد، و معانقہ و عطر و پان را کہ اعم و اضعف از انست کہ می پرسد۔'' پہلی ہی صحبت میں عرضداشت لی گئی، اور مطابق قاعدہ حوالۂ پاٹن صاحب ہوئی۔ ان کا کام فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کرنا ہے، فریزر صاحب ترجمے کا اصل سے مقابلہ کرکے کونسل میں پیش کرتے ہیں۔ گذشتہ دوشنبے کو میں ان سے ملنے گیا تو ادائے تعظیم و پرسش مزاج کے بعد انھوں نے ترجمہ دکھا کر کہا کہ مقابلہ کرچکا ہوں، اور اب یہ صاحبان کونسل کے پاس پہنچے گا۔ تمھارا حق سرکار پر ثابت ہے، اور اہالی سرکار کو حق دار کا حق دلانے میں محابا نہیں۔ کونسل میں عرائض کی پیشی کے لیے پنجشنبہ اور جمعہ مقرر ہے، آج جمعہ ہے، شاید عرضداشت کونسل میں پیش ہوچکی ہو۔ اندرو استرلنگ صاحب ''قوس عروجی کونسل'' کے لیے 'نقطۂ ہدایت' اور 'قوس نزولی' کے لیے 'نقطۂ نہایت' ہیں۔ سنا ہے کہ سرمایۂ علم و آگہی رکھتے ہیں، سخن فہم ہیں اور لطف سخن تک پہنچتے ہیں۔ میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جس میں کچھ اپنا حال بھی نظم کیا تھا، بغیر کسی دوسرے شخص کی سعی کے ان کی ملاقات 'بردلش گزیدہ' میسر

آئی۔ ''اعتبار خاکسار یہا افزود، وامید کامیابی (.....) '' قصیدہ پیش کیا، اور اس کا کچھ حصہ سنایا، محظوظ ہوئے اور دلجوئی کی۔ ''وعدہ ہا داد و کاغذ ہائے مقدمہ مرا(...) '' اس کے بعد پھر ملنا نہیں ہوا۔ فریزر صاحب ان کے پیشکار و پیشدمت ہیں۔ کچھ مقدمے رجوع کونسل کے لیے جمع ہو جاتے ہیں تو ''فریزر صاحب (.....) دادخواہان بوی عرضہ میدارند و او بآن مدعیان فراخور اندازہ و مقدار ہر یک ملاقات میکند'' قابل سماعت اور ناقابل سماعت مقدموں کو جدا کرتے ہیں۔ اس وقت 'نوید پر نوید' ہے۔ افضل بیگ نے ایک بات اور کی، شعرا میں شہرت دی کہ غالب، قتیل کو ناسزا کہتا ہے، اور شعرائے کلکتہ کو نظر میں نہیں لگاتا۔ ''ہمہ را بر من بشورانید، وخلقی را با من معارض گردانید'' مولوی عبدالکریم کے ایک رشتہ دار نے خاص طور پر میری تذلیل و تخریب کی غرض سے ''انجمن بنا نہادہ و مشاعرہ قرار داد۔'' شعرائے ریختہ کو مصرع ریختہ، شعرائے فارسی کو مصرع فارسی، اور مجھے دونوں بھیجے۔ یکشنبۂ گذشتہ 8 جون کو میں بھی گیا، اور دونوں زبانوں کی طرحی غزلیں پڑھیں، خاص و عام متلذذ ہوئے اور مصنفین کے ایک گروہ نے کہا کہ ''ہر کرا این مایہ فصاحت، قتیل چہ بلاست؟ بل اگر بر گذشتگان دگر چوں اسیر و بیدل و امثال ا۔نہا ناز کند، میرسدش و می زیبدش'' خدا کا شکر کہ جس ہنگامے کی غرض میری رسوائی تھی، وہی باعث شہرت و اظہار کمال ہوگیا۔ آب و ہوائے کلکتہ سے خشنود ہوں، اگر مقدمے کا آغاز اچھا نہ ہوتا تو آج میں حیدرآباد یا ایران میں ہوتا، ہرگز یہاں نہ رہتا، اسپ و متاع بیچ کر قلندرانہ آوارگی اختیار کرتا۔ امید نے یہاں اقامت کی قوت بخشی۔ ''مخفی نخواہد بود کہ فقیر بچہ بے سروسامانی از وطن (.....) خانہ را پاک رفتہ، وترک وطن واہل وطن گفتہ، چو در باندا رسیدم دو ہزار روپیہ از نواب (.....) خرابی دادہ۔ ماخوذ اندیشیدم کہ غالب ایں ہمہ غنیمت است۔ کرو برد (کذا) اگر مقدمہ بہ کلکتہ نخواہد شد (.....) رخت قلندری ببر خواہی کرد و سرتا سر آفاق خواہی گردید، (.....) یک ماہ بودہ پارہ از بایستیہای زمستان گرد آوردم و..... کلکتہ رسیدم روز و رود (.....) شش صد بود، شعبان و رمضان وشوال وذیقعدہ گذشت، اینک ذی الحجہ رسیدہ است (.....) از فلک نریزد تا دو ماہ دیگر از فکر روزی فارغم۔ توقع موہومی بدستگیر یہای نواب داشتم، اما (.....) چہ ہرگاہ نامہ بجناب فرستادہ ام، اول مکتوبی بخدمت نواب، و دیگر اخوان و احباب خط جدا (.....) اگر بخدمت پنج عریضہ رسیدہ اند، درآن انجمن نیز پنج عریضہ رسیدہ اند،

اما صدای برنخاستہ۔'' حتیٰ کہ میر کرم علی نے ''اتنی کو چک دلی وگرم خونی'' کے باوجود جواب نہ دیا۔خیال تھا کہ ہزار روپے اور قرض مانگوں، لیکن امید کا وجود موہوم ہوگیا۔ ذرا آپ تنہائی میں میر کرم علی سے دریافت تو کریں کہ نواب اور ان کے مقرب میرے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ مقدمے کا حال ان سے پنہاں نہیں، کوہ وکاہ کا مقابلہ ہے۔ اگر نواب کی مدد رہی تو ''دود از نہاد احمد بخش خان و ہوا خواہانش برمی آرم۔ ہرگز لطفی نکردو لا نعمی نگفت۔'' آپ تحقیق کر کے ان لوگوں کی خاموشی کی وجہ لکھیں۔ ''فرصت دو ماہ آں قدر ہا نیست، ناچار ہم از ینجا ویرانہ خود رابکادم..... ہر چند دو ماہ را روزان وشبان بسیار است، اہل توکل (...) اگر ہمہ در وعدۂ قتل یک شب درمیان باشد نمی ترسند، اما بشریت اقتضای ذاتی دارد کہ آدمی را گاہ در تصور ماضی افگند و صور مستقبلہ را بر ضمیرش ارتسام می دھد ورنہ در حقیقت ماضی و مستقبل جز حال نیست، و حال خود نقطہ ایست موہوم کہ از گردش فلک فرض کردہ اند وہم چناں گردش افلاک نیز کیفیت از عالم وہم وخیال، لاموجود فی الوجود (...) واز موثر فی الوجود الا اللہ۔''

(23)

تین ہفتے گزرے کہ پنج شنبے کے دن مولوی ولایت حسن آئے اور بولے کہ برسرِ راہ ہوں اور دورے پر جارہا ہوں (...) جسر جاؤں گا۔ دروازے تک مشایعت کی اور خدا کے سپرد کیا۔ وقت رخصت کہنے لگے کہ میر صفات علی خان (...) میرے دوست (...) ''جانشین و وکیل'' ہیں، خط بھیجنے کا طریقہ وہ بتائیں گے۔ آپ کو خط کا انتظار تھا، ان کے پاس آدمی بھیجا تو معلوم ہوا کہ کل باندا سے خط آیا تھا، جسر بھیجا گیا، میرے نام کا خط اس کے ساتھ ملفوف ہوگا۔ آج سہ شنبہ 17 جمادی الاولیٰ ہے، میر صفات علی خان کا آدمی آیا اور مولوی ولایت حسن کا خط لایا، کھولا تو آپ کا خط نکلا۔ ''پیش نکشتن مقدمہ در دہلی بتازگی دل را شورش کدہ ساخت۔'' ''ارباب اربعۂ کونسل'' نے دہلی جانے کا حکم دیا تو میں نے مسٹر اندر و استرلنگ سے فریاد کی۔ جواب ملا کہ نہ جانا ہو تو نہ جاؤ، مقدمہ وہاں بھیج دو۔ مجھے تامل ہوا تو بولے کہ کیا سوچتے ہو، مقدمہ قابل سماعت ہے، کوئی وجہ نہیں کہ رزیڈنٹ نہ توجہ کریں۔ اس سے دل کو اطمینان ہوا۔ گھر آیا تو یہ فکر ہوئی کہ کسے یہ کام سپرد کروں۔ دشمن 'جاہ مند' ہے، کہیں وہ شخص اس سے نہ مل جائے۔ آخر مولوی فضل حق ابن مولوی فضل امام کی طرف دھیان گیا جو منشی برکت علی خان مرحوم

کے اقربا سے ہیں اور آج کل ''سررشتہ دار دیوانی وفوجداری ضلع خاص دہلی'' ہیں۔ خدا انھیں زندہ رکھے اور پایہ ہائے بلند کو پہنچائے۔ میں نے انھیں لکھا کہ وہ اس کام کو اپنے ذمے لیں اور وکیل مقرر کر کے مطلع کریں۔ ''بالجملہ من کواغذ مقدمہ باعرضی دستخطی کونسل و خط صاحب سکرتر کونسل کہ محتوی ایمای شمول رزیڈنٹ در مبادی مقدمہ بود برائے استواری بنائے مقدمہ وچٹھی صاحب عالیشانے بنام کولبروک صاحب و خط مخدومی نواب علی اکبر خان بہادر موسومہ منشی التفات حسین خان، ابن مجموع کاغذ پارہ ہارا در ورقی نوردیدہ خود بڈاک کدہ رفتم و صاحب ڈاک واہالی ڈاک رابر جمیع آن کواغذ گواہ گرفتہ وسرنامہ رادر حضوراناں بلک فروبستہ، چوں وزن آن لفافہ گرفتہ شد بدہ روپیہ برآمد، محصول ڈاک انگریزی برائے روانگی دہلی یک روپیہ سنک (کذا) بیک روپیہ میرسد، دہ روپیہ محصول ڈاک سربسر گزاردہ، و رسید ڈاک گرفتہ باخود آوردم۔'' یہ سہ شنبہ 14 صفر کی بات ہے، مولوی فضل حق کا خط آیا، مضمون یہ کہ مختار نامۂ مہری بے دستخط رجسٹری نہ بھیجا جائے، اور جو مختار نامہ گیا تھا، وہ رجسٹری کا طراز نہ رکھتا تھا، فوراً اسٹامپ لیا، مختار نامہ لکھا اور رجسٹری کرا کے روانہ کیا۔ ''چنانکہ سہ روز وانکی (کذا) این قطعہ چہارم ربیع الاوّل روز دوشنبہ است تا امروز کہ ہفدہم یا ہیزدہم جمادی الاوّل است (...) نہ خبری ازاں نامہ واثری ازاں ہنگامہ پدیدنیست۔' چارہ گر کا یہ حال ہے۔ بھائی دیوانہ، تین پردہ نشین خواتین، ان میں سے ایک کا شوہر نہیں، دوسری کا شوہر ہے، مگر وہ سالا ہے خواجہ حاجی کا۔ ''ہرآیینہ از وی وحشتی دارم (...) بفتوای خرد (...) نہ بدستوری وہم۔'' تیسری کا شوہر سادات دہلی سے ہے۔ ہر دانشمند (...) اقرار کرے گا کہ یہ شخص اہل جنت سے ہے:

آدم از خاک و سید از نور است

آدمیت ز سیداں دور است

اس میں صلاحیت نہیں، اسے اس پر مامور کیا ہے کہ اخبار مقدمہ سے آگاہ کرتا رہے اور اکثر مولوی فضل حق کے پاس جاتا رہے، لیکن اس کے جد امجد کے قربان کہ تین ماہ میں صرف ایک خط اس کا آیا ہے، اور اس میں بھی کسی بات کی نوید نہیں۔ انگریزی ڈاک کا خط تلف نہیں ہوتا، خاص طور پر جب صاحب ڈاک کی مہر ہو۔ سخت پریشان ہوں، 'منعم' کے پاس بھی نہیں جاتا، وجہ یہ کہ وہ مقدمے کا حال دریافت کریں تو میں کچھ نہ کہہ سکوں گا۔ 'کارفرما' کے متعلق کچھ

شک نہیں، ان کے تغافل کا البتہ شکوہ ہے۔ جانتا ہوں کہ وہ اس خیال میں ہوں گے کہ مقدمے کا آغاز ہو لے تو خط لکھوں۔ ''وخط منشی محمد حسن..... لامحالہ تاریخی یک ماہ پیش از امروز خواہد بود، اگر بعد تحریر این قطعہ مقدمہ در پیش کردانندہ باشد عجب نیست۔''

(24)

خط بتوسط اخوی مولوی ولایت حسن ملا۔ ہنڈوی لے کر خود بازار گیا، بالآخر اسے مولوی ولایت حسن کے سپرد کیا، اور جیسا کہ عریضۂ سابق میں ہے، رپے وصول ہوئے۔ ''سخن اینست کہ مرا(...) گرانمایگی چہار صد [صد کے اوپر ہزار مرقوم] روپیہ در نظر است.. چہ من ناظر آن کیفیت وجدائیم کہ سراپائے دل را فرو گرفتہ ومنشاء(...) یا آنکہ حق (...) خدمتی ندارم، سیما در عالمی کہ خود بہ پیچ وتاب خسارۂ اجارہ و رنج وتعب ومطالبۂ عوام پراگندہ خاطر خواہند بود... منت پرست طالع آوارگی ہائے خویشم کہ مرا در عرض این سفر منتہی وخداوندی دست بہم دادہ کہ مکرمت ہائے او جز رحمت ایزدی مشبہ بہ ندارد ہم از ینجاست کہ فارغ از تب وتاب ادای سپاسم... مرا در مدت العمر خواشتن دو جا اتفاق نازش پدر خواندگی افتادہ است، یک با میر ببر علی خان مغفور و دیگر باحضور مکرمت ظہور، حقا کہ ہر دو جا آثار عطوفت پدری باستیفا معاینہ کردم، جناب مغفور نیز پس از روزی چند شیوۂ تحریر گردانندہ و در القاب سہیم و انباز اخوی مخدومی میر وارث علی خان ساختہ بودند، ایدون از جناب چشم دارم کہ بدیں القاب یاد نشدہ باشم وبخطابی کہ برائے مولوی ولایت حسن ودیگر عزیزان موضوع است سرفراز گردم.....

خرسندیٔ غالب نبود زیں ہمہ گفتن
یک بار بفرمای کہ اے ہیچ کس ما

حالت استغنائے برادران ... (...) التفات نواب صاحب بحال این آوارۂ رنج ومحن آشکار شد... فرماندہ دہلی کہ در مکتوب اسمی من اشارہ باطلاع ثانی صدر (...) کہ مقدمہ مرا در نظرش استواری پدید آمد، وکواغذ عہد جرنیل لیک صاحب آنچہ در دفتر رسیڈنٹی (...) صدر طلبید، و اجازت تحقیقات این مقدمۂ بتجدید از صاحبان کونسل گرفت چنانکہ نواب گورنر بہادر (..) کونسل فرمان تحقیق وتشخیص وجوہ تظلم سائل باضافۂ لفظی کہ آن ترجمہ آن معنی زود وشتاب برمیخیزد (...) وکواغذ عہد جرنیل صاحب فرستادند و این معنی مرا بہ تگ و دو بسیار معلوم گشتہ چنانکہ نقل

رپورٹ فرماندہ دہلی باحکمی کہ ازینجا صادر گشتہ بجنسہٖ بکف آوردہ ام و... مسٹر انڈر واسترلنگ بہادر ہر آنچہ گفتند ہو بہو بودہ نست (کذا) بلکہ از انداز بیان خدیوحق پژوہ چنان می تراوید کہ گویا زمان رسیدن رپورٹ ثانوی نیز قریبست۔'' حقیقت جو معلوم ہوئی یہ ہے ''بعد رحلت عم مرحوم بیست ہزار روپیہ سالانہ در وجہ پرورش باز ماندگان و نوکری سوارانش بر احمد بخش خان... گردیدہ... بالجملہ دو ہزار روپیہ سالانہ در وجہ تنخواہ پنجاہ سوار است، و دہ ہزار روپیہ سالانہ کفاف..... میراث خوار'' 30 ہزار رپے جو میں سمجھتا تھا، غلط نکلا۔ انداز و ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام کو زر نوکری واران کی طرف التفات نہیں اور میرا اس میں گھاٹا نہیں، میں خود اس سے باز آچکا ہوں۔ ''گویا اہالی سرکار سواران منظور دارند خواہی از احمد بخش خان و خواہی از نصر اللہ بیگ خان، اما این دہ ہزار روپیہ نقد است در مستقبل و مطابق قوانین سرکار وصول باقیات سنین ماضیہ نیز بدیہہ است۔'' تحقیقات اب دو باتوں کی ہوگی، ایک میری اور میرے 'شرکا' کی 'بازیافت' جاگیر احمد بخش خان سے میں نے جو کچھ پایا ہے وہی بتایا ہے، اور مدعا علیہ بھی اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ دوسری خواجہ حاجی کا معاملہ، دیکھیے اس باب میں رزیڈنٹ کی کیا رائے ہوتی ہے۔ (...) ''بخواجہ حاجی و پسرانش رسیدہ اگر دو وجہ پرورش مجرانخواہد شد ہفت ہزار روپیہ سالانہ (...) تا امروز می باید، و بالفرض اگر برعایت تحریر سرکار گو ہمہ خلاف نمائی احمد بخش خان (...) نیز محسوب گشت، پنج ہزار روپیہ سالانہ منم ابتدائے سنہ 1806ء لغایت سنہ 1821ء بذمۂ خصم واجب (...)'' امید تو ہے کہ کامیابی ہو۔ میر کرم علی کے خط کا جواب نہیں آتا ''استخبار روبہ آن بظہور آمد جواب باسکوت منافاتی ندارد۔'' آیندہ خط مولوی ولایت حسن کے توسط سے نہیں، اس پتے سے بھیجیں: سملا بازار گول تالاب حویلی میر احمد۔ مولوی ولایت حسن آج کل یہاں نہیں ہیں۔ دو تین دن، میں 'عدم آباد' دہلی سے اگر کوئی خبر آئی تو کسی دن پھر خط لکھوں گا، اور اس کے ساتھ میر کرم علی کے نام کا بھی خط ہوگا۔ جواب نوازش نامہ اس کے ورود کے دن ہی جارہا ہے۔ سہ شنبہ 17 یا 18 جمادی الاولیٰ۔

(25)

''قبلہ خواہم یا پیمبر یا خدایا کعبہ ات اصطلاح شوق بسیار است و من دیوانہ ام''۔ 'ربوبیت نامہ' ملا۔ اپنا ایک شعر نذر ہے ''خرسندیٔ غالب الخ۔'' نامہ اسی مولوی ولایت حسن ان

کی ''خدمت رفعات درجت'' میں پہنچا دیا گیا۔ نواب علی اکبر خاں کے نام کا خط، وہ آئیں گے تو انھیں دوں گا۔ ان کا خط آیا تھا کہ بعد عشرۂ محرم کلکتہ آؤں گا اور تم سے ملوں گا، آج 8 محرم ہے۔ مخدوم واجب التعظیم مولوی عبدالکریم واپس آ گئے، مولوی ولایت حسن کہتے تھے کہ بعد عشرہ دورے پر جاؤں گا۔ ''ظاہراً شیوع فتنۂ قوانین جدیدہ ہنوز فرصتی میخواہد۔ صدر نشینی کہ ہنوز فرمانرواست ندانم کہ چہ دردسر دارد و چہ میکند۔ شنیدہ میشود کہ ہم انجمنان وی از گریز پہائے وی ستوہند و در مخالفتش با یکدیگر گروہ... گویند اہل سعایت یا ارباب درایت بکونسل رسانیدند کہ فرماندہان اطراف بطریق نذر رہ آورد ارمغان کہ از اقسام رشوت است ہزار ہا و صد ہزار ہا... میستانند فرمان... فرستادہ آمد کہ رسم نذر و پیشکش باطل و ارمغان و رہ آورد گو ہمہ سبدی از فواکہہ و طبقی از نبات باشد موقوف... بدیں مسبب منع رشوت ستانی حکام نتواں کرد... ہمت بلندان این قوم... جز تواضع از خلق نخواستدی... از تلخی این حکم رو درہم کشیدہ اند... و باعتقاد فقیر حق بجانب آنانست۔ چہ این حکم چارۂ درد رعیت نکرد و ہیبتی بحال حکام رسانید بالجملہ چوں قہرمان ['فرمان' چاہیے] رسم نذر برافتاد۔'' اس بارگاہ کی رسم تھی کہ عیدین اور روز بزرگ کے موقع پر کل وکلا اور اہل بار (...) ''دادگر مستر اندرو استرلنگ بہادر نذر پس میکشیدند اگر چہ پذرفتہ نمیشد اما نغز رسمی و نیکو (...) ''عمل میں آئی۔ غالب نے رباعی لکھ کر گزرانی... بہت خوش ہوئے اور بولے کہ ''زہی نذر مخلصان (.....) نہ منع میتواں کرد و لہ معاف'' رباعی ''سرتا بسود ہر باغ و بستان تو باد الخ۔'' حیرت یہ ہے کہ معاملات تنقیح طلب صرف دو ہیں، مگر ابھی تک دہلی میں اس مقدمے کی طرف فرمان دہ دہلی کو توجہ نہیں۔ اوسط اپریل میں یہاں سے حکم جا چکا ہے، وکیل کی تحریر اس پر مشعر ہے کہ 10 جون = ہفتم ذی الحجہ تک کچھ پرسش نہیں ہوئی۔ اس کے بعد سے 8 محرم تک کیا ہوا، مجھے علم نہیں۔ تہی دستی سے ایمنی ہے، اور کلکتہ کی آب و ہوا بھی مقابلۂ دہلی سے سازگار تر ہے، لیکن ''..... رپورٹ فرماندہ دہلی و عیار حکم صدر مقتضی درنگ نیست۔'' آپ منشی محمد حسن سے دریافت کریں کہ حکم صدر، اور نامۂ رسیڈنٹ اسی غالب کے باوجود اب تک کچھ کیوں نہ ہوا۔ مدعا یہ کہ اگر وکیل لاابالی ہے تو اسے متوجہ کیا جائے اور حاکم محابا کرتا ہے تو صدر میں اس کی شکایت کی جائے۔ نواب کا خط آیا ہے، محض شوقیہ، کوئی مطلب کی بات نہیں، اسے جواب ہی سمجھیے۔ ''تاریخ بنانے امام بارہ در جوار مزار حضرت اقضی القضات'' تاریخ مسجد کہ اسی امام

باڑے کے صحن میں ہے۔ 8 محرم روز شنبہ۔

(26)

''دریا بوجود خویش موجی دارد حسن پندارد کہ این کشاکش با اوست'' 10 جون مطابق 7 ذیحجہ تک باز پرس عمل میں نہ آئی تھی۔ اس کی وجہ کہ دشمنوں نے رزیڈنٹ پر تہمتیں لگائی ہیں اور وہ بالفعل امور مرجوعہ کی طرف متوجہ نہیں۔ الزام سے بری ہوگئے تو توجہ کریں گے، ورنہ کوئی دوسرا شخص ان کی جگہ لے گا۔ سنیچر یکم اگست کو لارڈ صاحب کا دربار عام ہوا، میرا المبر دسواں، نواب علی اکبر خان کی بغل میں تھا۔ اس کے بعد 'نواب معلی القاب' کے 'ہندوستان' جانے کی خبر شائع ہوئی، ستمبر میں دفتر خانہ براہ دریا جائے گا، اور آخر اکتوبر میں لارڈ صاحب ڈاک بادخانی جہاز سے جائیں گے۔ دخانی جہاز اس 'فرنگی' کے مخترعات سے ہے، اور کئی بار کلکتہ سے الہ آباد تک دو ہفتوں میں پہنچا ہے۔ خیال آیا کہ اس قافلے سے قبل روانہ ہونا چاہیے۔ 'داور' سے رخصت ہو چکا ہوں، اور باندا تک کے لیے کشتی مل چکی ہے (.....) وہاں سے براہِ خشکی دہلی جاؤں گا۔ آج جمعہ ہے، کچھ سامان کشتی پر لد چکا ہے، شنبہ 14 صفر مطابق 5 اگست سے لے کر دو شنبے تک کسی دن روانہ ہو جاؤں گا۔ نواب علی اکبر خان نے آپ کے خط کا جواب دیا ہے۔ 'عرصۂ دو ماہ' میں باندا پہنچوں گا۔ آپ کا خط میری روانگی کے بعد یہاں آیا تو موافق قاعدہ آپ کے پاس واپس جائے گا۔ اگر کوئی خط دہلی یا کلکتے سے میرے یا آپ کے نام کا پہنچے تو بعد ملاحظہ محفوظ رکھیں۔ دہلی کا خط اخوی مکرمی مولوی محمد فضل حق کا ہوگا اور کلکتہ کا خط مخدومی مولوی سراج الدین احمد برادر زادۂ مولوی عبدالکریم کا ہوگا۔ یہ ''اعیان دفتر خانۂ فارسی'' میں خود بھی شامل ہیں۔

(27)

''مربی بے کساں''۔ ''متاعی کہ دربار منت باشد کہ شایستۂ قبول دز و نباشد۔'' نواب صاحب بھی باہر جا رہے ہیں اور سمت مخالف، اس لیے باربردار کا انتظام مشکل ہے۔ آپ شحنۂ شہر کو جو مجھ سے نا آشنا ہے (...) کہوا دیں کہ بنارس تک نہ ہو تو الہ آباد تک کے لیے اس کا انتظام کر دیں۔ مشہور ہے کہ پنجشنبے کا سفر مبارک ہے، اس لیے کل روانگی کا ارادہ ہے، یہ نہ ہو سکا تو جمعے کے دن، علی الصباح حاضر ہوں گا اور شرف پابوسی حاصل کر کے رخصت ہوں گا۔ خطوط آج عنایت ہوں، تاریخ بداؤنی و رسالۂ تصوف واپس ہے۔ محمد اسد اللہ۔

(28)

''حضرت قبلہ گاہی۔'' کلکتہ کے لیے خط جاتا ہے، کسی نوکر کو حکم ہو کہ 'کدۂ ڈاک' تک پہنچادے، اور 'محصول' ادا کردے۔ غالباً شب کو حاضر ہوں گا۔

(29)

صبح ہنگامے میں اور نیم روز خامہ فرسائی میں گزرا، آخر روز ''نوید بساط اوس حضرت نواب'' ہے، شب کو دہن الحروع (کذا) نمک آب کے ساتھ پینے کا ارادہ ہے۔ زندگی ہے تو کل صبح حاضر ہوں گا۔ مکتوب موعود جاتا ہے۔ میرا نوکر ''جادہ شناس وقاعدہ دان ڈاک کدہ'' نہیں، خط دیکھ کر، اپنا نوکر اس کے ساتھ کردیں کہ محصول دے کر رسید حسب دستور لے۔ اسد اللہ۔

(30)

''اعلیٰ حضرت نواب صاحب قبلہ و کعبۂ کونین مدظلہ العالی۔'' یکم جمادی الاوّل جمعے کو باندا پہنچا، اور اسی دن (.....) آپ کا خط ملا۔ ''بے داور ماندن بزم آں داد کدہ (رزیڈنٹی)... عیانست۔'' ''فرانسس ہاکنس بہادر جاہمندی از حکام اربعہ دائر دسائر بہ دہلی رسیدہ... شکار دوست و بے پروا خرام افتادہ است، بدادخواہان نمی پردازد، وسر بسر کارہائے امروز بفردامی اندازد۔ وای اگر (.....) بہ دہلی رسیدہ باشم، مصداق مضمون 'تاتوبمامی رسی ما بخدامی رسم' گردیدہ باشم۔'' خیال تھا کہ بنارس جاؤں اور قافلہ وہاں سے آگے بڑھے تو اس قافلے کی 'گرد' بنوں، لیکن عقل نے اس کا فتویٰ نہ دیا۔ 9 ماہ رواں کو عازم دہلی ہوں گا اور پایان ماہ تک وہاں پہنچوں گا۔ اگر ممکن ہو تو مسٹر ہاکنس کے نام کا 'سپارش نامہ' اس 'قوم' کے عمائد میں سے کسی کا روانہ فرمائیں۔ ہر چند 'حکم صدر عیار کامل' ہے، خط کی غرض یہ کہ ایک 'داد خواہ گمنام' بے توجہی کا شکار نہ ہو۔ اگر کوئی صاحب جو مسٹر ہانکس بہادر کا آشنا اور آپ کا یا آپ کے کسی دوست کا دوست ہو، مل جائے تو 'سپارش نامہ' باندا مولوی محمد علی خان صاحب کے پاس بھیج دیا جائے۔
6 جمادی الاول چہار شنبہ۔

(31)

''جوہر جان گرجامی فدای خاک پای حضرت قبلہ گاہی ولینعمی باد، مدظلہ العالی۔'' سنیچر پہلی جمادی الثانی کو وطن پہنچا۔ لوگوں کا حال تباہ ہے۔ 'حاکم معزول' گوشہ نشین ہے اور فرماں دہ

حال لا ابالی، ایک 'اعادۂ جاہ' کا امیدوار دوسرا 'بیم سرعت زال دولت' سے پریشان۔ خبر ملی ہے کہ قافلہ بنارس تک پہنچ کر حسب الحکم کلکتہ واپس ہوا اور یہاں آنا ملتوی ہوا۔ میں نے مسٹر ہاکنس کی نقل مت میں قصیدہ پیش کیا؛ ''مطبوع طبع نکتہ داں'' ہوا۔ ''انجمیان با من حکایت کردند کہ ایں داور... تا امروز از ہیچ یک از اعیان دہلی التفات و اختلاط نکردہ، آری خلاف واقع نیست، چہ روز نخستین ملازمت تا یک ساعت نجومی ہا (کذا) بخواندن قصیدہ و پرسیدن اخبار کلکتہ و باز جستن وجہ تظلم ملتفت ماند... بزعم خویشتن سخن فہمست، چہ خوش بودی اگر لختی معاملہ فہم و ادا شناس نیز بودی... در ماہ اپریل سنہ 1829ء رپورٹ مقدمۂ من از دہلی بصدر رسید و ہم درآں ماہ جواہش صادر گردید۔ اتفاق چناں افتاد کہ رسیدن حکم صدر و ہنگامۂ معزولی حاکم و پریشانی شیرازۂ اوراق دفتر ہمہ دریک جزو زمان واقع شد۔ رسیدگی بخت من... خاص ہمان صفحہ را بے نام ونشان ساخت کہ طراز کامیابی غالب سیہ روز است۔ اہل دفتر... ورق ہا گردانند وآں ورق دست بہم نداد۔ صاحب سکرتر رسید نستی دہلی بمن میگفت کہ حالیا دریں مقدمہ بصدر نبشتہ ام و مثنای آن حکم... طلبیدہ۔'' بھائی کو جوافاقہ تھا، وہ ''رنگے از فنون جنون'' تھا۔ عین الیقین ہے کہ میرزا یوسف جب تک زندہ ہیں، بیمار رہیں گے۔ کیا قسمت ہے آتشکدہ ہائے یزد (...) و میخانہ ہائے شیراز تک نہ پہنچ سکا؛ جنت البلاد بنگالہ ہی میں رہنا ہوتا، مگر اس 'خارزار' اور 'غولستان' میں واپس آنا پڑا۔ واللہ در قائل: غالب چوز دام گہہ بدر جستم من الخ۔ لواب اور دیگر احباب کو کثرت آشوب پریشانی سے خط نہ لکھ سکا، اس خط کا ذکر نہ ہو، ورنہ ان لوگوں کو شکایت ہوگی۔ 15 جمادی الثانی 1245 ہجری۔

(32)

''حضرت قبلہ گاہی و لنعمی مدظلہ العالی۔'' 4 جنوری دو شنبے کو 'فرماں دہ دہلی' کا خط بنام جاگیردار فیروز پور روانہ ہوا، مکتوب الیہ یہیں تھا، اس لیے دیکھنے میں آیا۔ 'خلاصۂ تحریر' انھیں کے الفاظ میں:

> ''چوں برائے تحقیقات مقدمہ دعوی محمد اسد اللہ خان حکم صدر عالی قدر اصدار یافتہ، نقل عرضی خاں مرقوم... حوالۂ قلم محبت رقم میگردد کہ فحوای مضمونش و ارسیدہ، جواب شرحوار آن بزودی ارسال دارند۔''

ہنوز رسیڈنٹی سے ''اجرائے حکم صدر'' عمل میں نہیں آیا، لیکن 'داور' کی طبیعت میں 'حیف و میل' نہیں۔ ''حسن اتفاق اینکہ از اہل دفتر ہم کسی روشناس من نیست''۔ 'دفتر خانہ' کی بنارس سے واپسی، اور 'مہین داور' 'روشناس حقیر' کی آمد کا سال آیندہ پر موقوف ہونا محتاج بیان نہیں۔ مجھے رنج اس بات کا ہے کہ آپ کا خط نہیں آیا۔ قصیدہ جو مدح ''ناظم الملک مسٹر فرانسس ہاکنس بہادر ہیبت جنگ'' میں ہے، نقل کیا جاتا ہے۔

[اس کے بعد 27 شعر (ایک شعر کی جگہ شعر ہفتم کے بعد خالی، ممکن ہے کہ عکس میں نہ آیا ہو) شعر اوّل:

یافت آیینۂ بخت تو زدولت پرداز
جلوہ ہا ساز کن اے دہلی و برخویش مناز

مصرع آخر دیوان میں یوں ہے:

ہلہ کلکتہ بدیں حسن خدا داد بناز

اس کے بعد مجموعہ و دیوان دونوں میں چھ شعر یکساں، شعر ہفتم دیوان 'فرصت الخ' مجموعے میں ہوگا مگر ضائع، شعر نہم دیون، مجموعے میں یوں:

(. . .) بر خیال چمن کوئے او
بستہ بر دامن نظارہ ز فردوس طراز

دیوان میں مصرع اول اس طرح: ''چارلس متکف فرخندہ شمائل کہ بدہر۔'' اشعار 10 تا 21 دونوں میں یک طرح، شعر 22 مجموعے میں یوں ہے:

بندہ ام لیک دریں مرحلہ مہمان توام
کردہ ام طی بامید تو رہ دور و دراز

اس کا مصرع اول دیوان میں اس طرح ہے: ''یاد باد آنکہ ازیں مرحلہ تا کلکتہ۔'' شعر 23 مجموعے میں کسی قدر مختلف طور پر:

گر نہ آوازۂ عدلت شدی آہنگ حدی
ناقۂ من زرہ سعی نگردیدی باز

شعر 26 کا مصرع اول مجموعے میں اس طرح: بیست (دیوان 'ہفت') سالست کہ بایکدگر

آویختہ ایم۔'' اس کے بعد تا شعر 32 دونوں یکساں، اور 20 شعر جو دیوان میں ہیں، مجموعے میں نہیں، قرینۂ قوی ہے کہ مجموعے کا ایک ورق یا اس سے بھی زیادہ یہاں سے غائب ہے۔ دیوان میں قصیدہ بنام سرچارلس مٹک بہادر۔]

(33)

نقل رقعہ کہ جناب محمد اسداللہ خان صاحب عرف مرزا نوشہ بجناب نواب سید علی اکبر خان بہادر طباطبائی در خصوص فرمائش انبہ مفوضۂ خامۂ ندرت نگار فرمودہ وہو ہذا: ''قبلۂ محمدیان آفاق سلامت، ممدوح از ستایش مستغنی مادح در بیان نارسا، عرض نیاز فضولی و ابرام در اظہار شوق بدنا، چہ باید گفت تا آبروی خموشی فریزد، و چہ توان نوشت تا داغ کوتہ قلمی برخیزد۔ ہمانا کہ ایں عبودیت نامہ قماش سلام روستائی دارد، و دائرۂ ہر حرفش پرداز کاسۂ گدائی۔ لختی شکم بندہ ام و قدری ناتوان، ہم آرایش خوان جویم وہم آسایش جان۔ خرد پژوہان دانند کہ این ہر دو صفت با نبہ اندر است، و اہل کلکتہ برآنند کہ قلمرو انبہ ہوگلی بندر است۔ آری انبہ از ہوگلی وگل از گلشن ایثار از جناب و سپاس از من۔ شوق میسگالد کہ ہر آینہ تا پایان فصل دو سہ بار بخاطر خداوند خواہم گذشت و آزمینالد کہ حاشا بدیں مایہ تمتع خرسند خواہم گشت:

گلویم تشنہ و خوں (.........) ہے ساقی

بدہ نوشینہ دارئے کہ ہم آتش ہم آبستی

نخل مراد ہم بارو یاد وہم ثمر افشاں (...) دامان نگاہوابن بفرق درویشان ہواخواہ۔''

(34)

مخفی نہ رہے کہ میں کلکتہ پہنچا تو دہلی کے ایک 'نکوہیدہ سیر' شخص نے جو یہاں پہلے سے تھا، اور ''ارباب دیوان داد'' سے واقفیت رکھتا تھا، اس امر کو شہرت دی کہ ایک شخص نے جو دہلی سے ابھی آیا ہے، اپنا نام و تخلص دونوں بدلا ہے۔ ''اعیان بارگاہ را در اظہار اسم ابن ہیچ میرز، بخداوند دفتر کدہ تامل رو [یہ لفظ نامکمل، ممکن ہے کہ اس کے بعد ایک اور لفظ ہو جو ضائع ہوگیا] چار دیوان ریختہ کہ گرد آوردن آن رابیش از ہفت سال گذشتہ و معہذا مہری از مواہیر ابن روسیاہ کہ اسداللہ خان عرف مرزا نوشتہ نقش نگین وجلوۂ سال 1231 ہجری طراز دامن و آستینش بود، بر خاتمۂ اوراق آں سفینہ رقم آخر 'زباں بندی اعداد داشت' بخدمت سر حلقۂ افتاد دفتر کدہ

بشہادت فرستادم، وسوزِ سینہ را بدستیاری برگ گیاہ بر صفحہ بدیں رنگ جلوہ دادم":

"قبلۂ سعی ستم رسیدگان"۔ "تفرقۂ اسم و علم" کی گفتگو آئی تھی۔ میں دو سو 'فرسنگ' سے اس دادگاہ میں آیا ہوں، نہیں چاہتا کہ میری نسبت یہ کہا جائے کہ ایک 'مجہول الاحوال' شخص یہاں آیا تھا، جو ہر سال نیا تخلص رکھتا تھا اور ہر ہفتے نام بدلتا تھا۔ نقش خاتم خاتمۂ دیوان اور مقطع دیرین غزلیات دیدنی ہے، اور مسکت مدعی۔ میرا نام اسداللہ خان، علم مرزا نوشہ اور تخلص غالب ہے، لیکن یہ کلمۂ رباعی ہے او بعض بحور میں اچھی طرح نہیں آتا، لفظ 'اسد' کو جو مخفف 'اسم' اور کلمۂ ثلاثی ہے، کبھی کبھی بطور تخلص استعمال کرتا ہوں۔ "چشم دارم کہ داغ دناءت تبدیل اسم از دامن حال من بشویند و پس ازاں... بہر نامی کہ خوانند از من بسر دوید نست۔" مہر: اسداللہ خان عرف مرزا نوشہ۔

"از واردات جناب سابق الالقاب سن لوامع برقہ۔" میں کلکتہ آیا تو بہت لوگ نکتہ چینی پر آمادہ ہوئے۔ "جمعیتی خاص از برائے پراگندگی ساختند... بمہر باہم نشستند از ہر سو گرد آمدہ آن بزم را مشاعرہ نام نہادند و از تمہید این صحبت بر من منتی تمام نہادند۔" صحبت دوم میں میں نے غزل کے دس بارہ شعر پڑھے، حکیم ہمام کے مقطع سے اس کی زمین معلوم ہوگی:

درمیان من و دلدار ہمام است حجاب
دارم امید کہ ایں ہم زمیان برخیزد

ایک ہفتے کے بعد خبر ملی کہ ایک 'بے دانش' نے شعر ذیل:

جزوی از عالم و از ہمہ عالم بیشیم
ہمچو موی کہ بتاں راز میان برخیزد

پر یہ اعتراض کیے ہیں: 'ہمہ' لفظ 'عالم' کے ساتھ جو مفرد ہے، درست نہیں۔ "چار شربت و نہر الفصاحت خبری از آن ندارد"۔ 'بیش' کی جگہ 'بیشتر' چاہیے۔ رستن موی بر کمر معشوق عقلاً [بعض الفاظ ضائع]۔ 'رستن موی و سبزہ' کو برخاستن سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ اعتراضات و معترض کو میزان نظر میں تولا تو زحمت جواب کی ضرورت نظر نہ آئی، لیکن حق کی پاسداری [چند الفاظ ضائع] ناگوار گزرا اور صحبت سو میں میں اعتراضات کے جواب کا متعہد ہوا۔ اسی زمانے میں ایک 'گرانمایہ' شخص 'اعیان عجم' سے بطور سیر آیا اور اس مشاعرے میں منتظمین کی استدعا سے

شریک ہوا، دوسروں کے اشعار سنے، اور میری نوبت آئی تو باوجود ناآشنائی اپنے کو میرا مشتاق ظاہر کیا۔ ایرانی جو قبل سے کلکتہ میں موجود تھا، میری تعریف اس سے کر چکے تھے۔ اس نے کہا کہ آپ سب پر غالب اور اسم با مسمیٰ ہیں۔ مجلسیوں کو مخاطب کر کے اس نے کہا کہ اس شخص کی قدر کرو، شعر و شاعری سے قطع نظر، زبان پارسی کا عالم ہے۔ ''ہم درعرض ان گفتگو اشہب نطقم توسنی کرد، و در میدان داوری گرد فتنہ برانگیخت۔ چوں لب بپاسخ اعتراضات کشودم، سفیر ممدوح بامن ہمزبان شد و مرا بیشتر ستودن و برآناں خندیدن گرفت۔'' اساتذہ کے چند اشعار جو اس نے اس موقعے پر پڑھے، ان میں سے حافظ، سعدی، ظہوری اور ایک استاد کا شعر مجھے یاد ہے:

گر من آلودہ دامنم چہ عجب
ہمہ عالم گواہ عصمت اوست (حافظ)

بجہاں خرم از آنم کہ جہاں خرم ازوست
عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم ازوست (سعدی)

کم ازانم کہ در معذرتم باید زد
بیش ازانم کہ دہی خجلت تقصیر مرا (ظہوری)

از رخ خط مشک۔ سود برخاست
آتش بنشست دود برخاست (استاد)

خاتمۂ صحبت کے بعد، حاضرمندان (؟) آں بقعہ چہ شاعر و چہ غیر شاعر شوریدہ تر گشتند و رونق خویش در شکست من دیدند۔'' میرے شعر:

شور اشکی بفشار بن مژگاں دارم
طعنہ بر بے سر و سامانی طوفان زدۂ

پر یہ اعتراض کیا کہ 'زدرۂ' مضاف الیہ چاہتا ہے، جواب دیا گیا کہ 'زدہ' کا کسرہ اضافی نہیں 'یای وحدت' (کذا) ہے، تو دوسرا اعتراض کیا کہ، 'زدہ' جز بمعنی مفعول نہیں آتا۔ اس کا جواب مثنوی

میں ہے۔ مخالفین میں سے ایک 'بزرگ' نواب سید علی اکبر خان کے پاس گئے اور میری شکایت کی کہ آپ کا نیازمند اسداللہ جلسوں میں شوخی کرتا ہے، مغلوب الغضب ہے اور زبان دراز۔ اسی صحبت میں جس کا ذکر آیا ہے، میں نے کہا تھا کہ کوئی مخاطب صحیح اور پارسی دان مسلم نہیں کہ فیصلہ کر سکے۔ ان بزرگ نے اس 'کلمۂ دردمندانہ' کو اسی طرح پیش کیا کہ یہ گویا سب کی توہین تھی۔ نواب نے مجھے نصیحت کی اور سرزنش کی کہ یہاں سخن پروری اور شعر گوئی کے لیے نہیں آئے، راہ دشوار ہے اور راہزن بہت۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا کروں کہ اس کی تلافی ہو۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ معذرت نامہ لکھو اور مجھے بھیجو کہ میں مخالفین کو دکھاؤں۔ میں نے اسے قبول کیا۔ مثنوی نظم کی۔ اس کا آشتی نامہ نام رکھا اور 'ناصح محسن' کو بھیج دی۔ [اس کے بعد مثنوی کے اشعار میں سے دیوان کا شعر 17 مجموعے میں یوں ہے:

میہماں را نواختن رسم است
کار او نیک ساختن رسم است

دیوان کے شعر 30 کے بعد، شعر ذیل مجموعے میں زائد ہے:

اندہ خویش کردہ زار مرا
با سخن پروری چہ کار مرا

دیوان کا شعر 48 ''تا بشورید... خیری سوی'' مجموعے میں نہیں، اور بعد شعر 59 دیوان، مجموعے میں یہ شعر زائد:

رخ دعویٰ نہ برفروختمی
بے سخن ہمچو شمع سوختمی

شعر 74 دیوان کا صرف ایک لفظ مجموعے میں ہے اور اس کا امکان ہے کہ اصلاً اس کے بعد ایک شعر رہا ہو، جواب محو ہے۔ شعر 79 مجموعے میں ذرا مختلف طور پر ہے، مصرع اول کا بہت بڑا حصہ ضائع، مصرع آخر یوں ہے: ''بہ خیال فقیر مقلوب بست''۔ اس کے بعد کے دو شعر 80 و 81 مجموعے سے غائب ہیں۔ ''کردہ ام..... زدہ'' ''مگر... غلط نبود''، ان دونوں میں سے ایک مجموعے میں اصلاً رہا ہوگا، مگر اب اس کی جگہ عکس میں خالی ہے۔ شعر 89 دیوان ''وعدۂ..... رفت'' مجموعے میں نہیں۔ یہی حال شعر 113 ''زلہ..... باشم'' کا ہے۔..... 129 دیوان، کے

بعد مجموعے میں یہ شعر زائد:

پردہ سنجان پاستانی (کذا) را
طالب و سعدی و فغانی را

دیوان کا شعر 136 ''آنکہ... واقف را'' مجموعے میں نہیں، شعر 138 ''دل... احبابست'' کی جگہ عکس میں سادہ، یہ اصلاً رہا ہوگا۔ شعر 149 و شعر 150 ''پادشاہی..... شگرف'' ''خامہ..... فرمائش'' مجموعے میں نہیں۔ شعر 150 کے بعد مجموعے میں یہ شعر زائد:

بوجود چنیں شگرف بیان
شکوہ دارد عجم ز ہندستان

مجموعے میں مثنوی کی وہی روایت کچھ اختلاف کے ساتھ ہے، جو دیوان فارسی میں ہے۔ میں نے ''باد مخالف کی اولین روایت'' میں جس روایت کا ذکر کیا ہے اور جو متفرقات غالب میں بھی ہے، اس سے بہت مختلف ہے، اور یقین ہے کہ 'ناصح محسن' کو بھی بھیجی گئی ہوگی۔ سوال یہ ہے کہ مجموعے میں جو روایت ہے وہ مرتب مجموعہ کو ان عبارات کے آخر میں ملی تھی جو بعنوان ''از واردات..... برقہ'' درج ہیں، یا اس نے خود اضافہ کی ہیں، اور اس صورت میں یہ روایت کہاں پائی۔ غالب سے یہ ناممکن نہیں کہ انھوں نے مثنوی دو شکلوں میں کلکتہ ہی میں لکھی ہو، ایک شکل جسے میں نے 'روایت اوّلین' کہا ہے، اہل کلکتہ کے لیے، اور دوسری باہر والوں کے واسطے]۔

(سہ ماہی اردو، غالب نمبر 1969)

عہد شاہجہاں کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب

تمہید

پٹھانوں کا عہد ہندوستان میں فارسی کے زوال کا زمانہ تھا، لیکن، مغلوں کی آمد نے صورت حال بدل دی، اور اس ملک میں فارسی شاعری کی وہ قدر ہونے لگی اور اس سے مادّی فوائد حاصل کرنے کے وہ سامان پیدا ہو گئے کہ اس کے اصلی وطن میں بھی نہ تھے۔ سلیم کی فرد اور فیاض کا قطعہ ہندوستان سے متعلق اس دور کے ایرانی شعرا کے عام خیال کی ترجمانی کرتا ہے:

نیست در ایراں زمیں سامان تحصیل کمال　　چوں نیامد سوے ہندستان حنا رنگیں نشد

چندا ہند کعبۂ حاجات　　خاصہ یاران عافیت جو را
ہر کہ شد مستطیع فضل و ہنر　　رفتن ہند واجب است اورا

مگر، ہندوستانی بھی فارسی کی طرف متوجہ ہو گئے تھے، اور اساتذۂ ایران کی نظم و نثر کے تتبع ایرانیوں کی ہم نشینی اور کتب لغات کے مطالعے کی بدولت فارسی پر اس قدر قادر ہو گئے تھے کہ جہاں تک زبان دانی کا تعلق ہے، وہ اپنا پایہ ایرانیوں کے برابر نہیں تو ان سے پست بھی نہیں سمجھتے تھے۔ رہی قوت شاعری تو اس کی نسبت ان کا خیال تھا کہ یہ عین جانب اللہ ہے اور اس پر کسی خاص قوم کا اجارہ نہیں، ہندوستانی بادشاہ اور امرا جو شعرا کی عملی قدر دانی کر سکتے تھے، عام طور پر اس عقیدے کے نہ تھے، اور وہ کلام پر نظر نہ کر کے صرف یہ دیکھتے تھے کہ شاعر کا وطن کہاں ہے۔ عہد شاہجہانی کا مشہور لاہوری شاعر اور انشا پرداز منیر کامیابی کے لیے جن امور کو ضروری قرار دیتا ہے، ان میں سے ایک 'والا نژادی' یعنی ایرانی ہونا ہے:

''چہ اگر فارسی در فارسی صد جا غلط کند در سخن او سخن نمیکند و ہندی نژادے چوں تیغ ہندی جوہر ذاتی آشکار سازد دم از تحسیں نمی زنند... دریں عہد صاحب سخنے

کہ نژادگاہ او ملک بالا نبود کار او بالا نمی گیرد و پایۂ فصاحت او والا نمی گردد...
ناچار خود را بمرز خراساں منسوب باید ساخت اگر گویم نژادگاہ من خاک ہند
است ایں سیہ کاراں زمین سخنم را بخاک سیاہ برابر می سازند... چندیں روشن
رایاں از سواد ہند... برآمدہ اند کہ نام ایشاں در آفاق روشن است...''[1]
(کارنامہ سال اتمام 1077ھ، ماخوذ از منشورات تمنا عظیم آبادی نسخۂ کتب
خانۂ مشرقیہ پٹنہ=م ورق 334)۔

باب 1:

(1) حاجی جان، قدسی مشہدی[2] 1041ھ میں وارد ہند ہوا (عمل صالح م ص 737) اور ملازمت بادشاہی کی سعادت حاصل کی (شاہجہاں نامۂ معتمد خاں وغیرہ م ص 220)۔ سرخوش نے اسے 'ملک الشعرائے عصر شاہجہاں' لکھا۔ (کلمات الشعرا—)! مگر عمل صالح کی عبارت ذیل سے جو ترجمۂ ابوطالب کلیم میں ہے، مستفاد ہوتا ہے کہ اس کا مستحق ہونے کے باوجود، اس بنا پر کہ کلیم پہلے ہی اس عہدے پر فائز تھا، اس سے محروم رہا:

''(کلیم) بخطاب ملک الشعرائی امتیاز یافت، اگر چہ استحقاق ایں منصب...
قدسی داشت، اما ازیں رو کہ پیش از رسیدن حاجی او بہ ایں خطاب سرفرازی
یافتہ بود، تادم آخر برو بحال ماند، وتغیرے بداں راہ نیافت'' ص 738

تذکرۂ طاہر (نسخۂ م) کا اقتباس ذیل بھی اس کا موید ہے کہ قدسی کو ملک الشعرائی نہ مل سکی، گو مصنف سے ابوطالب، کلیم کی جگہ طالب آملی لکھنے میں فاحش غلطی کا ارتکاب ہوا ہے، موخرالذکر جو عہد جہانگیری کا ملک الشعرا تھا، قدسی کے ہندوستان آنے سے قبل ہی وفات پاچکا تھا:

''طالبائے آملی کہ بمنصب ملک الشعرائی ممتاز بنود، جہت مراعات او (قدسی)
در دربار پادشاہی پائیں دست اوے ایستاد۔'' ص 129

قدسی کی موت کلیم سے پہلے ہوئی ہے، اور کلیم نے اس کی وفات پر ایک ترکیب بند

---

1. اس کے بعد ابوالفرج رونی، مسعود سعد سلمان، خسرو، حسن اور فیضی کا ذکر
2. قدسی کا قدیم ترین ترجمہ جس کا مجھے علم ہے، تذکرۂ تقی اوحدی (نسخۂ م) میں ہے۔ وفات 1056ھ

(دیوان م 314) کہا تھا، جس میں اسے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور بند آخر کے ایک مصرع سے تاریخ وفات نکالی ہے؛ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

سرو سرد فتر شیریں سخناں قدسی رفت　　تلخ در کام جہاں شد شکرستاں سخن . . .

شعر موزوں نتواں کرد کہ از نظم فتاد　　کشور معنی از رفتن سلطانِ سخن . . .

معنی دُرّ یتیمے کہ نہ ے فہمیدم　　یافتم رفت چو قدسی و سخن رادیم . . .

گل زشبنم ہمہ تن اشک مصیبت شد وگفت　　دور ازاں بلبل قدسی چمنم زنداں شد

قدسی کا ایک قصیدہ جو معارضۂ زیر بحث کا باعث ہوا تھا، اس کے دیوان م 2416 میں موجود ہے، اس کے 5 شعر جن سے متعلق شیدا کے اعتراضات کا مجھے علم ہے، درج ذیل ہیں:

[3]عالم از نالۂ من بے تو چناں تنگ فضاست　1　کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست

ہست شمشیر تو برندہ تر از تیغ اجل　2　تان ایں قبضہ فزوں یک نقطہ از ذاتے فناست

آنکہ دی زہر در انگور تو می کرد امروز　3　بعذاب ابدی کام دلش زہر آلاست

نیست ناکام بعہد تو کسے حیرانم　4　کہ براے چہ زباں قلم از کام جداست

مہر و مہ را نبود بے مدد راے تو نور　5　بہ نگاہ دگرے دیدۂ عینک بنیاست

(2) شیدا کو صاحب مرآۃ الخیال 'شیخ زادہاے فتح پورُ سے لکھا ہے ص 91، مگر خود شیدا کا بیان تھا کہ میں قبیلۂ تکلو سے ہوں (مآثر رحیمی م)۔ تقی اور حدی کا یہ قول کہ اس کا مولد قندہار ہے صحیح نہیں، خود شیدا کہتا تھا کہ میرا باپ مشہد کا رہنے والا تھا، لیکن میں ہند میں پیدا ہوا ہوں (مآثر)۔ شاہجہاں نامہ میں مرقوم ہے کہ اس کا مولد ومنشا فتح پور سیکری تھا۔ ممکن ہے کہ اس کی ماں ہندی ہو اور ایرانی اسی بنا پر اسے ہندی نژاد سمجھتے ہوں اوحدی جو 1020ھ (مجمع النفائس م 965 ص 248 میں بحوالہ اوحدی، 1025ھ) یا اس کے چند سال بعد شیدا سے ملا تھا، اس کی

---

[3] سب نے یہی لکھا ہے کہ قصیدۂ قدسی کا مطلع عالم از نالۂ من الخ ہے، لیکن دیوان م 2416 میں ایک مصرّع بیت اس سے قبل موجود ہے۔

ہر غم روز دلم عذر غم دیگر خواست　　اینکہ خوں رانتواں شست بخوں رسم کجاست

اسے ملا کر اس نسخے میں تعداد ابیات 63، مگر م 308 میں یہ بیت اور بیت 4 نیست ناکام الخ نہیں ہے اور اس کے باوجود تعداد ابیات 62 ہے اور 308 کی ایک بیت م 2416 میں نہیں ہے۔

زبانی اس کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار سے تجاوز بتاتا ہے۔ اس سے کسی حد تک اس کی عمر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔[4] اس کی وفات سلیم سے قبل ہوئی ہے اور سلیم[5] 1057ھ میں فوت ہوا ہے۔

شیدا اپنے زمانے کے ممتاز شاعروں میں تھا، تقی اوحدی کی رائے ہے کہ ''الحق قدرتے تمام دارد'' صائب نے اس کی غزل پر غزل لکھی ہے۔ (کلیات ص 124) جس کا مقطع یہ ہے:

طغرا کے کلیات م ص 356 میں شیدا سے متعلق یہ قطعہ موجود ہے:

''بود شیدا شاعرے در ملک ہند — گفتہ اش رنگیں بسان لعل تر
از رہ شیریں کلامی خامہ اش — نزد طوطی داشت طعم نیشکر
لیک ہر مضمون خسروا بجنس — دہ روش مے بست بانقطہ دگر
خواست بکشاید دکان مد را — ناگہش پیچید اجل بریکدگر
کہنہ دزد شاعراں یعنی سلیم — یافت چوں از قصۂ فوتش خبر
رفت واز طفلان بے عقلش خرید — گنج باد آورد و نظمش را بہ زر
شعر خوبش را بنام خود نوشت — شہرتش در شاعری شد منتشر
مد شیدا گشت تاراج سلیم — طرفہ دزدے خورد بردزدے دگر''

طغرا شیدا کی خوش گوئی کا قائل اور سلیم کو اس کے اشعار کا سارق سمجھتا ہے، لیکن، اس کے نزدیک خود شیدا بھی مضامین خسرو کا چور ہے۔ دوسروں کے مضمون چرا لینے کا الزام اس پر اوروں نے بھی لگایا ہے، چنانچہ اس سلسلے میں مناظرۂ شیدا و فیروز مشہور ہے۔

شیدا کے دامن شہرت پر ایک داغ یہ بھی ہے کہ وہ معاصرین کی ہجو کیا کرتا تھا، چنانچہ طالب و الہی وغیرہ کے حق میں جو کچھ اس نے کہا ہے، تذکروں میں ملتا ہے۔ اس سلسلے میں صاحب مرآۃ کا قول ہے:

''حق آنست کہ ایں ہمہ طعن و استہزا... محض از راہ سبک سری و زیادہ گوئی نبود، بلکہ فضل و بلاغت شیدا مقتضی آں شد کہ ہیچک را از شعرائے عصر در لسا عتبار نیاورد و واحدی را در پلۂ میزان ہنرمندی باخود نہ سنجد چہ در علم عروض وقوافی ضرب

---

[4] نشتر عشق م سال وفات شیدا بدوں سند 1080ھ درج۔

[5] قطعۂ تاریخ وفات دیوان اشرف میں ہے، مادہ......

المثل بود و برداب و دستور سخنوری و اداے مراتب آں کما ینبغی آگاہی داشت۔ از نیست کہ سخنورانِ ایران و توراں کہ در پاے تخت صاحبقران ثانی... پایۂ امتیاز داشتند بازوے استعداد خود را قابل ہم پنجگی وے نیافتہ بہ طعن و ہجایش نہ پیچیدند واگر زور طبع او سدِّ راہ نمے گردید، چہ گنجایش داشت کہ ایں ہمہ خشونت از وے بے برداشتند و ہمیں دلیل بر علو فکر و بلندی طبع وے کافیست۔'' ص 94

ب مرآۃ کا یہ بیان کہ معاصرین نے شیدا کی ہجوؤں کا جواب کہ وہ اس کے مقابلے سے عاجز تھے، صریحاً غلط ہے۔ شیدا کی ہجو میں الٰہی کی متعدد رباعیاں مصطلحات شعرا مؤلفۂ وارستہ میں موجود ہیں (نسخۂ مطبوعہ)، اور جلالا و منیر کی ہجویں اس مقالے میں آگے چل کر نقل ہوں گی۔ شیدا کی 'فضل و بلاغت' کی نسبت صاحب مراۃ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی مسلمات سے نہیں، صاحب عمل صالح نے صراحۃً لکھا ہے کہ 'مراتب علمی' سے 'بیگانہ' تھا، نتیجۃً معارضے کا آغاز شیدا کے ایک قصیدے سے ہوا ہے جس میں قدسی کے قصیدے 'عالم از نالۂ من الخ' پر اعتراض کیے گئے ہیں۔ شیدا نے نکتہ چینیاں صرف اس لیے کی ہیں کہ اسے قصیدے میں عیوب نظر آئے تھے، یا اس کی کوئی ذاتی وجہ تھی، اس کی حقیقت معلوم نہیں، لیکن عمل صالح سے یہ پتا چلتا ہے کہ شیدا قدما کی طرز کا دلدادہ تھا، اور متاخرین کی شاعری کو شاعری ہی نہیں سمجھتا تھا: ''در سخن طرز باستاں گزیدہ بر متاخرین زبان بطنز می گشود و یک قلم ایں جماعت را... از خطۂ سخنوری اخراج می نمود'' شیدا کا قصیدہ مجھے نہیں ملا، اس کے صرف دس شعر دستیاب ہوئے ہیں، جن کے نقل کرنے سے پیشتر اس معارضے کی نسبت مختلف مصنفین کے اقوال پیش کرنا چاہتا ہوں:

''از براے... قدسی... بہ تیزی تیغ زباں قطع اللسانے گفتہ و بر قصیدہ[6] مثنوی (کذا) او کہ مطلعش اینست، عالم از الخ، نکتہ ہاے رنگین گرفتہ، بعضی جا کلکش از دستے ناخن بند کردہ کہ جاے انگشت نہادن نیست، و بعضے جا بر طرۂ اشعار شانہ وار بجا پیچیدہ عمل صالح۔ ص 39، [7]

[6] آزاد نے نگارستان فارسی میں لکھا ہے کہ قصیدے کا نام قطع اللسان ہے (اس وقت کتاب پیش ملا نہیں۔

[7] داد سخن میں ممکن ہے کہ شیدا و منیر کے مکمل قصائد ہوں اس کا نسخہ کلکتہ میں ہے۔ مگر مجھے اب تک اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

''پیوستہ بحث تو ہے از اقران و امثال کہ حاجی محمد جان و طالب، کلیم است و ہر یک بصنعات حمیدہ یگانۂ آفاق سے رنجیدہ، قصیدۂ حاجی محمد جاں رائے... بے معنی برآوردہ و قصیدہ بہ ہماں بحر و قافیہ گفتہ نا انصافیے چند کردہ کہ شرح نتواں داد، یکے آں کہ حاجی گفتہ 'مہر و مہ الخ' او اعتراض کرد کہ دیدۂ عینک کے بینا شود، دیدۂ شخص بہ سبب عینک بینا مے شود۔'' طاہر ص 264

''بر قصیدۂ- قدسی... مناظرہ کردہ کہ ہمہ صاحب سخناں پسندیدند'' کلمات ص 57

''بر یک قصیدۂ... قدسی از اوّل تا آخر اعتراض کردہ و ہر بیتش راجداگانہ جواب گفتہ و آں در زمرۂ اہل استوراد مشہور است، قدسی گفتہ 'عالم از الخ' شیدا بعد از تمہید فراواں مقدمات در اعتراضات گفتہ (اس کے بعد اشعار 1 تا 7)'' مرآۃ

''در اکثر ابیات قصیدۂ ام قدسی دخل کردہ و بہ ہماں وزن و قافیہ قصیدۂ گفتۂ اعتراضات مذکورہ را موزوں نمودہ و... منیر ہماں قسم اشعار گفتہ محاکمہ نمود و مردم دیگر نیز بجواباں پرداختہ اند و مرزا جلالاے طباطبا جواب یکے از آں اعتراضات نوشتہ قطعۂ درہجو شیدا گفتہ داد را بہ مہادیو مستوئی یاد نمود

''شیدا بر قصیدۂ... قدسی ایراد ہا کردہ و قطعۂ طولانی در زمین ہماں قصیدہ گفتۂ بحثہا جا بیجا آوردہ و ملا منیر... محاکمہ در سلک نظم کشیدہ، دریں جا دو مبحث یکے از دخل بجا و دیگرے از دخل بے جا از ہر سہ استاد نقل کردہ مے شود (اس کے بعد اشعار شیدا و منیر متعلق اشعار دوم و چہارم قدسی)'' گل رعنا م ص 134

''بر یک قصیدۂ... قدسی از اوّل تا آخر معترض گشتہ و ہر بیتش راجداگانہ جواب گفتہ و... منیر... دریں قضیہ حکم گشتہ، او نیز ہماں قافیہ و ردیف قصیدہ گفتہ، در یک مصرع تعریف... قدسی نمودہ و در مصرع ثانی... شیدا راستودہ۔ از اول ... تا آخر بہ ہمیں طریق قصیدہ گفتہ۔ باقی ابیات را بدیں دستور معترض گشتہ۔ در خاتمۂ نثر یکہ مشتمل بر تعریف کشمیر و نہضت رایات... صاحبقران ثانی بسیر آں حدود نوشتہ است کہ ایرانیاں مرا بہ ہندی نژاد بودن مقدارے نہ نہند، فافل از اصل کار کہ... آرم ہندیست... حرف آنست کہ ایرانی و ہندی بودن

فخر راسند نہ کردہ و پایۂ مرد بہ نسبت ذاتی باشد و اگر ایرانیاں زبان طعن کشانید
کہ فارسی زبان ماست وزبان را بکام نیابند و اگر زباں بکام نباشد بمذاق سخن
آشنا نبود۔ چوں دستگاہ سخن ندارند تا جرم دست و پاے ہمی زنند۔ ظاہر نیاں کہ
از صورت پے بمعنی نبردہ اند جز ظاہر حال چشم نگمارند ذہنی رنگین چو خلقت ایشاں
نگارست و سخناں ایشاں چوں جامۂ من کم بہا و بد قماش۔ ایشاں بر جامۂ من چشم
بدوزند، من برایشاں معنی رنگیں عرضہ کنم۔ آنچہ بے تکلفے گفتہ شد ہمہ ازروے
راستی است ورنجیدن از راستی کار اہل دانش نیست۔'' مخزن الغرائب م ص 430

اشعار قصیدۂ شیدا: 1 تا 7 متعلق شعر 1 قدسی، 8 متعلق شعر 2 قدسی، 9، 10 متعلق شعر 4 قدسی:

نقد ہر حرف بہ میزان خرد بے کم و کاست	1	اے سخن ہنر مند بہ اندیشہ بسنج
چونکہ از سینہ ہوا گیر شد از جنس ہواست	2	نالہ در سینہ ہوائیست کہ بے قصد رود
خلق عالم گر ازو تنگ نشیند بجاست	3	عالم ازوے نشود تنگ و لیکن زلال
کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست	4	خود گرفتم کہ جہاں تنگ شد از نالۂ تو
کہ سیاق سخن از ہر دو بہ اندیشہ جداست	5	نیست ترتیب دو مصراع بہم ربط پذیر
کہ جہاں تنگ ز اندوہ شدہ بر دلہاست	6	تنگی عالم از نالہ بہ کیفیت اوست
بیشتر از تن و جاں تفرقۂ ہم پیداست	7	تنگی جا ز کجا تنگی اندوہ کجا
قاف چوں عام بیک نقطہ فزوں تر زفناست	8	قاف ایں قبضہ بہ تخصیص چہ مے افزاید
کام چوں نیست بگوتا بچہ از کام جداست	9	چوں قلم ہست زبانے کہ ندارد کامے
ہم بکامیکہ زباں راست مے آید راست	10	باز آں کام کہ ناکامی از و می خواہی

شیدا کے اعتراضات سے متعلق امور ذیل قابل توجہ طلب ہیں: (الف) شفیق شیدا کی نظم کو قطعہ کہتا ہے، لیکن، اور سب اسے قصیدہ کہتے ہیں۔ قصیدے اور قطعے میں جو فرق ہے اس سے شفیق ناواقف نہ ہوگا، اختلاف کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی (ب) اس قول کے مقابلے میں کہ شیدا نے قدسی کی ہر بیت پر اعتراض کیا تھا، میں آرزو کے اس بیان کو ترجیح دیتا ہوں کہ اکثر ابیات کے اسقام دکھائے تھے (ج) شیدا کے اعتراضات جو میری نظر سے گزرے ہیں، انھیں دیکھتے ہوئے شفیق کا یہ قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اعتراضات بجا بھی ہیں اور بے جا بھی۔

(3) جلالائے طباطبائی نے خود اپنا نام جلال الدین طباطبائی لکھا ہے (منثورات ص 274) صاحب عمل صالح نے اس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کوئی معاصر انشا پرداز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ عمل صالح میں اس کے متعلق یہ عبارت بھی ہے:

''دراصفہاں استفاضۂ سائر علوم نمودہ... در سال ہزار و چہل و چار ارادۂ... ہندوستان... نمودہ... در مہلک سخن سنجاں منتظم گشتہ بہ نگارش احوال خیر مآل ماذوں گردید بے مبالغہ دقائق نثر بدرجۂ انثرہ رسانیدہ درنگردش صورِ آثار بدیعۂ پنجسالہ آنحضرت آں کارنامہ بروے کار آوردہ بود کہ اگر از ناتواں بینی اعزہ برہم نخوردہ وصورت تمامیت مے یافت واثرے از و باقی مے ماند آویزۂ سخن تازہ آویزۂ گوش روزگار گشتہ سر عشق فطرت تازہ نگاران ہند و ایران می شدود کالائے سخن رواج مے یافت و رونق والا گرفتہ، پایۂ کلام از کرسی عرش می گذشت'' ص 726

آرزو نے اس کا ترجمہ یوں لکھا ہے: ''میرزا جلال، نصرآبادی گوید ز سادات قہستانست۔ صاحب کمالات صوری و معنی بود و در تحصیل علم جہد بسیار نمود۔ در ترتیب انشا نہایت مولویت داشت۔ از عراق بہ ہند آمد حسب الامر سوانح ایام شاہ جہانی بہ تحریر در آورد۔ عزیز اینکہ ایں تاریخ دیدہ اند، نقل مے کنند کہ بطریق و صاف نوشتہ۔ فقیر آرزو گوید کہ غالباً ایں ہماں جلالست کہ در ہندوستان بہ جلالائے طباطبا شہرت دارد و کتاب ریاض فیض کلمات منشآت اوست... بگماں راقم بہ از وصاف تواں گفت زیرا کہ در رباض سوائے حرف مولویت تازگی معنیٔ سجد یست کہ وصاف آں را۔ بخواب ندیدہ'' ص 108

اس میں کچھ شک نہیں کہ تذکرۂ طاہر میں جس جلال کا ترجمہ ہے (ص 69) وہ جلالائے طباطبائی ہی ہے۔

جلالا شاعر بھی ہے، لیکن، نثر نگار کی حیثیت سے وہ شاعر کی بہ نسبت کہیں زیادہ مشہور ہے۔ میر غالب کے نزدیک بھی وہ صاحب طرز انشا پردازوں میں ہے، لیکن، مصلحت کے تقاضے سے انھوں نے نواب کلب علی خاں کو جلالا

پر ترجیح دی ہے۔ (مکاتیب غالب طبع 1 ص 57)

جلالا و قدسی میں رابطۂ ہم وطنی تو تھا ہی، گہرے ذاتی تعلقات بھی معلوم ہوتے ہیں۔ جلالا نے قدسی کے دیوان کا خطبہ لکھا ہے جو دیوان کے کسی نسخے میں تو میری نظر سے نہیں گزرا، مگر منشورات تمنا میں ص 270 سے ص 274 تک پھیلا ہوا ہے۔ قدسی کی اتنی تعریف کی ہے کہ اس سے زیادہ ہو نہیں سکتی۔ اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''فرمانروائیکہ قلمرو اقالیم سبعۂ معانی یک قلمہ بنان بیان اوست و دارالملک کشور سخنوری یکسر درز بر نگیں خامۂ سروری او عزیز اینکہ در محکمۂ مصر تمیز دعوائے تسلیم ثبوت ایں مدعا بہ سرحد اثبات رسانیدہ و می رسدش و در انجمن مباہات سدرہ پرداز ان حرف عرش پایگی سخن بکرسی رسانیدہ و میزیبدش، بہ تقریبے کہ زبان خامۂ خود کامہ اش در ہنگامۂ ادعاے صاحبقرانی سخن ندائے ''ہنوز در عدم است آنکہ ہمقران من است' بہ بانگ بلند درمی دہد و منکرے ندارد، عدیم النظر کہ... در عرصۂ انا ولا غیری علم لمن الملک مے افراز دو کسے یارائے معارضہ نمی آرد۔''

جلالا کی کسی تحریر میں جو میری نظر سے گزری ہے، شیدا کی تعریف نہیں ملی، لیکن شیدا کے مکتوب ذیل سے جو جلالا کے نام ہے یہ پتا چلتا ہے کہ قدسی کے قصیدے کے علاوہ اور باتیں بھی تھیں جن کے متعلق ان میں اختلاف تھا۔ میرا قیاس ہے کہ یہ خط معارضۂ زیر بحث سے پہلے کا ہے:

''مرا کمال تو مسمر کند چہ کار کنم ۔۔۔ دلے وایں ہمہ دانش سرے وایں ہمہ ہوش

قبلہ آگاہا، (قبلہ گاہا؟) از آنجا کہ بندہ را بہ طبع راست...... درستی میسر نیست، عزیزاں در نظر خود دارند، ہر چند خود را از صحبت ایشاں مہجور دارد ناچار، گاہے از روے اتفاق بیک دیگر رسیدہ می شود۔ عرضہ می دارد صاحب مہربانی کہ برغریباں دارند فرمودند کہ لفظ عصفر است بمعنی دانہ و معصفر بمعنی رنگ است۔ دریںجا قبلہ آگاہاہے مراد ولمط رودادہ: یکے آنکہ عصفر بمعنی دانہ نیست بلکہ نام گیاست و معصفر رنگ نہ چنانچہ بندہ را دریں دعویٰ دو گواہ عادل حاضر، چنانچہ حکیم نزاری قہستانی در صفت پیری بہ نظم آوردہ:

اعصاب منجمد شد واحساں منحصر (کذا) رنگت معصفری شد و بالات چنبری

وحکیم فرخی گوید:

سرشکم بخون جگر ارغوانی رخ من زننده برنگ معصفر

واگر لفظ عصفر را کسے بمعنی دانہ بنظم آوردہ باشد یا در کتاب لغت بہم رسد علام (اعلام

ہی فرمایند واگر در پادشاہ نامہ ایں قسم الفاظ نادانستہ بکاری رود کارنامہ نخواہد بود!

بحرف من بود انگشت اعتراض چناں کہ کس بریدۂ روشن فروبرد انگشت

گستاخی را امید عفو است'' صحائف شرائف م۔

جلالا نے شیدا کے اعتراضات دیکھ کر اس کے نام ایک خط لکھا تھا جو منشورات تمنا اور صحائف شرائف میں موجود ہے۔ جلالا کے نزدیک اعتراضات پوچ و پادر ہوا ہیں اور ایک کے سوا جس کا تار و پود بکھیرنے میں اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا، وہ کسی سے بحث نہیں کرتا۔ یہ قارئین کو فریب دینے کی کوشش ہے؛ اعتراضات، جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں غلط بھی ہیں اور صحیح بھی ذیل میں اس خط کا متن پیش کیا جاتا ہے۔ یہ منشورات کے مطابق ہے، صحائف کے اختلافات نسخ کی نشان دہی کی یہ صورت نکالی گئی ہے کہ الفاظ کے نیچے نشان دے گیا دیا ہے اور ان کے بعد قوسین کے اندر نشان زدہ الفاظ کی جگہ جو الفاظ ہیں وہ دیے گئے ہیں۔ قوسین کے اندر اگر علامت x ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس سے قبل جو نشان زدہ الفاظ ہیں وہ صحائف میں موجود نہیں۔ منشورات وصحائف دونوں کی مدد سے بھی صحیح متن پیش نہیں کیا جاسکتا، قیاسی تصحیح کہیں کہیں ہوسکتی تھی، مگر میں نے اس سے احتراز کیا ہے:

آن کیست کہ پا کردہ سراز روے توجہ ایں نامہ بداں بے سروبے پا برساند

ایں شعلۂ پیچیدہ کہ سرزد ز نے کلک تاخر من آں سوختہ کالا برساند

زیں سوختہ صفرا کہ بسر ریخت قلم را یک قطرہ بہ آں مایۂ سودا بر ساند

از تیر شہاب قلم شعلہ کش ما مدے بہ مہادیو مقویٰ برساند

در پردہ سخن چند کنم بادصبا کو کیں نامۂ بربستہ بہ شیدا برساند

اے بزرگ (عزیز) ہر کہ اندک مایہ خردخردہ بیں وادنیٰ درجہ عقل دقیقہ یاب وارد، آئینہ (ہر آئینہ آئینہ) تصورِ عکس پذیر صورت آں (ایں) معنیست کہ مقصد اصلی از (واز) تصویر

عالم وتخمیر آدم معرفت مبدء المبادی واوں الاول (الاوائل) است (X) وغرض کلی از ایجاد عرض و جواہر (جوہر) وابداع روح و (x) پیکر شناخت مبدع (x) جزو وکل و دریافت صنائع (صانع) خار وگلست و ہر کہ ادراک آں (ایں) دقیقہ نماید از مہاوی درست حیوانیت بغراز مصاعد درجات انسانیت نرسایند (برنیاید) و پیداست کہ ہر کہ بہ شناسائی نفس (X) خود پے نبرد (نبردہ) طریق عرفاں چساں تواند پیمود وسلوک شاہراہ وجداں (وجدانی) چگونہ تواند نمود؟ وایں مسلک روشن اقرب طرق الی اللہی (اللہ) است و بدیں (بریں) دعوی بدیہہ عقل شاہد و (x) فحوائے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ گواہ و بنا بر قرار داد (اقرار) ایں مقدمہ مقرر شدہ (شد) کہ ہر کہ خدارا شناختہ باید کہ خود را شناختہ باشد وہر کہ خود را شناختہ لامحالہ از پایۂ خرد واندازہ برداشتہ و پلۂ خریش سنجیدہ و از کار خرد شمار گرفتہ (برگرفتہ) و بحساب خود وارسیدہ و بر (در) خواص و مزایائے (مزایائے) نفس خویش کماہی آگاہی یافتہ وتقریر اندازہ وقدر (تقدیر حدو اندازۂ قدر و متدار) خود کما ینبغی نمودہ، پس پائے از سرحد گلیم کوتاہ خود و راز (درازتر) کشیدن وطبل زیادہ سری در خارج گلیم بے پردگی (رہ بردگی) ناحفاضی (X) زدن وباوجود عدم بصارت خویشتن را بچشم دیگر (دیگراں) دیدن (بدیدۂ) خفاش در پرتو آفتاب نگریدن (آفتاب جہانتاب نگریستن) یعنی پلۂ (پایۂ) پست ودرافراز از پلہ سازی بزرگاں (از پلۂ رسائے بزرکاں بلند) نہادن و پایۂ (پلۂ) کوتاہ خویشتن را بالاتر از پائیہ (پلۂ) والا ہے بلند قدراں (قدرداں) قراردادن وبادست بریدہ بناں از دست (کار) رفتہ انگشت برحرف سخن آفریناں گذاشتن وخود رانخن سنج وحرف گیر ونکتہ شناس پنداشتن بفتوی خرد انصاف گزیں مستلزم ختن شناختن خوداست کہ خدا ناشناسی (نشناسی) را (X) خدانخواستہ لازم وارد۔ بارے مراد (X) ازیں ہمہ تصدیع زبان خامہ وخراش عارض نامہ وکاوکاو خاطر نازک دوات وتشویش اندیشہ وتضیع اوقات آنست کہ چو درنیولا یگانہ (مکامہ) ترانۂ ونکوب وخارج آہنگ نغمۂ سے اسلوب گوش زوسامعۂ خرد آمد (از وبسامعۂ خورد) کہ آں ناحفاظ بے حجاب پردۂ حفظ (X) صورت آدمیت از (در) پیش رو برداشتہ گرفتے چند بارد (دارد) واعتراضات بے معنی را بصورت نظم بعرصہ (غیر وارد بصورت نظم بعرصۂ اشتہار) اوردہ قصیدہ نام نہادہ وبیطا بکاغذ ومداد کردہ بزعم ناقص خود (X) داد کمال سخنوری دادہ و (x) چوں بہ الحاح وابرام عزیزے از ہرزہ کاراں (ابراز یکے از بزرگاں) روزگار ملاحظہ و

استماع ایں (آں) مزخرفات بے سروبن را کفارۂ (نگاہ) تقصیرات چشم و گوش نامیدہ بر سراپاے آں دار سیدم، بسر عزیز و جان (بجان) نازنین معنی سوگند (قسم) واللہ (وانی) نقسم لو تعلمون عظیم کہ پاے تا سر آں ثمرۂ ماخولیاے (مالیخولیا) پادر ہوا ر امانند اندیشۂ بتمتراں تہی سر لوح (پوچ) مطلق دیدم وایں ہمہ نمود بیبود راچوں لوح قلم نامقصود (موج قلم بابا مقصود) پیچ در پیچ (پیچ در پیچ) یافتم۔ لاجرم بفتوی شرح مروت و حکم طریقت انصاف بر ذمۂ ہمت واجب ولازم دانستم کہ از روے نصیحت ایں انداز نامہ بداں (بآں) خویشتن ستاے خودکام (کامہ) نوشتہ او راز لغزشہاے او بیاگاہانم (بیاگاہم) از جملۂ سوالہاے بے ادبانۂ او ہمیں یک سخن بس (X) کہ بگمان ارباب تصدیق بلا تصور صورت بے معنی دارد، فی الجملہ در خور جواب است آنست (X) کہ زہر آلاے را کہ بظاہر (X) بمعنی آلایندۂ زہر است یعنی (بمعنی) زہر آلود گشتہ (دانستہ) سبحان اللہ ہنوز ایں قدر (X) ندانستہ کہ در محادرات (محاورات پارسیاں) ازیں دست الفاظ بسیار است کہ بمعنی اسم فاعل واسم مفعول ہر دو آمدہ و بقرینۂ مقام معنی مراد ظاہر می شود (ظاہر است) وایں معنی اگر چہ از غایت ظہور بہ ایراد امثلہ نیازمند است (نیست) اما دریں مقام بضرورت ے آورد (آرد)، مثلاً کارساز (ساز عالم) وعالمگیر و جہاں آفریں و دانش آموز و عالم سوز کہ (X) بمعنی سازندۂ کار است (X) و گیرندۂ عالم است (X) و آفرینندۂ جہاں و آموزانندۂ (آموزندۂ) دانش و سوزانندۂ (سوزندۂ) عالم است (X) بمعنی اسم فاعل آمدہ وگاہ بعینہ دربعضے اخیال (احیاں) ہمیں الفاظ در ترکیب دیگر افادہ بمعنی اسم مفعول می کند، چنانچہ گویند (چنانکہ می گویند) فلاں کار خدا ساز شد (است) یعنی ساختۂ خدا شد (X) وہمچنیں خدا گیر شد (X) وایں گلشن خدا آفرین است وفلاں پیر (کارہنر) آموزست وفلاں چیز فام سوز شد (است)، ہمہ جا (از ہمہ) اسم مفعول مراد است وعبیر آلا بمعنی عبیر آمودہ شدہ (عبیر آلود است) دریں بیت است (x) ''چو آں غنچہ دہن آمد بگل گشت عبیر آلاے شد بام و در و دشت'' (شدہ بوم بر دشت) وبخصوص لفظ زہر آلاے در کلام یکے از (X) اکابر در (در شمار) معجزات حضرت پیغمبر (سرور عالم و برگزیدۂ بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم) در باب بسخن آمدن (در آمدن) بزغالۂ مسموم وارد است:

آں پیمبر کہ برۂ بریاں گفت از من محوز کہ زہر آلاست

اے مدعی (مدعی فہمیدگی) بارے ایں قدر دریافت خود باید داشت کہ بر گفتۂ خردمنداں دلیرانہ گرفت کردن ہنر نیست و در سخن بزرگاں بے تامل سخن کردن (نمودن) کودک منشی و خردی سامری گردیدن کلیم (باکلیم) کلامان سروش سرشت (پرست) کہ ید بیضا از جیب دوات و آستین قلم برمے آرند، دلیل گوسالگی است و دجال (دخیل) شدن مسیحا نفسے (بامسیحا نفساں) قدسی انفاس کہ بہ یکدم دو کالبد مردۂ صد (صد مردۂ) ہزار سالہ جاں می دمد (می دمند) یادے ازخری می دہد (برہان خری)۔ بقافیہ بندی غرہ شدن و آں را قصیدۂ غرہ نام نہادن ناشاعری بل (بلک) بے شعوریست:

اے خواجہ فلاں شاعری آساں نبود ہنگامۂ ناں مائدۂ جاں نبود
چوں بہ کف آبیکہ کند باد گذار موجے دارد و لیک عماں نبود

(وچشمیکہ نداری از ہمہ پوشیدن و ہمہ را بہ یک چشم دیدن عوریست بلکہ کوری)۔ اے عزیز (X) ایں نہ دوہرہ و دھرپت (دھرپد) است کہ در مصارف آں فصل (دخیل) بجا و بیجا صرف (بیجا و بجا) توانی کرد و ایں نہ لخت (X) سنسکرت و زبان گوالیار است (نیست) کہ باوجود عدم پندت (اس کے بعد ایک لفظ نہیں پڑھا جاتا) (قدرت آں) نیز تصرف توانی نمود۔ ایں لہجۂ دزی از (و) زبان پارسیست، از افواہ پارسی زباناں باید آموخت و چراغ سخندانی از مشکوٰۃ اندیشہ ایناں باید افروخت۔ از مطالعۂ فرہنگیہائے نہنا (فرہنگ نامہا) فارسی (پارسی) زباں نتواں شد و از تتبع دواوین (دیواں) قدماں از پیش قدماں ایں وادی نتواں گشت (گردید) ظاہرا دریں معنی پیروی یکے از سیاہ باطناں بوالفضول ایں (X) تیرہ مغاک نمودہ (نمودہ کہ) بزبان دہی و سربزرگی دنیا با استاداں (استاد) سخن و (X) امام الائمہ ایں فن مولانا عرفی شیرازی می گفتہ کہ ملا، ما پارسی (فارسی) از انوری و خاقانی (خاقانی وانوری) آموختہ ایم وشمار از پیرہ (پیر) زالاں مسکیں مو (X) ندانستہ کہ انوری و خاقانی نیز از ایناں سخن آموزی کردہ اند۔ بالجملہ اے میاں (نابینا) سخن من (x) بشنو و دیگر بارہ (x) برسر کوبہ (x) گفت و گومیا کہ بحرف (ازحرف) وصوت صیف سخنوری بلند نتواں ساخت و براگ کلاونت (برگ گلوو) میل کردن سر بہ سروری کشور سخن نتواں افراخت از بلندی (بلند) آواز آوازہ بلند نشود و بنام نامی و تخلص گرامی کوس لمن الملکی صدا ندہد و (x) بہ تحسین عامہ از خواص نتواں شد و بہ آفریں بے تحیزاں از عزیزاں

امتیاز (اعتبار) نتواں یافت تا (x) محضر قبول عامہ از شہد بمافیہ حاصل (خاصاں) سند گردد: نسخۂ قابلیت خاص از بلغ بالغ رضایاں (نصاباں) کامل نصیب (نسب) بکمال اعتبار اختصاص یابد۔ برضاے عوام (علوم) از خود راضی نباید بود در روزگار صرف شکار گنگ زبانان نشاید نمود:

چوں شکار خرک باشد صید عام   رنج بے حد لقمہ زو خوردن حرام (x)

بہ (x) پہپہ پوستیاں کو کنار خانہ کہ مغز از پوست باز (x) تمہید اندانند بہ ہیچ حساب خود را از اولوالالباب نتواں شمرد و بہ واہ واہ تیرہ درو مان قہوہ خانہ کہ سیاہ از سفید نہ می شناسند بہ ہیچ وجہ روشناس ثارستان (شہرستان بہ ہمداں و آشنا روے انجمن عرفاں نتواں گشت (گشت والدعا)''

(4) میر عبدالباقی صہبائی کے متعلق مجمع النفائس میں مرقوم ہے: از کلامش معلوم شود کہ در عہد شاہجہانی بود و اکثر تعریف... عالمگیر نمود... از فرزندان خواجہ مودود چشتی است و از چار پشت نوکر سلسلۂ علیۂ تیموریہ... جواب اعتراضات شیدا کہ بر اکثر ابیات قصیدۂ... قدسی کردہ بنظم آوردہ ص 279۔

(5) منیر لاہوری کو جلالا نے اپنے دیباچۂ کلیات منیر میں 'طوطی ...... قفس ہند' لکھا (گل ص 218) اور اس کے بارے میں صاحب عمل صالح کا قول ہے کہ ''بعد از شیخ فیضی در سواد اعظم ہندوستان سخنوریکہ در ہر ذست ...... اقتدار اداشتہ باشد و تتبع سلف بسیار نمودہ... بغیر از دیگرے برنخاستہ' ص 758 '' مجموعۂ مثنویات منیر کے دیباچے کی عبارت ذیل سے جوم 1896 میں ہے، قدسی سے متعلق منیر کی رائے معلوم ہوتی ہے:

''دریں جز و زماں در سواد اعظم ہندوستاں... دین سخن از چار یار قویست ... اول قدسی کہ ساکنان بیت المقدس فیض انفاس قدسیہ اش لاقوت روح می دانند و گفتار پاکش را کلام قدسی می خوانند۔ دوم کلیم کہ... کلکش چوں نخل ایمن صاحب اعجاز سوم الٰہی، چہارم شیدا... اگر ایں چار تن را بچار عنصر نسبت دہم بیجا نیست زیرا کہ انتظام عالم سخن بوجود ایشاں متعلق است۔ اول کہ صفت آتش دارد و از فطرت والا سر بہ اوج مے ساید و از سوختگی و برشتگی باہمہ کس گرم می جوشد۔ سخنش پختہ است و شعرش گلوسوز'' ص 244

منیر اور جلالا کے تعلقات پر کلیات منیر کے اقتباسات ذیل روشنی ڈالتے ہیں:

(الف) ''بعد از آں صحبت مرزا جلال آوردم۔ آں صاف ضمیر، از روے

انصاف مانند آئینہ شاہدان معانی مرادر انجمن روشن دلاں، روشن شناس گردانید وبربعضے از اشعار بندہ دیباچہ نوشت و بدیں صورت آں عروسان دل فریب را آرایش داد" (دیباچہ کلیات ص7)

(ب) سرمشق خرد ز عقل والاداریم ایں نشأ ز میرزا جلالا داریم ص 94
کیفیت فیض حق تعالیٰ داریم درس سخن از عالم بالاداریم

(ج) 'قصیدہ گفتہ شدہ۔ انشاء اللہ از فیض اصلاح آں سحاب فضل طراوتہا خواہد یافت" (مکتوب بنام جلالا ص 228ھ (د) ہواد آں نظم کہ نظر یافتۂ اصلاح آں مردم دیدۂ اعیانست بر بیاض بردہ بخدمت فرستادہ شد" ایضاً 228ھ (ہ) دیباچۂ مجموعۂ مثنویات میں جلالا کو اپنے عہد کے تین بزرگ تر بن انشا پردازوں میں شمار کیا ہے: "اول صاحب فطرت والا میرزا جلالا کہ سواد سخنش چوں سرمۂ صفاہاں سرمایۂ بینش دیدہ وروان۔ ونظم پیش نثرش پشت دست برزمین سخن نہادہ" ص229 اقتباس الف میں تلمذ کا ذکر نہیں، لیکن اقتباسات ج ود سے صریحاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ منیر جلالا سے اصلاح لیتا تھا۔"

یہ خبر نہیں کہ منیر اور شیدا ذاتی طور پر ایک دوسرے سے واقف تھے یا نہیں، لیکن منیر نے شیدا کو اپنے عہد کے 4 بہترین شاعروں میں شمار کیا ہے:

"چہارم شیدا کہ دیوانہ سواد عرصۂ سخندانیست دیکہ ازمیدان معانی پا (کرم خوردہ) سخن کم آشناست، اگر بایں معنی معنی بیگانہ اش خوانند رواست" (کلیات......)، منیر نے شیدا کو عناصر اربعۂ سخن میں سے ایک بھی کہا ہے، قدسی کو آتش، کلیم کو باد اور الٰہی کو آب کہنے کے بعد شیدا کے بارے میں رقمطراز ہے: "چہارم کہ صفت خاک دارد، سرشتش مزرعۂ تخم معنیست و وطنش خلاصۂ زمین سخن۔ درافتادگی خاکساری ہیچ کس بگردش نمی رسد، با ایں ہمہ ہیچ دلے نیست کہ غبار از وند اشتہ باشد، وبایں دلیل کہ من اورا بخاک تشبیہ کردہ ام وسرشت آدم از خاکست اگر گوید کہ من مایۂ آدمیت ام کرا یارے جوابست؟

خدا گواہ کہ اکنوں بملک ہندستاں ز اہل طبع جز ایں چار تن نمے یابم" ص 244

اس کے سوا کہ یہ عبارات جلالا کے ورود ہند کے بعد کے ہیں، ان کے زمانہ تحریر کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا، ہاں، قیاس یہ ضرور چاہتا ہے کہ معارضے کے پہلے کے ہوں۔ ذیل کی رباعیوں میں سے 1 تا 3 کلیات اور 4 تذکرۂ ہمیشہ بہارم سے ماخوذ ہے:

شیدا کہ بود سہو کلامش پیدا تہ جرعۂ خبطست ز جامش پیدا
محتاج بیاں نیست جنونش آرے دیوانگی اوست زنامش پیدا ص96

شیدا گوید کہ شعر من لکدیست است ہر نقطہ ن بہ صفحہ بیشک بیت است
یک بیت درست نیست در دیوانش از جنت بروت صاحت یک بیت است ص96

شیدا بخیال چوں نگار و معنی (کرم خوردہ) کتابے نگذارد معنی
دیدیم کہ مغیتس ندارد صورت زانگونہ کہ صورتش ندارد معنی ص 96

شیدا بردانا بحذر می آید در مجلس ابلہاں بہ سرے آید
سازند اگر زاستخوانش بُزلے ہر بار کہ افگنند خرے آید ص81

یہ رباعیاں عجب نہیں معارفہ شروع ہونے کے بعد لکھی گئی ہوں۔ شیدا نے بھی منیر کے حق میں کچھ کہا ہے یا نہیں، اس کا پتا نہ چل سکا۔ منیر کا قصیدہ اس کے کلیات م میں نہیں اور مجھے اس کے صرف تین شعر ملے ہیں، جن میں سے شعرا کا تعلق قدسی کے شعر 2 اور شعر 2، 3 کا سروکار قدسی کے شعر 4 سے ہے:

ناخن کلک تو در معنی ایں بیت بلند گر شود بند بہ اندازۂ یک نقطہ بجاست
کام ناکام نہ شاید بہ سخن پیچیدن چہ شد از طبع تو در ملک سخن کامرہ است
حسن ایں معنی نازک کہ تہ آلہ از و بہ ادانجی ایہام شدہ جلوہ نماست

آرزو کا قول ہے کہ منیر نے محاکمہ کیا ہے؛ یہ محاکمہ منصفانہ ہے، اس میں مجھے شبہ ہے۔ صاحب مخزن الغرائب کا یہ بیان کہ منیر نے قصیدے کے ایک مصرع میں شیدا اور ایک میں قدسی کی تعریف کی ہے۔ صریحاً غلط ہے۔ منیر نے خود بھی ایرانی شعرا عرفی، زلالی، ظہوری و غالب پر اعتراض کیے ہیں، اس لیے اس کا مسلک یہ نہیں ہوسکتا کہ ہندیوں کو ایرانیوں پر نکتہ چینی کرنے کا حق نہیں۔ اگر شیدا کے ساتھ اس نے نامنصفی کی ہے تو، اس کی وجہ جلالا ے

طباطبائی سے اس کے تعلقات ہیں۔

(6) آرزو نے ترجمۂ صہبائی میں اپنی نسبتاً تحریر کیا ہے: فقیر... محاکمۂ ملا منیر را کہ درمیان قدسی وشیدا شرعے حامل متن نوشتہ وموسوم بہ دادِ سخن کردہ، اگر چہ شرخ موزوں نیست لیکن بدقت وتحقیق تمام نگاشتہ... قدمہ وخاتمۂ آں بعضے از مطالب دارد کہ تا حال ہیچ کس از فارسی گویاں رابر آں اطلاع نشدہ ص 279

(1) غالب ایک جگہ کہتے ہیں کہ عرفی و ابوالفضل میں مباحثہ ہوا، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ گفتگو عرفی وفیضی میں ابوالفضل کے روبرو ہوئی۔ جلالا کے یہاں دونوں بھائیوں میں سے کسی کا نام نہیں آیا۔ یہ البتہ قرین قیاس ہے کہ بولفضول سے ابوالفضل مراد ہو۔ غالب نے یہ بتایا ہے کہ مباحثہ کیوں ہوا، جلالا نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ غالب کے پہلے بیان کے بموجب گفتگو اس ترتیب سے ہوئی: ابوالفضل، عرفی، ابوالفضل، عرفی۔ دوسرے کے مطابق یہ ترتیب ہے عرفی، فیضی، عرفی۔ جلالا نے صرف 'بوالفضول' کا قول نقل کیا ہے، عرفی نے کیا کہا اس کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔ آخری قول جسے غالب غالب عرفی کی طرف منسوب کرتے ہیں خود جلالا کی رائے ہے۔

(2) جلالا سے قبل یا اس کے زمانے کے کسی اور شخص نے جہاں تک مجھے علم ہے اس مباحثے کا ذکر نہیں کیا۔

(3) غالب نے ظاہراً فیضی کے کلام کا پسندیدۂ جمہور ہونے کے ثبوت میں عبدالقادر کے قول کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن منتخب التواریخ میں یہ مرقوم ہے کہ فیضی نے ہزار کوشش کی، قبول عام نصیب نہ ہوسکا۔ غالب کبھی فیضی کے مستند ہونے سے منکر ہیں، اور کبھی اس کا اقرار کرتے ہیں (تفاصیل غالب بہ حیثیت محقق میں ہیں جو افکار غالب میں شامل ہے)۔

(4) 'سپاہی...... غالباً..................۔ یہ الفاظ عبدالقادر کے نہیں۔

(5) اس جگہ غالب نے اپنے کو 'پارسی زباں' کہا ہے لیکن قاطع برہان میں اس کے خلاف ہے۔ (تفاصیل غالب بہ حیثیت محقق)

(معاصر، حصہ 5)

بزم معاصر

حصۂ 5 ’عہد شاہجہاں کا ایک ادبی مناقشہ اور غالب‘ میں غالب نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، سہو کاتب سے وہی چھوٹ گیا ور تصحیح کے وقت بھی اس پر نظر نہ پڑی۔ عبارات غالب یہ ہیں: (1) ”جلالا... نے شیدائے ہندی کو ایک رقعہ لکھا... عبارت... یاد نہیں... مگر یہ مضمون... ہے کہ ایک دن عرفی... اور ابوالفضل میں مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرفی سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو بسر حد افراط پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عرفی نے کہا اس کو کیا کرو گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا... اپنے گھر کی بڑھیوں اور لونڈیوں سے جو بات سنی فارسی میں سنی۔ شیخ گفت ما فارسی را از انوری و خاقانی گرفتہ ایم و شما از پیرزالاں آموختہ اید۔ عرفی فرمود انوری و خاقانی نیز از پیر زناں آموختہ باشند“ (عود طبع 1، ص 43) (2) ”شیدا... نے حاجی محمد جان، قدسی... کے ایک شعر پر اعتراض کیا... جلالا... نے شیدا کو... لکھا... سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ اور برساند ردیف شعر، اخیر کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ہے: ”یعنی بمہا دیو مقوی برساند“ خلاصۂ مضمون یہ کہ تو صاحب زباں نہیں... زبان داں ہے یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایراں ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پلڑ، تجھ کو کس نے کہا ہے کہ اس سے لڑ۔ کیا تو نے سنا نہیں (کذا) جو عرفی و فیضی میں گفتگو ہوئی ہے اور... ابوالفضل کے روبرو ہوئی ہے۔ لغات فارسی اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا... عرفی نے کہا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا... اور نطق آشنا ہو گیا ہوں اپنے گھر کی بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا رہا ہوں، فیضی بولا کہ جو کچھ تم نے... گھر کی بڑھیوں سے سیکھا... ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا... عرفی نے فرمایا کہ تقصیر معاف، خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق گھر کی پیرزالوں کا ہے“ (عود ص 143) آزاد نے ید بیضا (نسخۂ پٹنہ) میں لکھا ہے کہ شیدا نے ’قطعۂ طولانی‘ لکھا تھا، اور ’بحث ہائے جابجا

ایراد کردہ اس میں ایک اعتراض اور ہے جو دوسرے تذکروں میں نہیں:

''تیز گامیکہ چو آید بسمارع از قدمش کرۂ خاک چو سیماب جہد از چپ و راست'' ق
تیزی گام بدیں وصف ستودن ستمست صفت صدمہ ستم گر کنی آخر برجاست'' ش

صحف ابراہیم میں شیدا کے متعلق لکھا ہے: ''اعتراضیکہ از روے لاف و گزاف منافی شیوۂ انصاف بر قصیدۂ۔ قدسی در بحر و قافیہ (کذا) بسلک نظم کشیدہ از غایت شہرت محتاج بہ اظہار نیست'' ید بیضا میں منیر کی تاریخ وفات 7 رجب 1054ھ مرقوم ہے۔ خلاصۃ الافکار میں بھی یہی سنہ ہے۔ تاریخ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ معارضہ اس سے قبل ہوا۔ کلیات صائب مطبوعہ میں ص 124 شیدا کی غزل کا جواب ہے:

ایں جواب آن غزل صائب کہ شیدا گفتہ است گر تو جویا طالبی مطلوب بے ہمتا طلب

(معاصر حصہ 7)

KUCH GHALIB KE BARE MEIN

Vol. 1

Edited by:
Mahzar Raza

ISBN 819442963-3
9 788194 429630

مَیں عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ ہُوں

